

ان من الشجر الحكيم و ان من البين لخر

# کلماتِ حکم

جگر مراد آبادی





# کلیاتِ جگر

جگر مراد آبادی

تحقیق و ترتیب

نواز چودھری

## فہرست

125	غزلیں	5	جگر صاحب (از رشید احمد صدیقی)
156	پارہ ہائے جگر	18	جگر مراد آبادی (از مالک رام)
160	تخیلاتِ جگر (دو ردوم)	37	تری یاد کا عالم (از رشید احمد صدیقی)
160	غزلیں	53	میرا کلام میری نظر میں (از جگر مراد آبادی)
176	جگر پارے	57	آتشِ گل
180	جذباتِ جگر (دو رسوم)	59	غزلیں
180	غزلیں	105	نظمیں
199	پارہ ہائے جگر	107	افشاں
201	وارداتِ جگر (دو پرچہ ہارم)	108	تجدیدِ ملاقات
201	غزلیں	109	یاد
275	پارہ ہائے جگر	110	سراپا
281	نظمیں	111	قحطِ بنگال
281	مبارک بادِ صحتِ نیالی	111	پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے
281	ایک شاعر کا پیغام	112	آج کل
282	انتقالِ نواب سعید الملک	113	گاندھی جی کی یاد میں
282	عمید	113	آوازیں
283	رباعی	116	گذر جا!
283	دیہاتی گاندھی	117	نوائے وقت!
285	یومِ آزادی	118	زمانے کا آقا، غلامِ زمانہ
286	تکیہ	118	دلِ حسیس ہے تو محبت بھی حسیس پیدا کر!
287	ساتی سے خطاب	119	اعلانِ جمہوریت
288	نذرِ غالب	120	ساتی سے خطاب
		123	شعلہِ طور
		125	نغماتِ جگر (دو راؤل)

326	متفرقات	289
327	شعلہ طور	289
339	لمعات طور	291
339	یادایام	292
340	؟؟؟	293
340	گانڈھی	293
340	سہرا نمبر 1	293
340	سہرا نمبر 2	294
341	شکستِ توبہ	296
342	بادۂ شیراز	297
343	آتشِ گل	298
344	غالبِ مرحوم	300
345	قطعہ	301
349	آتشِ گل کے بعد (غزلیات)	302
363	قندِ پاری	303
364	نعت شریف	304
364	خصوصیاتِ محمدیہ	305
364	عہدِ رسالت تا خلافتِ راشدہ	306
364	عہدِ حاضر	307
364	معراج	308
365	شمعہ از حقیقتِ معراج	308
365	قطعہ و مقطع	308
365	حقیقت و مجاز	319
366	قطعہ (مجاز و محاکات)	319
366	قطعہ	323
366	کلامِ تازہ	324

## گیت

شاعر کا خطاب	
غزل	
درِ جگر	
لمعاتِ طور	
شکستِ توبہ	
غمِ انتظار	
تصویر و تصور	
زرگسِ مستانہ	
یادایام	
مجذوب کی صدا!	
نغمہِ اسلام	
ہلالِ عید	
برخوش نگاہ ہے کن	
تخمیس بر غزلِ اردو	
تخمیس بر غزلِ فارسی	
مثنوی عرفانِ خودی	
واسوخت در غزل	
میرے لئے	
رباعی	
بادۂ شیراز	
غزلیات	
سراپا	
خطاب بہ مسلم	
غیر مطبوعہ کلام	
داغِ جگر	



# جگر صاحب

(رشید احمد صدیقی)

جگر صاحب ان چار سرآمد اردو شعراء میں تہارہ گئے تھے جن کو بیسویں صدی کے ایوان غزل گوئی کے چار ستون کہا جاتا ہے۔ یعنی حضرت فانی، اصغر، جگر اور حسرت۔ کیسے مستحکم یہ ستون ہیں، جن پر جدید غزل کی خوبصورت عمارت قائم ہے۔ باوجود ان تہلکوں اور زلزلوں کے جو اسے پیش آتے رہے۔ جگر صاحب اپنی سیرت و شخصیت کے اعتبار سے اپنے کلام سے بھی زیادہ دلاویز اور قابل احترام تھے۔

بالکل یاد نہیں آتا جگر صاحب سے پہلے پہل کب، کہاں اور کیسے ملاقات ہوئی۔ ممکن ہے الہ آباد میں ہوئی ہو جہاں اصغر صاحب مرحوم ہندوستانی اکیڈمی (یو۔ پی) میں صیغہ اردو کے مشیر ادبی تھے۔ کسی کام سے الہ آباد جانا ہوتا تو میرا قیام اصغر صاحب کے یہاں ہوتا۔ یہ زمانہ اور اس کے بعد کا کافی زمانہ ایسا تھا جب جگر صاحب پر شراب کا کافی تسلط تھا۔ رفتہ رفتہ مجھ سے اتنی راہ و رسم ہو گئی کہ جگر صاحب جب کبھی علی گڑھ تشریف لاتے تو میرے یہاں ٹھہرتے۔ یہاں تک کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بڑے عزیز اور محترم دوست بن گئے۔

الہ آباد میں اصغر صاحب کے سامنے اس طرح خاموش مودب اور آنکھیں نیچی کئے ہوئے بیٹھتے کہ ان سے گفتگو بھی کی جاتی تو ہاں، نہیں میں مشکل سے جواب دیتے اور پھر سر جھکا لیتے۔ اصغر صاحب مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ان کے ہاں پہنچ جاتا تو وہ ایسے خوش ہوتے جیسے ان کا رواں رزواں مسکرانے لگا ہو۔ ان کے اس طرح خوش ہونے سے مجھ پر آسودگی اور غنوک کی ایسی کیفیت طاری ہوتی جیسے میں ان تمام لوگوں کا قصور معاف کرنے لگا ہوں جنہوں نے میرے ساتھ ظلم و زیادتی کی تھی۔ کبھی کبھی وہیں جگر صاحب مل جلتے۔ انہیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ خود نہ آئے ہوں

بلکہ کسی نے پہنچا دیا ہو۔ اور اس کے منتظر ہوں کہ موقع ملے تو پھر اپنی مہم پر چلے جائیں۔ ان کے مولجہ میں اصغر صاحب مجھ سے تفصیل سے گفتگو نہ کرتے۔ میں بھی کوئی ذکر نہ چھیڑتا۔ ہم دونوں بیٹھے ہوتے تو جگر صاحب اٹھ کر چلے جاتے۔

اصغر صاحب، جگر صاحب کو زیادہ خاموش یا اکتایا ہوا تو کبھی کبھی مسکرا کر ان کو یہ فقرہ سنا دیتے۔ ”چاہے جہاں پھرو، لوٹ کر یہیں آنا پڑے گا۔“ اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر ہنسنا بولنا شروع کرتے۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا۔ ”اصغر صاحب! کہاں آنا پڑے گا بیچارے آتو جاتے ہیں۔“ اصغر صاحب میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ ان کی آنکھیں ان سے زیادہ مسکراتی تھیں۔ پھر بولے۔ ”ابھی کہاں آتے ہیں؟ ابھی تو لائے جاتے ہیں۔“ ایک دفعہ الہ آباد پہنچا تو اصغر صاحب کی ہاں جگر صاحب پھر اسی حال میں ملے۔ کھانے کا وقت آیا تو میں اور اصغر صاحب کھانے کے کمرے کی طرف چلے۔ جگر صاحب نے شرکت سے معذوری کا اظہار کیا۔ اصغر صاحب اس دن کچھ بدحظ سے معلوم ہوتے تھے۔ چلتے چلتے کھڑے ہو گئے اور جگر صاحب کو مخاطب کر کے بولے۔ ”یہ سب تمہارے شعر نہیں سنتے تمہارا گوشت کھاتے ہیں۔“ اصغر صاحب کی آزر دگی پر کسی قدر برہمی کا رنگ چھانے لگا تھا۔

میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھانے کے کمرے میں داخل ہوا۔ اصغر صاحب کھانے کی طرف متوجہ ہوئے تو میں نے کہا۔ ”اصغر صاحب! آپ تو لکھنؤی شاعری کے تشبیہ استعاروں کے کبھی شیدائی نہ تھے، یہ گوشت کا کیا قصہ ہے؟“ کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ کچھ خشگیں لیکن زیادہ حزیں لہجے میں بولے۔ ”رشید صاحب! آپ کو کیا معلوم ایسے ایسے بے رحم لوگ بھی ہیں جو ان کو جہاں چاہتے ہیں پکڑ لیتے ہیں، اور یہ جو یہ اسپرٹ ہوتی ہے نہ، وہ پلا پلا کر ان سے شعر سنتے ہیں اور جب یہ ادھ مرے ہو جاتے ہیں تو یکے پر لاد پھاند کر یہاں پہنچا دیتے ہیں۔“ میں نے دیکھا کہ اصغر صاحب بے کیف ہو گئے ہیں اور کھانے سے بھی ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ میں نے پوچھا۔ ”آپ نماز تو پڑھتے ہیں؟“ بولے۔ ”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”..... صاحب تو آپ کو صاحب کشف و کرامات بھی بتاتے ہیں۔“ بولے۔ ”جی! تو پھر؟“ میں نے عرض کیا۔ ”..... صاحب نے آپ کا ایک شعر سن کر آپ کو مستجاب الدعوات بھی قرار دیا تھا۔“ بولے۔ ”آپ بھی تو کچھ کہئے؟“ میں نے کہا۔ ”آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ جگر صاحب کا گوشت کھانے والے و بخیئرین ہو جائیں۔“ اصغر صاحب ہنس پڑے اور ہم دونوں کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کھانا کھلانے پر جو ملازم مامور تھے اس سے پوچھتے جاتے تھے یہ کھانا یا وہ کھانا جگر صاحب کے لئے رکھ دیا ہے یا نہیں۔ اس سے اطمینان نہیں ہوتا تھا تو ڈونگے اور پلیٹ سے نکال کر علیحدہ پلیٹوں میں رکھتے جاتے اور کہتے جاتے۔ ”یہ سب جگر صاحب کے لئے رہے۔ بغیر کھانا کھلائے ان کو باہر نہ جانے دینا۔“



میرے گھر کا ہر چھوٹا بڑا جگر صاحب کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ یونیورسٹی اور شہر میں بھی جگر صاحب محبوب اور مقبول تھے۔ اس زمانہ میں بھی شراب کا بڑا زور تھا۔ اکثر غافل اور بد مست شہر سے لائے جاتے۔ یونیورسٹی کے اندر کوئی نہ کوئی طالب علم مل جاتا تو ان کو میرے ہاں لاتا۔ میں گھر پر نہ موجود ہوتا تو وہ کمرے میں پہنچا کر دیکھ بھال میں مصروف ہو جاتا۔

یہ طالب علم جگر صاحب کی نرسنگ اس طور پر کرتے جیسے کوئی اپنے باپ یا بھائی کی خدمت کر رہا ہو، یا کوئی نرس سرسام میں مبتلا مریض کی نرسنگ کرتی ہو۔ اور یہ اس زمانہ کی بات ہے جب جگر صاحب اور یہ طالب علم دونوں اپنی اپنی جگہ پر ان بانکوں سے کم نہ تھے جن کے قصے تاریخوں اور داستانوں میں ہم پڑھتے آئے ہیں۔

میں آجاتا تو طالب علم چلے جاتے اور معلوم نہیں کیوں اور کیسے جگر صاحب خاموش اور مودب ہو جاتے۔ لیکن ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا جیسے رہ رہ کے سمندر کی تہہ سے کوئی طاقت ور موج ابل کر باہر آنے والی ہو۔ لیکن سطح کے قریب پہنچ کر ایک بیک زور ختم کر کے واپس چلی جاتی ہو۔

یہ باتیں میں اس لئے نہیں بیان کر رہا ہوں کہ اس میں میری بڑائی نکلتی ہے۔ میری یہ نیت ہوتی تو میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اس بھونڈے طریقے سے ان کی نمائش کرتا۔ جگر صاحب سے مجھے یہی شکایت تھی کہ وہ میرے سامنے مودب کیوں ہو جاتے ہیں۔ مجھے ایسے آدمی سے ملنے میں بڑی الجھن ہوتی ہے جو مجھے ہر وقت گارڈ آف آنر دیتا رہے۔ اور اس سے بھی کچھ کم کوفت اس وقت نہیں ہوتی، جب کوئی شخص میرے سامنے مجھ سے زیادہ مسخرابنے کی کوشش کرتا ہے۔

جگر صاحب اپنے حلقہ کے لوگوں میں بیٹھے ہوتے تھے، تو بہت خوش اور بے تکلف ہوتے تھے۔ ایسے میں جگر صاحب کے پاس جانے سے پرہیز کرتا تھا۔ لیکن اتفاق یا ضرورت سے نیچے جاؤں تو وہ اس طرح خاموش اور سنجیدہ ہو جاتے، جیسے مکتب کے چھوٹے نیچے ہنس بول یا اودھم مچا رہے ہوں اور دفعتاً مولوی صاحب نمودار ہو جائیں۔

جگر صاحب مجھ سے یقیناً بہتر انسان تھے۔ وہ مجھ سے مساوات برتیں میری عیادت کریں، مجھ سے خدمت لیں، مجھ سے جھگڑیں یا مذاق کریں، یہ ساری باتیں سمجھ میں آتی تھیں۔ لیکن وہ مجھے حرمین شریفین قسم کا مولوی یا کسی اردو اخبار کا آبرو باختہ ایڈیٹر، یا برطانوی عہد کا تھانیدار سمجھیں، یہ میرے لئے ڈوب مرنے کی بات تو تھی ہی، خود جگر صاحب کے لئے کوئی فخر کی بات نہیں تھی۔

میرا خیال ہے کہ ان کے ہاں میرا جو رکھ رکھاؤ تھا، غالباً اس تعلق سے تھا جو مجھے اصغر صاحب سے یا اصغر صاحب کو مجھ سے تھا۔ اس طرح کی باتوں کا جگر صاحب بڑا لحاظ کرتے تھے۔ وضع داری شریفوں کی پرانی کمزوری ہے۔

ایک دفعہ خبر آئی کہ جگر صاحب شراب سے تائب ہو گئے ہیں۔ یقین نہ آیا کہ ایسا ہوا ہوگا۔ سمجھتا تھا کہ آج نہیں کل یہ خبر آئے گی کہ پھر سے شروع کر دی۔ بری عادتیں اس آسانی سے نہیں چھوڑتیں جس آسانی سے اچھی عادتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ سوچتا تھا کہ جب میں اپنی معمولی بری عادتیں چھوڑنے پر قادر نہیں ہوں تو جگر صاحب شراب کیسے چھوڑ دیں گے۔ وہ اس طرح ڈوبے ہوئے تھے جس طرح شاید جوش گریہ میں غالب کا دل ڈوبی ہوئی اسامی تھا۔ جگر صاحب شراب سے کیوں اور کیسے تائب ہوئے؟ اس کا مجھے علم نہیں۔ اس بارے میں ان سے کبھی ذکر نہیں آیا۔ اتنا البتہ جانتا ہوں کہ ان پر شراب کا کتنا ہی غلبہ کیوں نہ ہوتا ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوتی جسے متبذل کہہ سکیں۔ ان کی زبان سے سخت کلمات نہیں نکلتے تھے۔ وہ کبھی لوٹے پوٹے، دند پچاتے نہیں پائے گئے۔ مجھے تو اکثر محسوس ہوا جیسے کیف و سرخوشی بخشنے کے بجائے شراب ان کو انتہائی درد و کرب میں مبتلا کر دیتی ہو۔ ان پر تھوڑی شراب بھی بہت اثر کرتی تھی۔

ممکن ہے اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے اعضاء بڑے ذکی الحس تھے اور تھوڑی سی تحریک بھی بہت ہو جاتی ہو۔ شاعری میں بھی ان کا یہی حال تھا۔ جیسے خیال یا جذبہ برقی رو بن کر ان کے جسم و جان کو جھنجھناتا ہو۔ کچھ دنوں سے ان کے کلام میں یہ بات بظاہر کم ہو گئی تھی۔ لیکن غور کرنے پر محسوس ہوتا تھا کہ جو بات کہی گئی ہے اس میں تاثرات کی شدت ہے، لیکن ان کو پیش کیا گیا ہے زیادہ مدہم آواز اور انداز میں۔

جگر صاحب کی شاعری میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے۔ کہ اصلاً وہ دوری و مہجوری کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کی رفتار اور سمت کا مطالعہ کیا جائے تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ فراق کے شاعر ہیں، وصال کے نہیں۔ ان کا محبوب سے رشتہ کا انداز Centrifugal (مرکز گریز) ہے۔ یہی سبب ہے کہ جگر صاحب کی شاعری میں محبوب کی عفت میں کوئی خلل نہیں نظر آتا۔ اور ان کا کلام اس آلودگی اور بے راہ روی سے پاک ہے جو ہماری شاعری اور سوسائٹی میں نظر آتی ہے۔ میرا کچھ ایسا خیال ہے کہ جو شاعر ذہن و فکر کے اعتبار سے محبوب سے قریب سے قریب اور جسم و جان کے اعتبار سے دور سے دور ہو وہ اس شاعر سے بالعموم بہتر اور برتر ہوگا جس کی پوزیشن اس کے برعکس ہو۔ جگر کے نقاد کو یہ نکتہ مد نظر رکھنا چاہئے۔

شراب چھوڑنے کے بعد جگر صاحب طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔ یہ زمانہ ان پر بڑا سخت گزرا۔ صحت خراب ہو گئی، طرح طرح کی ذمہ داریوں نے آگھیرا۔ مالی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ جگر صاحب نے جس پامروی سے ان مصیبتوں کو جھیلا، وہ جگر صاحب کا رزمیہ ہے۔ کتنے اور کیسے ”روز ابرو شب ماہتاب“ آئے ہوں گے اور جگر صاحب پر سے گزر گئے ہوں گے۔ اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔“



جگر صاحب بڑی مذہبی آدمی تھے۔ مذہبی لوگوں کے بارے میں میرا تجربہ کچھ اچھا نہیں ہے۔ میں نے اکثر ایسے لوگوں کو مذہب میں مبتلا پایا جن میں خاصی اخلاقی کمزوریاں ملتی ہیں۔ یہ لوگ خدا کو اس منطق سے قائل کرتے رہتے ہیں۔ ”میں جتنی شادیاں کرنا اور طلاق دیتا ہوں اتنی ہی زائد رکعتیں نماز کی بھی تو پڑھ لیتا ہوں۔“ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح امریکہ ہر چیز کی قیمت ڈالر میں وصول کرتا ہے، اللہ تعالیٰ..... ان کے گناہوں کا کفارہ نفلوں میں قبول کر لیتا ہے۔

مذہب بڑی سخت اور قابل قدر آزمائش ہے۔ بالخصوص مسلمانوں کا مذہب۔ جس طرح کے مذہبی لوگ میرے پیش نظر ہیں وہ اس درجہ کے بیوقوف ہوتے ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جب وہ اپنے ارد گرد کے معمولی لوگوں کو دھوکہ نہیں دے سکتے تو وہ خدا کو کیونکر دھوکہ دیں گے جس کی صفات کا ان کو علم ہے۔ یقین ہو یا نہ ہو، ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ خدا نے اپنے سارے اختیارات ان بندوں کو ہمیشہ کے لئے منتقل کر دیئے ہیں جن کا وہ حق مارتے رہتے ہیں۔ ایسے معاملات میں وہ خدا کے ہاں جتنی عرضیاں بھیجتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو پڑھے بغیر عدالت مجاز کو واپس کر دیتا ہے۔

ان میں بعض ایسے معصوم بھی ملیں گے جو اس کوشش میں رہتے ہیں کہ خدا کو نہ سہی ان کے فرشتوں کو ہی دھوکہ دے کر کار براری کر لیں جو ان کا اعمال نامہ مرتب کرنے کے لئے کاندھوں پر بٹھا دیئے گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ آخرت میں پٹواری کے اندراجات کی بنا پر مقدمہ جیت لیں گے۔ جگر صاحب ان معنوں میں مذہبی آدمی تھے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ اور انسان کے حقوق کو پہچانتے تھے۔ اور ان کا لحاظ رکھتے تھے کہ جس کا جو حق ہو، اسے پہنچ جائے۔ وہ نفع کے ضرر اور ضرر کے نفع کو جانتے تھے۔ ان میں حیا تھی۔ وہ پرانی چیز کو اپنانے کے درپے نہیں ہوتے تھے۔ ان میں غیرت اور حمیت تھی۔ ظلم اور زیادتی اپنے پر ہو تو جھیل جاتے تھے۔ دوسروں پر ہو تو اس کی حمایت میں اپنے کو خطرے میں ڈال دیتے تھے۔ ان کے یہ جو ہر تقسیم ملک کی ہلاکتوں میں کھلے۔ تفصیل میں طوالت ہے۔ جگر صاحب عالم فاضل نہیں تھے۔ مذہب ہو یا سیاست ہو یا شعر و ادب ہو ان پر ان کی گفتگو منطقیانہ یا فلسفیانہ نہیں ہوتی تھی۔ ان کا احساس جتنا سربلج اور شدید تھا اتنا ان کا مطالعہ وسیع نہیں تھا۔ وہ خود اپنی شاعری کے بارے میں تفصیل سے گفتگو نہیں کر پاتے تھے۔ وہ اپنی شاعری سے باہر نکل کر کسی اور کی شاعری پر غور کرنا نہیں چاہتے تھے۔ شاید غور کر بھی نہیں سکتے تھے۔ جس کے جذبات تند و تیز ہوں وہ غور کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جگر صاحب اقبال کی شاعری کے کچھ ایسے قائل نہیں تھے۔ فانی بھی نہ تھے دونوں کا یہ کہنا ہے کہ شاعری میں فکر و فلسفہ کیسا؟ حالانکہ دونوں، بالخصوص جب جگر جہت و جہاں سے بلند ہوتے ہیں، اقبال کے قریب ہو جاتے ہیں۔ لیکن جگر صاحب شعر و شاعری کے بارے میں جو کچھ کہتے تھے وسعت اور وزن سے قطع نظر اس میں خلوص کی پاکیزگی اور یقین کی محکمگی ملتی تھی۔



میں نے جگر صاحب کو تقریباً ہر حال اور ہر صحت میں دیکھا ہے۔ خوبصورت نوجوان آزاد منش، عورتوں میں ماں بہن بیٹیوں میں عمائد اور اکابر کی موجودگی میں، طلباء اساتذہ اور دوسرے سنجیدہ اور ثقہ حلقوں میں گفتار و کردار کے اعتبار سے میں نے ان کو کہیں قابل گرفت نہیں پایا۔ عورتوں کی موجودگی میں جگر صاحب عقیف و شفیق نظر آتے تھے۔ ان کی زبان سے کوئی ہلکی بات نہ نکلتی تھی، اور نگاہ کبھی بے باک اور بے محابہ نہ ہوتی تھی۔ عورتوں کی موجودگی سے قطع نظر بے تکلف دوستوں میں میں نے کبھی یہ نہ دیکھا کہ جگر صاحب نے بے خیالی میں تفریحا کوئی ایسا جملہ کہا ہو جس میں عورتوں سے تفریح یا عورتوں کی تضحیک کا پہلو نکلتا ہو۔ کم سے کم میری جان پہچان کا کوئی اردو شاعر ایسا نہیں ہے سوا فانی مرحوم کے، جو اس بارہ خاص میں جگر صاحب کا مقابلہ کر سکے۔

رؤسا اور امراء کے سامنے جگر صاحب حتی الوسع اپنا اور ان کا دونوں کا رکھ رکھاؤ ملحوظ رکھتے تھے۔ لیکن اس طرح کی صحبتوں میں جگر صاحب کی طرف سے میں ہمیشہ منزود رہا۔ اس لئے کہ معمولی آدمیوں کی بدتمیزی وہ بالعموم نظر انداز کر دیتے تھے، لیکن کسی بڑے آدمی سے ذرا بھی کوئی ناواجب حرکت سرزد ہو جاتی تو جگر صاحب بغیر کچھ کہے یا کئے نہ رہتے تھے۔ چاہے اس کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ بھوپال کے نواب زادہ رشید الظفر صاحب زمانہ طالب علمی سے جگر صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ایک زمانہ میں انہوں نے جگر صاحب کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اور کسی طرح کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی کہ وہ کیا کریں، کہاں رہیں۔ اس زمانہ میں والیان ریاست میں سے اکثر یہ چاہتے تھے کہ جگر صاحب ان سے وابستہ ہو جائیں۔

ان میں سے ایک جو بہت بڑی ریاست کے چشم و چراغ تھے، اس کے درپے ہوئے کہ جگر صاحب جس معاوضہ اور شرط پر چاہیں اس کے متوسلین میں شامل ہو جائیں۔ طرح طرح کے ڈورے ڈالے گئے۔ جگر صاحب کی مالی حالت خراب تھی بھوپال کے وظیفہ سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ جگر صاحب اس ”آفر“ کو خوش اسلوبی سے ٹالتے رہے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ رئیس نے برملا اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔ جگر صاحب نے بات ٹالنی چاہی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اصرار بڑھا اور اصرار میں رنگ امارت کا بھی جھلکا۔ جگر صاحب بے قابو ہو گئے، بولے، ”جناب آپ مجھے داموں خریدنا چاہتے ہیں۔ میں تو رشید الظفر کے ہاتھوں بک چکا ہوں“

حاضرین سناٹے میں آگئے اور جگر صاحب گھر آگئے۔

جگر صاحب میں مردت اور وضعداری بہت تھی۔ جس سے رسم و راہ ہو جائے اس کے لئے وہ تمام آداب برتتے جو شریفوں میں قدیم سے چلے آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بڑے دھوکے کھائے، اور نقصان اٹھائے۔ جگر صاحب کا شمار کھاتے پیتے لوگوں میں نہیں تھا۔ مدتوں بڑی تنگی ترشی



سے بسر ہوئی۔ خرچ آمدنی سے بہت زیادہ تھا، لیکن انہوں نے اپنی تنگدستی کا اظہار کبھی کسی سے نہیں کیا۔ مہمان کا خیر مقدم اس طرح کرتے جیسے ان کے گھر خیر و برکت کا نزول ہو رہا ہو۔ تکریم و تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھتے۔ کپڑے اچھے پہنتے، سامان قیمتی رکھتے، جس کو ہمیشہ کوئی نہ کوئی مانگ لیتا، یا چرا لیتا، ورنہ خود کہیں کھو آتے۔

جگر صاحب جب کبھی میرے ہاں آئے، میں نے یہ سوال کیا۔ ”جگر صاحب سفر میں کیا کھو آئے؟“ اور تقریباً ہمیشہ یہی معلوم ہوا کہ کچھ نہ کچھ کہیں نہ کہیں چھوڑ آئے ہیں۔ ایک دفعہ مشاعرے میں جو کچھ ملا تھا اسے جیب میں رکھ لیا۔ جن کے ہاں ٹھہرے تھے انہوں نے جگر صاحب کو دیکھ بھال کے لئے اپنے کسی عزیز کو مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے جگر صاحب کی بڑی خدمت کی، ہر وقت موجود رہتے، اور اظہار عقیدت کرتے۔ جگر صاحب کو غافل سمجھ کر انہوں نے سارے روپے نکال لئے۔ جگر صاحب کہتے تھے کہ وہ یہ سب دیکھ رہے تھے، لیکن چپ رہے۔ میں نے پوچھا۔ ”یہ کیوں؟“ بولے۔ ”یہ واقعہ ایسے وقت رونما ہوا جب میں جائے قیام سے رخصت ہو کر اسٹیشن آ رہا تھا۔ بہت سے لوگ موجود تھے۔ کچھ اچھا معلوم نہ ہوا کہ وہاں اس چوری کا اعلان کروں، اور کسی شریف آدمی کو رسوا کروں۔“

جگر صاحب جس کے مہمان ہوتے تھے اس پر بہت کچھ اپنا ہی صرف کرتے تھے۔ میں نے غصہ میں ان کو آپے سے باہر ہوتے نہ دیکھا۔ حکم چلاتے نہ پایا۔ اپنی بڑائی کبھی ان کی زبان پر نہ آئی۔ دوسروں کے عیب انہوں نے کبھی نہیں ڈھونڈے، نہ کبھی ان کی تشہیر کی۔ ایسے لوگ کم ہیں جو اپنی بڑائی جتانے کے لئے ایسا نہ کرتے ہوں۔ جگر صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ عام شعراء کی مانند اس تاک میں نہیں رہتے تھے کہ کوئی غریب اور شریف مل جائے تو اسے اپنے اشعار سنانا کر ادھ مرا کر دیں۔

جگر نے بھی غزل کے اسی بدنام کوچہ میں پرورش پائی تھی۔ داغ کی شاگردی نے انہیں ستے نشے کا مزہ بھی چکھایا تھا اور محض زبان کے لطف و بیان کے چٹخارے سے بھی آشنا کر دیا تھا۔ مگر جگر کی عظمت یہی تھی کہ انہوں نے اس کوچہ میں قیام نہیں کیا۔ وہ داغ کے شاگرد تھے مگر داغ نہ بن سکے۔ وہ اصغر کے مداح اور عقیدت مند تھے، مگر اصغر نہ بن سکے۔ کیونکہ ان کے اندر ایک لذت پرست کا دل تھا، اور نہ ایک صوفی کا۔ وہ تو ایک ایسے سرمست اور سرشار انسان کا دل لے کر آئے تھے، جس کے پاس صرف ایک دولت تھی، خلوص کی دولت۔ اور صرف ایک قوت تھی، محبت کی قوت۔

مجھے جگر کی شاعری کی جن خصوصیات نے متاثر کیا ہے ان میں سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی شاعری ذات کا پر تو ہے، سخن کا پردہ نہیں۔ یہاں صرف ان احساسات اور جذبات کی جھلک ملتی ہے جنہوں نے شاعر کو بے چین کیا ہے مضطرب رکھا ہے۔ یہاں وہ مضامین نظم ہوئے ہیں، جنہوں نے زبردستی شاعر کو مجبور کر کے اپنے کو نظم کیا ہے۔ یہ آسان بات نہیں۔ اس کے لئے زبردست

جرات اور ہمت کی ضرورت ہے جو ہر مصلحت کو ٹھکرا کر آگے بڑھ سکے۔ دوسروں سے خلوص برتنا آسان ہے، اپنے سے خلوص برتنا بہت مشکل ہے۔ جگر کی سب سے بڑی جیت یہی ہے کہ انہوں نے اپنے فن پر کبھی مصلحت کا نقاب نہیں ڈالا۔

جگر نے شراب اور شباب کی شاعری کی ہے۔ اور ان کی زندگی کے یہ گوشے بھی کسی کی نظروں سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ شراب کو انہوں نے اپنایا، اور اس دھڑلے سے پی کہ شاید ہی اتنی سستی اور اتنی زیادہ شراب ہندوستان کی کسی زبان کے شاعر نے پی ہو۔ جب سب کو جگر کے شعر مارے ڈال رہے تھے، اس وقت جگر کو شراب مارے ڈال رہی تھی۔ شاہد و شباب سے ان کے ربط و ضبط بھی چھپے نہیں ہیں، اور انہوں نے اپنی رندی اور اپنے عشق دونوں کو پاک اور بے لاگ رکھا۔ ایسا رند پارسا اور ایسا پاکیزہ مشرب شاہد باز شاید ہی اردو ادب نے کبھی پیدا کیا ہو۔ لہذا جگر کی غزل میں خمریات کا ذکر جگ بیتی نہیں، آپ بیتی کا حکم رکھتا ہے۔ عشق اور واردات قلبیہ شاعری ہی نہیں تھی، زندگی تھی۔ اس میں حقیقی تجربہ کار نگ بھرا گیا تھا، اور وہ ذاتی کیف و درد اور سوز و نشاط کی آواز بن گئی تھی۔

شراب و شباب جگر کے ہاں آلودگی پر ختم نہیں ہوئے۔ داغ سے جولہ تیت اور حیات کا مزہ انہیں ملا تھا، اسے اصغر کے تصوف نے نکھار کر آلودگی سے پاک کر دیا تھا۔ ان کے ہاں عشق، وصال کے مزہ کا نام نہ رہا، ہجر کا کیف بن گیا۔ جگر کی شاعری محبوب کو پانے سے زیادہ جذبہ عشق سے عشق کرنے کی شاعری ہے۔ وہ جذبہ عشق جو محبوب سے ملتا نہیں، البتہ اس سے ملنے کی تمنا میں مستقل تر پاتا ہے۔ اور یہ تڑپ، یہ خلش، یہ غم وہ کلید ہے، جو کائنات کے بھید کھولتی چلی جاتی ہے۔ جو یہ بتاتی ہے کہ اصل بصیرت ذات میں گم ہو جانے میں نہیں ہے، بلکہ نشاط سے آگے بڑھ کر غم دو جہاں کے زہر کو شوکی طرح پی کر کائنات کے وجود کے دائمی کرب کا ہم راز ہو جانے میں ہے۔ انسان دوستی، عالمگیر ہمدردی اور اخوت کے مبارک جذبے غم سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ غم محبوب کا حسین اور پیش بہا عطیہ ہے۔

ہجر سے شاد ، وصل سے ناشاد

کیا طبیعت جگر نے پائی ہے

اک شاہد معنی و صورت سے ملنے کی تمنا سب کو ہے

ہم اس کے نہ ملنے پر ہیں فدا، لیکن یہ مذاق عام نہیں

غم کہ ہے زینہ صفات و ذات

غم نہیں ہے تو آرزو، نہ حیات

یہاں محبوب کا کوئی کم معیار تصور نہیں ہو سکتا۔ جگر کا محبوب نہ شاہد بازاری ہے اور نہ بے رحم جلاو۔ بلکہ دراصل وہ عاشق کی تکمیل ذات کا ایک ذریعہ ہے۔ وہ خود بھی شاعر ہی کی طرح درد و کیف



سے آشنا ہے۔ وہ بھی شاعر کی ذات کی سرمستی اور ولہانہ پن میں شریک ہے۔  
 ہاں ہاں، مجھے کیا کام مری شدت غم سے  
 ہاں ہاں، نہیں مجھ کو ترے دامن کی ہوا یاد  
 ملتا جلتا ہے مزاج حسن ہی سے رنگ عشق  
 شمع گر بے باک ہے، گستاخ پروانہ بھی ہے  
 جسے خود بھی عشق کی دولت عزیز ہے، اور جو عشق کے دل کی بات کو لفظ و معنی کے اشاروں کے  
 بغیر بوجھ سکتا ہے۔

ابھی ہے دل کو مقام سپردگی سے گریز  
 اک اور بھی سہی گیسوئے غم میں شکن  
 بیٹھے ہیں بزم دوست میں، گم شدگان حسن دوست  
 عشق ہے اور طلب نہیں، نغمہ ہے اور صدا نہیں  
 اور اسی لئے حسن کا درجہ ان کے ہاں پرستش کا نہیں، رفاقت کا ہے۔ مگر وہ رفاقت جو پاکیزہ  
 ہے۔ جو اس قدر مقدس ہے کہ میر کے لفظوں میں۔

دور بیٹھا غبار میر اس سے  
 عشق بن یہ ادب نہیں آتا  
 کی مصداق ہے۔ اس پاکیزگی کا ذکر جگر سے ان الفاظ میں کیا ہے۔  
 وہ ہزار دامن جاں سہی، مجھے غیر پھر بھی عزیز ہے  
 جسے خاک پا تری چھو گئی، وہ برا بھی ہو، تو برا نہیں!  
 مری طبیعت کو حسن فطرت سے ربط باطن نہ جانے کیا ہے  
 مری نگاہیں کبھی نہ انھیں طہارت چشم تر سے پہلے  
 غم انسانی زندگی کی بصیرت کی کلید ہے، اور غم محبت کا فیضان ہے۔ لہذا جگر کے نزدیک محبت ہی  
 زندگی کا آدرش ہے، اور اسی مرکز پر انسانی سماج کی تشکیل ہونی چاہئے۔  
 ع  
 میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

اسی لئے وہ ایک انسانی سماج کا تصور کرتے ہیں، جس میں افراد اور قومیں خود غرضی اور تعصب  
 کے بجائے محبت، راست کرداری اور خلوص کو نظام حیات قرار دے سکیں۔ ان کے نزدیک اصلی علم و  
 عرفان یہی ہے اور اگر تہذیب کے ساری ملمع اور علم و سائنس کی ساری ترقی کے باوجود انسان کی داخلی  
 زندگی میں انقلاب نہ پیدا ہو سکا اور وہ خود غرضی، لالچ، تعصب اور تنگ دلی سے باہر نہ نکل سکا، تو ان

کے نزدیک انسانیت کی ترقی بے کار ہے۔  
دل میں اگر نہیں، تو کہیں روشنی نہیں

تسخیر مہر و ماہ مبارک تجھے مگر  
کہاں سے بڑھ کے پہننے ہیں، کہاں تک عمل و فن ساقی!  
مگر آسودہ انساں کا نہ تن ساقی، نہ من ساقی

گھٹ گئے انساں، بڑھ گئے سائے جہل خرد نے دن یہ دکھائے  
جگر کے نزدیک انسان کی راست کرداری اور جرات مندانہ خلوص اس کی سب سے اہم  
خصوصیات ہیں۔ اور اسی لئے جب انہیں اپنے وطن میں راست کرداری، جرات مندانہ خلوص اور  
وسعت نظری کی کمی نظر آتی ہے تو وہ مصلحت پرستی کے بغیر پورے خلوص اور کرب کے ساتھ اس پر تنقید  
کرتے ہیں۔ گاندھی جی کے بہت سے مرثیے لکھے گئے۔ مگر جگر کی چھوٹی سی نظم ان سب پر بھاری  
ہے، کیونکہ اس میں وہ گاندھی جی کے سیاسی کردار سے زیادہ ان کے خلوص، ان کے پیغامِ محبت اور  
راست کردار پر زور دیتے ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ جمہوریت کا صحیح معیار فرد ہے۔ جو تہذیب بہتر افراد کو جنم دے سکتی ہے، وہی  
معیاری تہذیب کہلانے کی مستحق ہے۔ جگر ان معنوں میں اپنے دور کے ہندوستان اور اپنے دور کی  
مہذب دنیا سے نا آسودہ ہیں۔ وہ انہیں مادی آسودگی اور ظاہری چمک دمک کے سامان دیتی ہے۔ مگر  
انسان کی باطنی آسودگی اس کی راست کرداری کا حل اس کے پاس نہیں ہے۔ انسان کی مادی ترقی اور  
اس کے زوال کا یہی تضاد ہے، جسے کردار کے بحران سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ دن بدن زیادہ آسائش  
پسند، زیادہ متمول اور زیادہ طاقتور ہوتا جا رہا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کی خود غرضی اور مصلحت  
پرستی، اس کی تنگ نظری اور تعصب بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ جگر اس عظیم نفسیاتی اور ذہنی بحران پر سخت  
تنقید کرتے ہیں۔

جگر اپنے دور سے مطمئن نہیں ہیں، مگر وہ مایوس بھی نہیں ہیں۔ جگر کی شاعری فرد کے لئے سوز  
یقین کا پیغام دیتی ہے۔ وہ ماحول کی تاریکی سے تھک کر بیٹھ جانے والوں میں نہیں ہیں۔ خود اپنے سوز  
باطن سے غیر فانی شمع جلانے والوں میں سے ہیں۔

خود اپنے ہی سوزِ باطن سے، نکال اک شمع غیر فانی  
چراغِ دیر و حرم تو اے دل، جلا کریں گے بجھا کریں گے  
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل  
قسمت تری خود ہے ترے کردار میں مضمر  
قسمت کو بنانا ہے تو قسمت سے گذر جا



ہم اپنی کیوں طرز فکر چھوڑیں، ہم اپنی کیوں وضع خاص بدلیں  
کہ انقلابات نو بہ نو تو ہوا کئے ہیں، ہوا کریں گے  
اپنی اپنی وسعت فکر و یقین کی بات ہے  
جس نے جو عالم بنا ڈالا، وہ اس کا ہو گیا

زیست بسر کی نہ سہاروں کی ساتھ جان فدا اس پہ کہ جس نے جگر  
جسے جینا ہو، مرنے کے لئے تیار ہو جائے یہ مصرعہ کاش! نقش ہر درد و دیوار ہو جائے  
سکوں تلاش نہ کر، اے دل سکوں دشمن! ہر ایک لحظہ ہے در پیش کار زار حیات  
پرائی آگ میں جلنا ہے کار مردانہ خود اپنی آگ میں جلتی ہے شمع، جلنے دو

جو دشمن کے لئے بھی سر سے اپنے کھیل جاتے ہیں  
دل خوباں میں چھتا ہے انہیں کا بائکین ساقی!  
ہم کو مٹا سکے، یہ زمانہ میں دم نہیں  
ہم سے زمانہ خود ہے، زمانہ سے ہم نہیں

یہاں جگر ایک ایسے شاعر کے روپ میں نظر آتے ہیں، جسے فرد کی طاقتوں پر بے پناہ اعتماد  
ہے۔ جسے انسان کی عظمت اور اس کے باطنی متاع بے بہا کا احساس ہے۔

ہر چند کائنات دو عالم میں اے جگر  
انساں ہی ایک چیز ہے، انساں مگر کہاں

اور ان کی شاعری یہاں ایک ایسی منزل پر پہنچ گئی ہے جہاں وہ ستا نشہ نہیں بنتی، سوز یقین اور  
جوش عمل کی پیغامبر بن جاتی ہے۔ اور غزل میں یہ آہنگ سمو لینا جگر کے علاوہ اس دور کے بہت کم  
شعراء کے ہاں ملتا ہے۔

ان خیالات کے بارے میں دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ یہ خیالات جگر کے ذاتی خلوص  
سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں نہ تقلید کا رنگ ہے اور نہ کسی مخصوص مکتب خیال یا پارٹی میں ہونے کی وجہ  
سے ان کو اپنایا گیا ہے۔ ان پر جگر کی شخصیت کی چھاپ ہے۔ یہ جگر کی ذات کے ریشہ ریشہ کی پکار ہیں،  
اور ان میں ان کا خلوص مصلحت کو شیوں، گروہ بندیوں اور کٹر نظریہ پرستیوں کو لاکر کر حقیقت کی نجی  
دریافت کے درجہ تک پہنچتا ہے۔

کہنے کو اہل علم کی کوئی کمی نہیں  
لیکن خود اپنی فکر، خود اپنی نظر کہاں؟

جھاڑ کے اٹھے اپنا دامن بیٹھے ہم ہر بزم میں، لیکن

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ان خیالات کو جگر نے جذبہ کی شکل میں ڈھال کر شعریت بخش دی ہے۔ شاعر کی حدود احساسات کے لطیف ترین ارتعاشات سے شروع ہوتی ہیں، اور خیال تک پہنچتی ہیں۔ عظیم شاعری محض احساسات کی شاعری نہیں ہوتی۔ وہ خیالات کو جذبہ کی قوت اور رنگینی بخش دیتی ہے، اور اسے شعریت کے پیکر میں ڈھال دیتی ہے۔ جگر ان گنے چنے شعراء میں سے ہیں، جنہوں نے جس خیال کو نظم کیا ہے اسے جذبہ کی رنگینی اور شعریت کا حسن بخش دیا ہے۔ ان کے ہاں خیال کی عظمت نہ سہی، مگر اس کا حسن اور اس کی صداقت ضرور ہے۔ ان کا مقام ہمارے عظیم ترین شعراء کی صنف میں نہ سہی، مگر کامیاب اور رنگین شعراء کی صف اول میں ضرور ہے۔

غالباً داغ جگر اور شعلہ طور کے کلام کے پیش نظر جگر کی غزل گوئی کے بارے میں یہ رائے عام طور پر ظاہر کی جاتی ہے کہ ان کی غزل گوئی اساتذہ کی کامیاب تقلید ہے۔ اس میں شراب و شباب کی پرکیف سرمستیاں ہیں اور اسے سماجی تنقید یا فکری تعمق سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن آتش گل کے دور کی شاعری کے بارے میں یہ رائے یقیناً نامناسب ہے۔ یہاں جگر کی قوت تغزل اس قدر پر تاثیر ہے کہ وہ خیال کے براہ راست اظہار کے باوجود شعریت اور تغزل کے انداز کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ چند نظموں کی استثناء کے بعد جگر کی شاید ہی کسی غزل کو اس کیف سے خالی قرار دیا جاسکے گا۔

جگر کی ایک اور اہم خصوصیت ان کی شاعری کا سنگیت ہے۔ ٹیگور کے ایک ڈرامہ میں ایک کردار نے کہا تھا، ہمارے الفاظ بولتے نہیں، گاتے ہیں۔ جگر کے الفاظ بھی بولتے نہیں، گاتے ہیں۔ جگر کسی ذاتی اہتمام یا درو بست کے بغیر شعر کی اندرونی موسیقی قائم رکھتے ہیں۔ لفظوں کے انتخاب، ان کے معنوں کے ربط، ان کی جھنکار اور صوتی تاثیر پر ان کی نظر اس قدر گہری ہے کہ گویا موزوں ترین الفاظ بلا کسی کاوش کے ان کے قلم سے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ شعریت اور موسیقی جگر کی شخصیت کا جزو معلوم ہوتی ہے۔ ان کے اشعار میں وہ جھنکار ہے جس میں صنعت گری کا شائبہ معلوم نہیں ہوتا۔ انداز بیان کا وہ سادہ نگہرا، ہواروپ ہے جو روح کو وجد میں لاتا ہے اور شاعری کو موسیقی کے کیف و مستی سے مالا مال کر دیتا ہے۔ جگر نے انداز بیان کے مختلف انداز اختیار کئے ہیں اور ہر جگہ ان کی ندرت ادا، والہانہ پن، بے ساختگی اور سادگی سے معمور شعریت سے بھرپور آہنگ ایک نیا عالم پیدا کر دیتا ہے۔

خرد حقیقت چالاک و چست و مست خرام  
جنوں صداقت بے باک و مصلحت دشمن  
ارے غضب، ارے ستم، وہ اک نگاہ سحر فن  
جھکے اگر تو بت کدہ، اٹھے اگر تو بت شکن  
کہاں کے لالہ و گل، کیا بہار توبہ شکن



کھلے ہوئے ہیں دلوں کی جراحیوں کے چمن  
 وہی زمیں، وہی زماں، وہی مکین، وہی مکاں  
 مگر سرور یک دلی، مگر نشاط انجمن!  
 کہاں پہلوئے خورشید جہاں تاب  
 کہاں اک نازنین دوشیزہ شبنم  
 زندگی فرش قدم بن کے بچھی جاتی ہے  
 اے جنوں اور بھی اک لغزش مستانہ سہی  
 اپنی شوریدہ مزاجی کو کہاں لے جاؤں  
 ترا ایماں نہ سہی، تیرا اشارہ نہ سہی  
 زلف و مژہ کے سائے سائے راہ جنوں آسان ہوئی ہے

بنا جائے بگڑتا جائے کار زمانہ جتنا جتنا  
 نہ آئے گی بہار اب کے برس کیا لہو آتا نہیں کھنچ کر مژہ تک  
 یک لحظہ خوشی کا جب انجام نظر آیا  
 شبنم کو ہنسی آئی، دل غنچوں کا بھر آیا  
 شعر و نغمہ رنگ و نکبت، جام و صہبا ہو گیا  
 زندگی سے حسن نکلا اور رسوا ہو گیا

عشق ہے کار شیشہ و آہن عشق ہے پیارے، کھیل نہیں ہے  
 غرض جگر غزل شاعرانہ وراثت کا ایک اہم سرمایہ ہے۔ جگر کی سرمستی، ان کا خلوص، ان کی  
 جرات اور راست کرداری، ان کی شعریت اور تعزل کی توانائی، یہ سب ایسے جوہر ہیں، جن سے کیف و  
 بصیرت حاصل کی جاتی رہے گی۔ علی سکندر اب اس دنیا میں نہیں، لیکن جگر مراد آبادی کی آواز ایک  
 مدت تک سوز یقین اور نور بصیرت بخشی رہے گی۔

جگر نے کہا تھا۔

جان کر منجملہ خاصان سے خانہ مجھے!  
 مدتوں رویا کریں گے جام و پیانہ مجھے

# جگر مراد آبادی

(مالک رام)

آزادی سے قبل جس زمانے میں ہندوستان کی مرکزی حکومت کے دفتر شملے میں جایا کرتے تھے، یہاں کی ”بزم ادب“ ہر سال اچھے بڑے پیمانے پر ایک مشاعرے کا انتظام کیا کرتی تھی۔ اس بزم کے کرتا دھرتا بیشتر سرکاری ملازم تھے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب ان حضرات کے دماغ دفتری مسلوں کی خشکی اور پیوست سے ماؤف اور بیکار ہو جاتے، تو یہ اسے شعر و سخن کی رنگینی سے تازگی بخشنے کی کوشش کرتے تھے۔ ماشاء اللہ خود بزم کے اراکین میں شاعروں کی کمی نہیں تھی، لیکن مشاعرے کو موقر اور واقع بنانے کے لئے ہر سال باہر سے بھی دو چار نامی اور مشہور اساتذہ کو دعوت دی جاتی تھی۔

اتفاق سے ۱۹۳۶ء کے مشاعرے کے موقع پر میں شملے میں تھا۔ مشاعرہ ستمبر کے آخری اتوار کے دن ہوا تھا۔ اس سے پہلے دن سہ پہر کے وقت میں اور جلیل قدوائی اور بدر الدین صاحب لوزر بازار کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں چوڑا میدان میں ایک صاحب رکشا پر آتے ہوئے مل گئے۔ ہمیں دیکھ کر انہوں نے رکشا رکوائی اور بڑھ کے جلیل صاحب سے بڑے تپاک سے بغل گیر ہو گئے۔ جلیل نے میرا تعارف کرایا۔ معلوم ہوا کہ آپ جگر مراد آبادی ہیں اور خصوصی دعوت پر مشاعرے میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ شعلہ طور کے ساتھ محمد اویاما کی بنائی ہوئی جو تصویر (یہ تصویر اومایا مرحوم کا شاہکار ہے، بلکہ بہت حد تک ان کی عام شہرت اسی کی مرہون منت ہے۔ اس سے متعلق ایک لطیفہ یاد آ گیا۔

ہمارے ایک دوست تھے، حمید عرفانی، انہیں بھی تصویر کشی سے بہت دلچسپی تھی۔ انہوں نے اومایا کی اس تصویر کی نقل تیار کی اور ایسی عمدہ کہ باید و شاید۔ اس پر انہوں نے خود جگر سے ان کا ایک فارسی شعر لکھوایا اور دستخط لئے۔ جب میں نے یہ تصویر ان کے وہاں دیکھی، تو میری نیت خراب ہو



گئی۔ اب مجھے ٹھیک سایا نہیں کہ انہوں نے میرا شوق دیکھ کے خود ہی اسے میرے حوالے کر دیا، یا میں نے ہی کچھ حیلہ بہانہ کر کے یہ ان سے ہتھیالی، بہر حال تصویر میرے قبضے میں آگئی۔ ۱۹۳۹ء میں اپنے کتاب خانے کے ساتھ میں اسے اپنے عزیز دوست ملک احمد حسن مرحوم (اڈیٹر دور جدید) کے پاس چھوڑ آیا۔ لطیفہ یہ ہوا کہ جب احمد حسن نے اسے دیکھا تو پوچھا، کیوں بھائی، واقعی یہ جگر صاحب کو ٹھیک تشبیہ ہے۔ میں نے کہا: واہ صاحب! یہ آپ نے کیا کہا! اصل تو یہ تصویر ہے، جگر صاحب تو اسے دیکھ کر بنائے گئے ہیں۔ یعنی یہ اصل ہے اور جگر صاحب نقل۔ پس یہ سوال تو ہو سکتا ہے کہ کیا جگر اس تصویر کے مطابق ہیں یا نہیں، لیکن آپ یہ نہیں پوچھ سکتے کہ یہ تصویر جگر کی ہے یا نہیں۔ اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ افسوس، کہ میرے قیمتی کتاب خانے کے ساتھ یہ تصویر بھی لاہور کے ۱۹۵۳ء کے فسادات کی نذر ہو گئی۔

رہا کھکانہ چوری کا، دعا دیتا ہوں رہزن کو

بعد کو میری ملاقات خود ادویا سے بھی ہوئی، بلکہ انہوں نے میری تصویر بھی بنائی تھی۔ تو خیر، ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ یہ آپ کا جاپانی نام ادویا کیونکر رکھا گیا، تو انہوں نے بتایا کہ میری ولادت ۱۹۰۵ء میں روس اور جاپان کی جنگ کے زمانے میں ہوئی تھی۔ اس جنگ میں جاپان نے روس کو شکست دی تھی، میرے والد کو اس سے بڑی خوشی تھی کہ ایک ایشیائی مٹھی بھر کے ملک نے روس کے سے دیو زاد یورپی ملک کو شکست دی ہے۔ اس جنگ میں جاپانی بحری بیڑے کا امیر البحر اور یاما، نامی تھا۔ والد نے میرا نام اسی کے نام پر محمد ادویا رکھ دیا۔

چھپی ہے، بالکل وہی ناک نقشا؟ لیکن چونکہ اس میں محض خطوط ہیں اس لئے اس سے اصلیت پورے طور پر واضح نہیں ہوتی۔ میانہ قد، خاصا سانولا رنگ، چھٹی ناک، چھوٹی چھوٹی نیم وا آنکھیں اور ان میں سرخی کی جھلک، ہونٹوں پر پان کا لاکھا جما ہوا، ترشی ہوئی کھجڑی ڈاڑھی جس میں چاول کم اور دال زیادہ تھی، سر پر لمبے لمبے بے ترتیب پٹے، جو ٹوپی سے باہر نکلے پڑتے تھے، گلے میں سیاہ رنگ کی شیردانی اور نیچے چوڑیدار چست پاجامہ، سر پر سلیٹی رنگ کی بالوں والی اونچی دیوار کی ٹوپی اور پاؤں میں سیاہ رنگ کا پمپ پہنے تھے۔ طبیعت میں حد درجہ بے چینی اور وحشت، حال آنکہ وہ صرف چند منٹ کے لئے رے، لیکن اس دوران میں بھی انہوں نے جو باتیں کیں، کچھ عجیب، کھڑی اکھڑی سی..... یوں معلوم ہوتا تھا، گویا اپنے سائے سے بھڑک رہے ہوں۔ یہ تھے جگر صاحب!

اگلے دن مشاعرہ گاہ میں پہنچے۔ خدا بخشے منتظمین کو، ان کی خوش انتظامی کے صدقے، یہ دس کی جگہ گیارہ بجے شروع ہوا تھا۔ تاجور تھے، جن سے پہلے کی ملاقات تھی، حسرت موہانی اور روش صدیقی سے پہلی ملاقات یہیں ہوئی۔ حسرت سے میرا تعارف تاجور مرحوم اور جلیل نے کرایا، اور دونوں نے



مبالغے سے کام لیا۔ سائل صاحب دلی سے تشریف لائے تھے۔ مجھے ان کی خدمت میں پہلے سے نیاز حاصل تھا۔ انہوں نے بعض پرانی غزلیں سنائی تھیں۔ زبان کے پہلو سے واقعی ان کا جواب نہیں تھا۔ احسان دانش نے اپنی نظم ”مزدور کی عید“ سنائی تھی۔ حسب معمول انہوں نے پائدار آواز میں ترنم سے پڑھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس کے بعض مقامات ایسے دردناک تھے کہ بے اختیار میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ حسرت نے مشاعرے میں چار غزلیں سنائیں۔ ہر ایک میں غالباً چھ چھ سات سات شعر تھے اور سب تازہ کلام۔ یہ کاغذ کے چند پرزوں پر لکھی تھیں۔ مشاعرہ ختم ہونے پر یہ کاغذ انہوں نے مجھے دے دیئے۔ ان کے پڑھنے کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ ناک میں تو وہ بولتے ہی تھے۔ اس پر تم یہ ہوا کہ گلے میں کسی خرابی کی وجہ سے آواز اتنی نیچی تھی کہ شاید ہی دور بیٹھے ہوئے کسی شخص کے پلے کچھ پڑا ہو۔ اور پھر انہوں نے شعر کا ہے کہ پڑھے، گھاس کاٹ کے رکھ دی، نظم اور نثر میں کوئی امتیاز نہیں رہا۔ کوئی اور ہوتا، تو ہلڑ مچ جاتا اور بدتمیز بے فکرے اسے زبردستی بٹھا دیتے۔ لیکن ان کی بزرگی اور شاعرانہ عظمت کے سامنے کسی کو دم مانے کی جرات نہ ہوئی۔ سب ادب کے مارے خاموش بیٹھے رہے۔ ان کے پڑھنے کے وقت ایک لطیفہ بھی ہوا۔

پہلی ہی غزل تھی۔ انہوں نے مطلع پڑھا۔ اگلی صف میں بیٹھے ہوئے ایک بزرگ نے داد دی اور اسے پھر پڑھنے کی فرمائش کی۔ حسرت نے مطلع دوبارہ پڑھ دیا۔ حسن مطلع پڑھا، انہوں نے پھر داد دی اور مکرر پڑھنے کی درخواست کی۔ اب کے حسرت نے ناک کی پھنگی پر آئی ہوئی عینک کے اوپر سے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور شعر پھر پڑھ دیا۔ تیسرے شعر پر ان کے برابر بیٹھے ہوئے صاحب کی جو شامت آئی، انہوں نے یکبارگی ”واہ“ کہہ کے ہاتھ اٹھایا اور ”پھر ارشاد ہو“ کا نعرہ لگایا۔ اب حسرت کا پیاناہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ انہوں نے دیکھا بھی نہیں اور ”کوئیں ضرورت نہیں“ کہہ کے اگلا شعر پڑھ دیا۔ اس کے بعد کسی کو مکرر کہنے کی جرات نہیں ہوئی۔

جگر صاحب نے بعض پرانی غزلوں کے علاوہ ایک غیر مکمل تازہ غزل کے چند شعر سنائے تھے، جس کا یہ بے پناہ مطلع آج تک میرے حافظے میں محفوظ ہے:-

آ کہ تجھ بن اس طرح، اے دوست! گھبراتا ہوں میں  
جیسے ہر شے میں، کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے جگر کو پڑھتے سنا۔ انہوں نے بڑے والہانہ انداز میں ترنم سے کلام سنایا۔ یہ حقیقت ہے کہ مجلس میں سماں بندھ گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں دو ہی ایسے شاعر دیکھے جنہیں سن کے بڑے بڑے ثقہ اور تقدس ماب ڈاڑھی بردار مولویوں تک کو وجد آ گیا۔ ایک حفیظ جالندھری اور دوسرے جگر مراد آبادی۔



میں ۱۹۳۶ء کے جاڑوں میں دلی آ گیا۔ یہاں میں نے ایک مختصر سا مکان قرول باغ میں اجمل خان روڈ پر لے لیا۔ جن لوگوں نے آج سے ۳۵-۴۰ برس پہلے کا قرول باغ نہیں دیکھا اور ان کی نظر میں صرف اس کی موجودہ چہل پہل اور گہنا گہمی ہے، وہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس زمانے میں یہاں کیا خاک اڑتی تھی، بلا مبالغہ، اجمل خان روڈ، غالب کی ”سرحد اراک“ معلوم ہوتی تھی۔ اس سڑک پر بھی بس گنتی کے چند مکان تھے، اس کے ایک سرے پر جامعہ ملیہ کے دفتر اور اس کے عملے فعلی کے سکونتی مکان تھے اور دوسرے سرے پر طیبہ کالج کی عمارت۔ کوئی فرلانگ بھر کی دوری پر ”گندہ نالہ“ جو یوں سمجھئے کہ تہذیب و تمدن کی آخری سرحد تھی۔ اس کے اس پار خانہ بدوش رہگڑوں اور باز گیروں کے پھوس کے چھپر اور جھونپڑیاں تھیں، اور یہ واقع ہے کہ لوگ اکا دکا، رات کی تاریکی تو درکنار، دن کی روشنی میں بھی اس علاقے میں جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہاں دن دھاڑے مسافر لٹ جاتے، بلکہ بعض اوقات قتل تک کی واردات ہو جاتی تھی۔

تو خیر، چونکہ میں کسی ایسی ہی جگہ کی تلاش میں تھا ”جہاں کوئی نہ ہو“ اس لئے میں نے سوچا کہ اس سے بہتر اور کونسا مقام ہوگا، اور مکان اسی اجمل خان روڈ پر لے لیا۔

میں یہاں روزانہ صبح کے وقت ایک صاحب کو تیز تیز مکتبہ جامعہ کی طرف جاتے دیکھتا، گندی رنگ، متوسط قد، دوہرا جسم، گول آفتابی چہرا، بڑی بڑی شرتی آنکھیں، اونچی چوڑی پیشانی، بھرواں سیاہ ڈاڑھی اور مونچھیں، نیچے علی گڑھ فیشن کا پاجامہ، گلے میں شیروانی اور سر پر گاندھی ٹوپی۔ وہ جب بھی ملے، منہ میں گلوری اور بغل میں پاندان دبائے ہوئے۔ کئی مرتبہ جی میں آئی کہ آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں، ان سے راہ و رسم پیدا کرنا چاہئے۔ یوں بھی پڑوس کا معاملہ ہے، آخر بالکل الگ تھلگ رہ کے تو زندگی کے دن کٹنے سے رہے۔ لیکن میری فطری کم آمیزی ہمیشہ مانع آئی۔ جرات پڑی کہ خود اپنا تعارف کرا دوں۔ آخر، خدا معلوم کیسے، خود انہیں خیال آیا۔ ایک دن آمنے سامنے آتے ہوئے ہماری مڈ بھیز ہو گئی۔ رک گئے، علیک سلیک ہوئی، پوچھا، آپ یہاں نئے آئے ہیں، کوئی تکلیف تو نہیں۔ معلوم ہوا ان کا نام ہے محمود علی خان (جامعی) تھے، جنہوں نے ہمارے ہاں سو شعروں کی جدت یا بدعت شروع کی۔ میرے سوشلر، غالب کے سوشلر، مومن کے سوشلر..... غرض اس طرح انہوں نے نئے پرانے شاعروں کے کوئی دس پندرہ کتابچے شائع کئے تھے۔ اس کے بعد یار لوگ اسے لے اڑے۔ جس نے دیکھا کہ پورا دیوان چھپنا مشکل ہے، کون اسے چھاپے گا اور کون پڑھے گا، اس نے اپنا تعارف کرانے کے لئے یہ کم خرچ بالا نشین نسخہ استعمال کیا اور اپنے سو شعر چھپوا کے دوستوں میں تقسیم کر دیئے، تاکہ سندر ہیں۔ یوں چھپنے کی ہوس بھی پوری ہو گئی اور سستے بھی چھوٹے۔ چنانچہ باز کے سوشلر، گلہری کے سوشلر اور نہ جانے کس کس کے سوشلر چھپ چکے



ہیں۔ لیکن محمود صاحب نے اس کے علاوہ متعدد انگریزی کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ چونکہ انہیں انگریزی اور اردو دونوں پر پوری قدرت حاصل تھی اور آدمی ٹھہرنے بے حد سختی، اس لئے وہ ترجمے میں ہمیشہ کامیاب رہے۔

غرض اس کے بعد ان سے تعلقات بہت گہرے اور مخلصانہ ہو گئے۔

ایک دن شام کے وقت ان کا آدمی آیا کہ ”خان صاحب“ بلا تے ہیں۔ میں پہنچا، تو دیکھا کہ جگر صاحب تشریف فرما ہیں۔ محمود صاحب کو معلوم نہیں تھا کہ میں ان سے شملے میں مل چکا ہوں۔ جگر صاحب اور محمود صاحب کے بہت پرانے مراسم تھے، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر محمود اور جلیل قدوائی نہ ہوتے تو غالباً ان کا کلام کبھی شائع ہی نہیں ہو سکتا تھا اور اگر ہوتا بھی، تو کم از کم اس کی یہ ضخامت نہ ہوتی۔ جگر جس طرح کے لاابالی اور بے پروا شخص تھے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ انہوں نے کبھی باقاعدگی سے اپنا کلام، ایک جگہ جمع نہیں کیا۔ وہ تو خوش قسمتی سے ان دونوں صاحبوں نے شروع سے حفاظت کا اہتمام کیا، ورنہ خدا معلوم کس قدر ضائع ہو گیا ہوتا۔ چنانچہ جیسا کہ شعلہ طور کے دیباچے میں جگر نے اعتراف کیا ہے، انہی دونوں کی بیاضوں سے یہ دیوان مرتب ہوا تھا۔

جگر صاحب یہاں کوئی دس بارہ دن رہے اور اس کے بعد اگلے برس کے دوران میں بھی جب میرا قیام قرولی باغ ہی میں تھا، اکثر یہاں آتے رہے۔ ان ایام میں مجھے اچھی طرح قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور رفتہ رفتہ ہمارے آپس کے تعلقات بہت دوستانہ اور عزیزانہ ہو گئے۔

وہ اس زمانے میں پیتے تھے اور بے حساب! اور ستم بالائے ستم کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ جوش بھی پیتے تھے، لیکن ان کا یہ اصول ہے، جس سے انہوں نے کبھی انحراف نہیں کیا کہ وہ دن میں ہر گز نہیں پیئیں گے۔ صرف مغرب کے وقت، وہ بھی دو تین جام۔ اگر کبھی خاص دوست احباب کا مجمع ہوا، تو ایک آدھ زیادہ سہی۔ اختر شیرانی اور مجاز نے بھی کبھی کسی کی پروا نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قبل از وقت چل بے۔ جگر کا بھی یہی حال تھا۔ ایک تو جب مل گئی، اور دوسرے جتنی چاہا پی لی۔ پھر اس کا بھی خیال نہیں کہ کس قسم کی ہے۔ اچھی یا بری، بس شراب ہو۔ وہ تو خدا نے اپنے فضل و کرم سے انہیں توبہ کی توفیق دے دی کہ انہوں نے اسے ترک کر دیا، ورنہ جو حشر ان کا ہوا ہوتا، ظاہر ہے۔ تاہم آخر عمر میں ان کی صحت جو اتنی خراب رہتی تھی، تو اس کی اصل وجہ یہی اوائل عمر کی نامراد شراب نوشی اور دوسری بداعتدالیاں تھیں۔

ایک دن سر شام پینے بیٹھے اور تھوڑی تھوڑی مقدار میں نصف بوتل کے قریب پی گئے۔ آدھی رات کے بعد کہنے لگے، چلو! جوش کے ہاں چلیں (جو وہیں قرولی باغ میں تھوڑے فاصلے پر رہتے تھے) ہم نے بہت کہا کہ وہ سو چکے ہوں گے، اب اس وقت اتنی رات گئے انہیں دق کرنا ٹھیک نہیں ہو



گا۔ لیکن انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی بلکہ ہمارے کہنے پر بگڑ گئے۔ آخر سب نے عافیت اسی میں دیکھی کہ جس طرح یہ کہتے ہیں، اسی طرح کیا جائے۔ چنانچہ آگے آگے جگر اور انہیں سہارا دینے کو محمود صاحب اور ان کے پیچھے ہم چھ سات آدمی، جلوس کی شکل میں روانہ ہوئے۔ سردیوں کی ڈھلتی رات اور اس زمانے کا قردول باغ، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیسا ہوکا عالم ہوگا۔ وہ تو خیر گزری کہ پولیس کا سپاہی راستے میں نہیں مل گیا، ورنہ یقیناً وہ خیال کرتا کہ یہ مشنڈے شراب پی کر کہیں واردات کو جا رہے ہیں، یا کم از کم آوارہ گرد ضروری ہیں اور ہمیں جوش کے مکان کے بجائے تھانے پہنچا دیتا۔ اب ایک لطیفہ ہوا۔ جگر صاحب چند قدم چلیں، اور سڑک کے پیچوں بیچ کھڑے ہو کر تقریر کرنا شروع کر دیں۔ اس پر کتوں اور سوروں نے (جن کے اس زمانے میں یہاں بڑی کثرت تھی) ادھر ادھر سے نکل کر بھونکنے اور چیخنا اور بھاگنا شروع کر دیا۔ اس پر ہم سب بلطائف اکیلے نہیں آگے چلنے کی ترغیب دیتے۔ قصہ کوتاہ، خدا خدا کر کے وہ تین چار سو گز کا فاصلہ کوئی آدھ پون گھنٹے میں طے ہوا اور ہم لدے پھندے جوش کے مکان کے بیرونی برآمدے میں داخل ہوئے۔ یہاں پہنچتے ہی جگر نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ہڑ بڑا کے آواز آئی: ”کون؟“ انہوں نے جواب دیا۔ ”جگر۔“ ”کون؟“ ارے، ایک مرتبہ جو کہا ہے، جگر، دروازہ کھولو۔“ ”بھائی ہم سو رہے ہیں، صبح کے وقت آنا۔“ ”سو رہے ہیں! آئے بڑے سونے والے۔ ارے ہم، ہم یہاں سردی میں باہر کھڑے ہیں اور تم سوئے پڑے ہو۔ جلد دروازہ کھولو۔ یہ محمود بھی ہمارے ساتھ ہے۔“ اس پر جوش غریب طوعاً و کرہاً اٹھے اور انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے اگلے دن مجھ سے کہا کہ میں دروازہ یوں تھوڑی کھولنے والا تھا۔ لیکن جب جگر نے محمود کا نام لیا، تو میں نے خیال کیا کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے، ورنہ محمود یوں رات کے وقت قطعاً نہ آتے۔ یہ اس لئے کہ محمود صاحب پیتے نہیں تھے اور جوش صاحب کو معلوم تھا کہ وہ سنجیدہ آدمی ہیں۔

دروازے کا کھلنا تھا کہ جگر صاحب لپک کے کمرے میں داخل ہوئے اور اوپر کی گرم چادر پھینک، شراب سے جوش کے لحاف میں گھس گئے، جیسے وہ گھر سے اسی کی تلاش میں یہاں تک آئے ہوں۔ اور کہنے لگے: ”محمود، اب کافی دیر ہو چکی ہے۔ میں یہیں سوؤں گا۔ آپ تشریف لے جائیں۔ میں صبح کے وقت ناشتے کے بعد آ جاؤں گا۔ اچھا، خدا حافظ۔“ جوش بیچارے حیران پریشان کہ یہ بلائے بے درماں کہاں سے نازل ہو گئی! وہ کہتے ہی رہے۔ ”نہیں، جگر صاحب! آپ جائیے محمود صاحب کے ساتھ۔“ لیکن توبہ ہے، یہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ ادھر ہم سب کے ہنسی کے مارے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ آخر ہم نے دونوں دوستوں کو آپس میں راز و نیاز کرنے کے لئے شب بخیر کہا اور واپس چلے آئے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ جگر نشے کی حالت میں بالکل حواس کھو بیٹھے ہوں۔ بہکی



بہکی باتیں ضرور کرنے لگتے تھے۔ ابھی ایک موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں کہ یک لخت اس سے گریز کر کے کسی دوسرے مضمون پر بات چیت کرنے لگیں گے، حال آنکہ دونوں میں آپس میں قطعاً کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ سننے والا ہکا بکا ان کے منہ کی طرف دیکھ رہا ہے کہ یا الہی، یہ کیا! ابھی دو منٹ پہلے تو یہ غزل کی حمایت میں دلائل بیان کر رہے تھے اور اب عینک کے تالوں کی پہچان اور ان کی مختلف قسموں پر تقریر فرمانے لگے ہیں، لیکن ان کی بلا سے، بات اصل یہ ہے کہ ان کا دماغ بیک وقت مختلف موضوعات کی جولانگاہ بنا رہتا تھا۔ اب اس دنگل میں کسی خاص وقت جس موضوع کا غلبہ ہو گیا، زبان پر اس کی بات آگئی۔ لیکن وہ ذہنی کشمکش برابر جاری رہتی۔ پھر اگر پہلے موضوع کی بات چیت کے دوران میں، کسی دوسرے مضمون کا پلا بھاری ہو گیا، تو چت ہو جائے گا اور وہ بے اختیار اسے چھوڑ کر دوسرے سے متعلق باتیں کرنے لگتے۔ سامع کو اس سے حیرت ہو، تو ہوا کرے، ان کے لئے یہ بالکل قدرتی اور معمولی اسلوب گفتگو تھا۔ اور یہ بات سرخوشی کے عالم ہی سے مخصوص نہیں تھی، وہ ہوش کے وقت بھی کچھ ایسے ہی تھے۔

بہر حال وہی تباہی بکنا یا گالی دینا کبھی ان کا شعار نہیں رہا۔ بات یہ ہے کہ حقیقت میں ان کا مزاج دینی تھا۔ اصغر گوٹھ دی مرحوم سے انہیں خاص عقیدت رہی۔ بلکہ وہ ان کے ہم زلف بھی تھے۔ اصغر جس پائے کے انسان تھے، ان کا ہر ایک ملنے والا اس کا معترف ہے۔ اصغر کی طرح جگر بھی حضرت شاہ عبدالغنی منگھوری سے بیعت تھے۔ یہی سبب ہے کہ لاکھ بے عملی بلکہ بد عملی کے باوجود، اساسی طور پر ان کی روح کبھی ان آلائشوں سے ملوث نہیں ہونے پائی۔ انہوں نے فسق و فجور میں بھی لذت محسوس نہیں کی۔ جو کچھ سرزد ہوا، اضطرابی طور پر۔ وہ ہوش کی حالت میں ہمیشہ پشیمان ہوتے اور ندامت محسوس کرتے اور اس سے باز رہنے کے منصوبے باندھتے۔ لیکن چونکہ کثرت شراب نوشی سے قوت ارادی حد درجہ کمزور ہو چکی تھی، اس لئے اس عزم میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ اس میں بہت حد تک قصور ان لوگوں کا بھی ہے، جو ان کے ارد گرد رہا کرتے تھے۔ یہ اصحاب اپنے آپ کو ان کا بڑا دوست اور خیر خواہ کہتے تھے، وہ دراصل ان کے دشمن تھے۔ جگر صاحب کہیں جاتے، تو یہ حواری خود صاحب خانہ سے فرمائش کر کے بوتل منگوا لیتے، اور جام بھر کے جگر صاحب کے آگے رکھ دیتے۔ اب وہ بیچارے کیا کرتے! اگر کسی شخص کی اصلاح منظور ہو، تو سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ اسے آزمائش میں نہ ڈالا جائے، تاکہ بتدریج اس کی قوت ارادی عود کر آئے اور رفتہ رفتہ اتنی مضبوط ہو جائے کہ وہ خود آزمائش کا مقابلہ کر سکے۔ لیکن اگر آپ قدم قدم پر اس کا امتحان کرنے لگیں، اس کے چاروں طرف اس کی لغزش کے ساز و سامان جمع کر دیں اور پھر اس سے کہیں کہ ہم چاہتے ہیں، آپ اس بری علت سے نجات حاصل کر لیں، تو یہ خیال خام ہے:



درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ  
بازی گوئی کہ دامن ترکن، ہشیار باش!

اگر اس غریب میں ان آلودگیوں سے دامن جھٹک کر الگ ہو جانے کی قوت ہوتی، تو وہ ان  
حالوں پہنچتا ہی کیوں!

ان کی قوت ارادی کے فقدان پر ایک واقعہ یاد آ گیا۔ جس طرح وہ اپنے آپ کوئی فیصلہ نہیں کر  
سکتے تھے، اسی طرح کسی کی دل شکنی بھی ان سے محال تھی۔ سردیوں کا زمانہ تھا۔ ایک دن خاصی رات  
گئے ان کی ڈاڑھ میں سخت درد ہونے لگا۔ اس وقت جو چھوٹا موٹا گھریلو علاج ممکن تھا، کیا گیا، لیکن اس  
سے کوئی افادہ نہیں ہوا۔ رات انہوں نے بہت بے چینی سے کاٹی۔ اگلی صبح ان کی جو شامت آئے، مختصر  
ساناشتہ کر کے اکیلے طبیہ کالج چلے گئے کہ وہاں کسی حکیم صاحب سے دکھا کے دوائے آئیں۔ وہاں جو  
پہنچے، تو لڑکوں نے پہچان لیا۔ اب کیا تھا، وہ انہیں گھیر گھار کے کالج کے ہال میں لے گئے اور دو گھنٹے  
تک ان سے کلام سنتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علاج تو خیر کیا ہوتا، جب یہ وہاں سے لوٹے ہیں تو ان کی  
مظلوم صورت دیکھنے کے قابل تھی۔ نہ صرف دانت کا درد بدستور موجود تھا، بلکہ اس پر درد سر کا اضافہ ہو  
چکا تھا۔ گئے تھے روزے بخشوانے، نماز گلے پڑی۔ میں نے پوچھا کہ آخر آپ نے یہ کیوں کیا، انکار  
کر دیا ہوتا۔ تو رونی صورت بنا کے کہنے لگے، بھائی، میں کیا کرتا، وہ طالب علم اتنی محبت سے اصرار کر  
رہے تھے، کہ مجھ میں انکار کی ہمت نہ رہی۔

بات سے بات یاد آتی ہے۔

جگر صاحب کے ساتھ زندگی بھر ہمیشہ کوئی نہ کوئی شخص رہا۔ سفر ہو یا حضر، انہیں کسی بھروسے کے  
آدمی کی ضرورت ہوتی، جو ان کے روزمرہ کے معاملات کی نگرانی کر سکے، ان کی ضروریات کا خیال  
رکھے، روپے پیسے کا حساب رکھے۔ اس کی وجہ یہ کہ ان کے مزاج میں سکون اور اطمینان نہیں تھا، بات  
جلد بھول جاتے، انتظامی صلاحیت شروع میں شاید کچھ رہی ہو، بعد کو وہ بھی مفقود ہو گئی۔ اس لئے اگر  
دیکھ بھال کے لئے کوئی چوکس آدمی ان کے ساتھ نہ رہتا تو خدا جانے کیا ہو جاتا۔ اب اگر یہ آدمی مخلص  
اور درد مند اور بے غرض دوست ہوا، تو اس سے انہیں بے حد آرام ملتا، اور کوئی نقصان بھی نہ ہوتا۔ لیکن  
بعض اوقات آدمی کے انتخاب میں غلطی بھی ہو جاتی تھی۔ اسی طرح کا حادثہ ایک مرتبہ پیش آیا۔ یہ  
صاحب مستعد تو بہت تھے، لیکن تھے چور۔ آج یہ چیز غائب کر دی، کل وہ۔ جگر کے دوستوں نے انہیں  
بہت متنبہ کیا کہ وہ آدمی اعتماد کے قابل نہیں، لیکن انہوں نے کسی کی بات پر کان نہ دھرا۔ آخر نوبت  
یہاں تک پہنچی کہ اور تو اور، جگر صاحب کو بھی ان کی کارگزاریوں کا یقین آ گیا۔ کوئی اور ہوتا، تو اس کے  
بعد انہیں ایک لمحہ بھی اپنے ساتھ رکھنا گوارا نہ کرتا۔ لیکن اس کے باوجود کہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ



کس قماش کے بزرگ ہیں، وہ ان سے معذرت کرنے کا حوصلہ نہ کر سکے۔ ایک دن جگر غسل خانے جانے والے تھے۔ چاہتے تھے کہ کلائی کی گھڑی اتار کر باہر بیٹھنے کے کمرے میں رکھ جائیں۔ لیکن وہ ذات شریف موجود تھے۔ جگر کو پورا یقین تھا کہ گھڑی ان کی غیر حاضری میں غائب ہو جائے گی۔ اب یہ تذبذب میں کہ کریں، تو کیا! گھڑی کو غسل خانے کے اندر لے جائیں سکتے اور باہر چھوڑ جانے میں جو خطرہ ہے، وہ سامنے موجود ہے۔ آخر جب مزید انتظار کرنا ناممکن ہو گیا، تو جھنجلا کے گھڑی ان صاحب کے ہاتھ دے کر کہا، اچھا، تو یہ بھی آپ لے لیجئے، اور خود غسل خانے میں داخل ہو گئے۔

میں سمجھتا ہوں، اگر پیٹ پالنے کی مجبوری نہ ہوتی یا بعض دوسرے ذمے داریاں ان کے سر پر نہ ہوتیں، تو وہ کبھی کوئی کام نہ کرتے۔ ان کی ہستی کا خمیر جن اجزاء سے اٹھایا گیا تھا، ان میں کاہلی اور سستی کچھ ضرورت سے زیادہ مقدار میں پڑ گئی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا، کہ جہاں تک شعر کا تعلق ہے، وہ واقعی روح القدس کے شاگرد تھے، لیکن جہاں دنیا کا کوئی معاملہ آیا، وہ بالکل کودن تھے۔ وہ ہفتوں اور مہینوں کبھی تنکا اٹھا کے نہیں توڑتے تھے۔ اس پر ایک بات یاد آگئی۔

۱۹۳۲ء میں جگر صاحب بھوپال گئے۔ محمود صاحب ان دنوں وہیں ٹیکسٹائل کمشنر کے عہدے پر فائز تھے۔ یہ گرمی اور برسات کے کوئی چھ مہینے ان کے پاس ٹھہرے۔ شہر کے اکثر صاحب ذوق حضرات روزانہ شام کو اپنے اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر محمود کے مکان پر جمع ہوتے اور جگر صاحب کی صحبت کا لطف اٹھاتے۔ ادبی گپ اور لطیفہ بازی ہوتی، شعر و شاعری کا دور چلتا اور بالعموم یہ پر لطف اجتماع رات کے نو بجے سے لے کر صبح کے دو دو تین تین بجے تک رہتے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دو ایک دن کی بات تو تھی نہیں، روزانہ پانچ پانچ چھ گھنٹے تک تمام آداب و مکلفات کے ساتھ ایک جگہ بیٹھے رہنا، ہفتخو اں سے کم نہیں تھا، بالخصوص جب کہ ان میں بعض اصحاب اچھے خاصے سن رسیدہ تھے۔ کسی بے فکرے کو سوچھی کہ ایک ایسی انجمن بنائی جائے، جس میں ادب آداب کے سب قیود اٹھا دیئے جائیں، تاکہ سب احباب آزادی اور بے تکلفی سے اپنا وقت گزار سکیں۔ سب نے اس تجویز پر صاد کیا۔

انجمن کا بنیادی اصول یہ طے پایا کہ آج کل دنیا میں جتنی بے چینی ہے، اس کی علت غائی سرعت رفتار ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ پرانے زمانے میں لوگ بالعموم پیدل جاتے آتے تھے، تو سب طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔ شروع میں سواری کا رواج صرف معذوروں اور بیماروں کے لئے تھا۔ اس کے بعد ان چیزوں کا غلط استعمال ہونے لگا۔ اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ ان غریبوں کو تو کوئی پوچھتا تک نہیں اور ہر طرح سے چاق چوبند اور ہٹے کٹے لوگ گاڑیوں اور موٹروں اور ہوائی جہازوں میں اڑے پھرتے ہیں۔ اس برق رفتاری نے دنیا میں جنگ و جدال اور ہلاکت و تباہی



آسان کر دی ہے، کیونکہ جب یہ سربلج سامان نقل و حرکت معرض وجود میں نہیں آئے تھے، جنگ شاذ و نادر ہی ہوتی تھی، اور اگر کار قضا کہیں ہو بھی گئی تو اس کی تباہ کاری کا میدان بہت محدود رہتا تھا۔ چونکہ فوج، سامان جنگ، اسلحہ، رسد وغیرہ کی حمل و نقل میں بڑی دشواریاں تھیں، اس لئے اگر ملکوں میں آپ میں کوئی اختلاف پیدا بھی ہو جاتا، تو وہ ان مشکلات کے پیش نظر حتی الوسع بات بڑھانے سے اجتناب کرتے اور ایک دوسرے سے مصالحتانہ گفتگو کر کے فیصلہ کر لیتے تھے۔ جنگ صرف اس وقت ہوتی، جب اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا تھا۔ پھر چونکہ مسافت طے کرنے میں لامحالہ کافی وقت لگتا تھا، اس لئے حملہ آور فوج کے منزل مقصود تک پہنچتے پہنچتے دوسرا ملک بھی کم و بیش تیار ہو جاتا۔ یوں فریقین کی طاقت یکساں ہو جانے سے کسی ملک کو خاص نقصان نہ رہتا اور صلح صفائی پر خاتمہ ہو جاتا۔

لیکن اب کیا ہے؟ فاصلے کی کوئی حقیقت ہی نہیں رہی۔ صبح کا ناشتہ دلی میں کیا، تو ہوائی جہاز میں بیٹھ کے دوپہر کا کھانا قاہرہ میں، اور رات کا لندن میں کھاؤ۔ اسی طرح لڑائی بھی آسان ہو گئی ہے۔ ابھی الٹی میٹم دیا اور گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد غنیم کے ملک پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس سے بڑی تباہی آتی ہے۔ شہر اور بستیاں پل بھر میں ویران ہو جاتی ہیں۔ بیگناہ اور ناکردہ کار لوگ گونا گوں مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ سارا عذاب ہم پر اس سرعت رفتار کی بدولت نازل ہوا ہے۔ جب تک دنیا کا ہلی جیسی نعمت خداوندی کی قدر کرتی رہی، سب کی زندگی عیش و عشرت اور آرام و آسائش سے معمور تھی۔ جب لوگوں نے کفران نعمت کیا، تو بے چینی اور پریشانی کا شکار ہو گئے۔ اب بنی نوع انسان کو کامل ہلاکت سے بچانے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اسے کاہلی جیسی نعمت الہی کی طرف واپس بلا یا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے امن پسند لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ سکون اور کاہلی کی تبلیغ کریں تاکہ مخلوق خدا سرعت رفتار کے ہاتھوں لائی ہوئی مصیبت سے نجات پاسکے۔

جب اس اصول پر سب کا اتفاق ہو گیا، تو چند ”امن پسند باشندگان بھوپال“ نے یہ اقدام کیا کہ ایک ”انجمن الکھلا“ (فلاء کے وزن پر کاہل کی جمع کہلاء) کی بنیاد رکھی اور باقی دنیا کے امن پسندوں کو دعوت دی کہ وہ بھی ہر جگہ اسی طرح کی انجمنیں قائم کر کے اس مقصد اعلیٰ کے حصول میں تعاون کریں۔ بھوپال کی صدر انجمن کا دفتر (دارا کہلاء) محمود صاحب کے سکونتی مکان کا وہی کمرہ قرار پایا، جہاں جگہ مقیم تھے۔ فرش پر پوال کی خاصی موٹی تہ اور اس پر ایک دبیز گدا ڈال دیا گیا تھا، جس پر سفید براق چاندنی بچھی رہتی تھی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انجمن میں داخلہ آسان تھا اور ہما شتا سب اس کے رکن بن گئے تھے، بلکہ اگر کوئی شخص رکنیت کی درخواست کرتا، تو انجمن کے ”عظیم الشان مقاصد“ پر ایمان اور ان کے مطابق عمل کرنے کی خواہش اور قابلیت معلوم کرنے کے لئے اس کی کاہلی کا امتحان لیا جاتا۔ اگر وہ اس



امتحان میں پورا اترتا، تو اسے بطور رکن قبول کر لیا جاتا۔ داخلے کی فیس ایک تکیہ تھی۔ جس دن کوئی شخص رکن مقرر ہو جاتا، وہ گھر سے ایک تکیہ لے کر آتا اور اسے ”دارالکھلاء“ میں ڈال دیتا۔

انجمن کے صرف چار عہدیدار تھے۔ جناب جگر، صدر، یہ ”صدرالکھلاء“ تھے۔ نائب صدر حسرت لکھنوی تھے۔ انہیں ”نائب الکھلاء“ کہتے تھے۔ ان حضرات کو صدر اور نائب صدر اس لئے نہیں چنا گیا تھا کہ وہ بہت اچھے شاعر تھے، بلکہ انہوں نے اپنی غیر معمولی ”کاہلانہ“ صلاحیتوں سے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی اس اعزاز کے بجا طور پر مستحق ہیں اور اس عہدے کی کڑی ذمہ داریاں سرانجام دینے کے پوری طرح اہل ہیں۔ تیسرا عہدہ ”ناظم الکھلاء“ میں ہر طرح کا انتظام کریں، اجلاس کے لئے مطلوبہ اشیاء فراہم کریں، روزانہ کارروائی کا پروگرام بنائیں وغیرہ۔ چوتھے ”نقیب الکھلاء“ کہلائے جنہیں آپ سارجنٹ ایٹ آرمز (Seargent At Arms) کہہ سکتے ہیں۔ اس عہدے پر جناب غلام حسنین عزم بناری فائز تھے۔ ان کا فرض تھا کہ یہ صدر انجمن کے مختلف احکام بلند آواز سے حاضرین تک پہنچایا کریں۔ چونکہ وہ بڑے لمبے تڑنگے اور بلند آواز تھے، اس لئے یہ عہدہ جلیلہ ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ ان عہدہ داروں کے علاوہ اکتیس ارکان تھے، جن میں بھوپال کے بعض مشہور اور معزز اصحاب وقت شامل تھے۔ مثلاً میاں محمد مہدی نائب مہتمم تاریخ، سید علی اکبر کاظمی سپرنٹنڈنٹ صحت عامہ و تعلیمات، جناب احمد اللہ خان شاکی سپرنٹنڈنٹ مجلس واضح قوانین، استاد محمد کریم ذکی بھوپالی، فکری بھوپالی، سروش بھوپالی، محمد عبدالباسط بھوپالی، محمد اصغر شعری بھوپالی وغیرہ۔ ایک اور بات کہ ہر ایک رکن کو اس کی کسی ذاتی خصوصیت کی بنا پر خاص خطاب سے سرفراز کیا گیا اور اجلاس میں وہ اسی نام سے مخاطب کئے جاتے تھے۔ مثلاً محمد مہدی صاحب اپنی بزرگی اور مشفقانہ رویے کی وجہ سے ”ام الکھلاء“ کہلاتے تھے۔ محمد شریف خان فکری کی چونکہ چھوٹی سی مگر نمایاں توند تھی، اس لئے انہیں ”قبتہ الکھلاء“ کا خطاب دیا گیا۔ شاکر علی خان چونکہ دراز قد تھے، اس لئے ”طویل الکھلاء“ کہلائے۔ ایک صاحب کا ناک نقشا خوبصورت اور رنگ بھی سانولا سلونا تھا، یہ ”بلیج الکھلاء“ تھے اور ان کے مقابلے میں ایک دوسرے صاحب اپنے سفید شامی رنگ کی وجہ سے ”صحیح الکھلاء“۔ محمد اشرف (ایڈیٹر نئی روشنی، کراچی) چائے میں شکر بہت پیتے تھے، بلکہ داؤ لگے، تو دوسروں کی آنکھ بچا کر ایک آدھ چمچے یوں بھی منہ میں ڈال لیتے تھے، اس لئے انہیں ”قند الکھلاء“ کا خطاب عطا ہوا۔ پھر چونکہ پورا خطاب زبان سے ادا کرنا بھی کاہلی کے خلاف سمجھا گیا، اس لئے تخفیف کر کے یہ حضرات محض ”صدرل“ ”قتل“ وغیرہ ہو کے رہ گئے۔

انجمن کے اجلاس شام کے نو بجے سے صبح کے تین بجے تک ہوتے تھے۔ ”اجلاس“ اس حالت کا نام تھا کہ اراکین عظام اپنے اپنے تکیے پر سر رکھے خاموش لیٹے ہیں۔ کاہلی کے معنی خواب غفلت کے



نہیں تھے، اس لئے اجلاس کے دوران میں سونا ممنوع تھا۔ اگر اجلاس ہو رہا ہو، تو رکن لیٹ سکتا تھا یا پھر کھڑا ہو سکتا تھا، بیٹھنا سخت ترین جرم تھا، کیونکہ یہ فعل کاہلی کے سراسر منافی تھا۔ اگر کوئی صاحب اس جرم کے مرتکب ہوتے، تو انہیں یہ سزا دی جاتی کہ وہ تمام دوسرے اراکین کی خدمت بجالائیں۔ مثلاً پانی پلانا، پان کھلانا، اگالداں اٹھا کر دینا، چلم بھرنا وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کوئی ”کاہل“ اجلاس کے دوران میں ”دارالکھلاء“ میں تشریف لاتے، تو چونکہ بیٹھنا ممنوع تھا اس لئے وہ کھڑے کھڑے جسم تولتے اور دھڑ سے اپنے تئیں پرگر پڑتے۔

روزانہ کاہلی کے عجیب و غریب واقعات پیش آتے تھے۔ ایک دن ”ام الکھلاء“ لیٹے حقہ پی رہے تھے۔ کسی ”کاہل“ کا ہاتھ جو لگا تو چلم ان کے اوپر الٹ گئی۔ لیکن مجال ہے، جو انہوں نے کسی تشویش کا اظہار کیا ہو۔ بس ایک کروٹ لی، انگارے ان کی چھاتی پر سے نیچے گر گئے اور وہ اسی طرح اطمینان سے لیٹے رہے۔ لیکن جب ”صدرل“ نے دیکھا کہ اس طرح فرش میں آگ لگ جانے کا خطرہ ہے، تو انہوں نے اجلاس ملتوی کر دیا۔ اس پر لوگ اٹھ دوڑے اور انگارے اٹھا کے بھادئے گئے۔

اجلاس میں وہ سب کچھ ہو سکتا تھا، جو تفریح کی ذیل میں آتا، بشرطیکہ اس سے کاہلی کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ نہ ہوتا۔ اور شعر و شاعری تو روزانہ ہوتی تھی۔ چونکہ لیٹے لیٹے شعر پڑھنا اور داد دینا مشکل تھا، اس لئے جب شعر کی ترنگ اٹھتی، تو کوئی رکن یہ تجویز پیش کر دیتا کہ اب تھوڑی دیر کے لئے شعر و شاعری کا دور ہو جائے، تو ”صدرل“ اجلاس ملتوی کر دیتے۔ جس کے معنی یہ تھے کہ اب لوگ اٹھ کے بیٹھ سکتے ہیں۔ ماشاء اللہ سب اراکین نھو یا کم از کم خن خن تو تھے ہی، ایک دوسرے سے مقابلے کے جوش میں طبیعت پر خوب زور دے کر شعر کہتے۔ ہر ایک شخص روزانہ اپنا تازہ کلام پیش کرتا۔ یہ فضا جگر صاحب کی شاعرانہ صلاحیتوں کے چکانے بلکہ ابھارنے میں بھی بہت مفید ثابت ہوئی۔ ان کی بعض مشہور اور بلند پایہ غزلیں اسی ”دارالکھلاء“ کے دور میں کہی گئی تھیں۔ مثلاً حسب ذیل غزلیں اسی زمانے کی یادگار ہیں۔

۱۔ جواب بھی نہ تکلیف فرمائیے گا۔

۲۔ نظیر ملا کے، مرے پاس آ کے لوٹ لیا۔

۳۔ ہجوم تجلی سے معمور ہو کر۔

۴۔ عشق میں لا جواب ہیں ہم لوگ

۵۔ حسن معنی کی قسم، جلوہ صورت کی قسم!

۶۔ دل حریف حال بے حالی نہیں۔

۷۔ غم عاشقی کا صلا چاہتا ہوں۔

۸۔ محبت میں یہ کیا تم دیکھتے ہیں!

۹۔ جب تک شباب عشق مکمل شباب ہے۔

۱۰۔ سنتا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے۔

۱۱۔ بڑپ کر دل انہیں تڑپا رہا ہے۔

۱۲۔ دل کو جب دل سے راہ ہوتی ہے وغیرہ

بھوپال میں برسات کے موسم میں بارش بہت شدید ہوتی ہے۔ یہاں کا سالانہ اوسط غالباً ۱۵۰ سنٹی میٹر ہے۔ لیکن اس زمانے میں بھی جب موسلا دھار بارش گھنٹوں رہتی اور گھر سے باہر پاؤں رکھنا محال ہوتا، سب کے سب ”گائل“ وقت کی پوری پابندی سے بلا ناغہ ”دارالکھلاء“ میں جمع ہوتے۔ ادھر نوجو کے قریب ہوئے کہ ہر ایک پانی میں چوہا آ رہا ہے۔ اب یہ ”ناظمل“ کا فرض تھا کہ گیلے کپڑے اتروائے، اور ان کی جگہ خشک کپڑے مہیا کرے۔

یوں چھ مہینے تک ہر رات تین تین بجے تک کی غیر حاضری سے ان لوگوں کے گھروں میں چھ میگوئیاں ہونے لگیں۔ جو اصحاب متاثر تھے، ان میں سے بعض کی بیویوں نے تو یہ باور کرنے سے انکار کر دیا کہ جگر کوئی شاعر ہے، جس کے پاس یہ حضرت جا کے بیٹھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہونہ ہو، یہ موئی کوئی طوائف ہے، جس کے کوٹھے پر جا کر تم لوگ روزانہ رنگ رلیاں مناتے ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد اصحاب کو جگر کو ساتھ لے جا کے ان کی طلعت ہی زیا اپنی بیویوں کو دکھانا پڑی، تاکہ ان کا اطمینان ہو جائے۔

شہر کے لوگ جگر کو دعوتوں میں بلاتے تھے۔ اس سے نہ صرف انہی کا وقت ضائع ہوتا بلکہ ان کی غیر حاضری سے انجمن کی معمولی سرگرمیوں میں بھی بہت کمی، بلکہ بے لطفی ہو جاتی تھی۔ کابلوں کو یہ کسی عنوان منظور نہیں تھا۔ اس لئے غور و خوض کے بعد اس کا سدباب یوں کیا گیا کہ انجمن نے یہ قرارداد منظور کی کہ چونکہ دعوتوں سے عام طور پر کابلی کے جذبے کو نقصان پہنچتا ہے، جس کی قربانی کسی صورت گوارا نہیں کی جاسکتی، اس لئے یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آئندہ اگر کوئی صاحب ”صدرل“ کو چائے یا کھانے کی دعوت دیں، تو ان کے ساتھ بقیہ سب اراکین کو بھی مدعو کریں۔ یہی نہیں، بلکہ رات کے کھانے کی صورت میں، اس دن رات کا ”اجلاس“ بھی نو سے تین بجے تک میزبان صاحب ہی کے مکان پر منعقد ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نہ صرف ان اصحاب کے اکل و شرب کا انتظام کریں، بلکہ ان کے لیٹنے اور اینڈنے کے لئے اپنے مکان کا ایک کمرہ بھی خالی کر دیں۔ بے شک، اس پابندی سے دعوتوں میں بہت کمی ہو گئی، لیکن پھر بھی کبھی کبھی کوئی مچھلا یہ تمام شرائط قبول کر کے دعوت کر ہی دیتا۔



جب رات کے تین بجے اجلاس ختم ہوتا، تو اس سے پہلے بے دودھ کی چائے کا دور چلتا، جو پیالیوں کی بجائے فجانوں میں پی جاتی تھی۔

اس انجمن کا ایک گروپ فونو بھی لیا گیا تھا، جو یقیناً اب بھی اکثر ”کابلوں“ کے پاس موجود ہوگا۔

اس انجمن کو درہم برہم ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ جو نیک مقاصد سامنے رکھ کے یہ بنائی گئی تھی، افسوس، وہ تو پورے نہ ہوئے۔ دنیا کی اور بیشار عمدہ تحریکیں بھی ناکام رہی ہیں اور سچ پوچھے، تو اس دنیا نے ازل سے نیکیوں کی قدر کہاں کی ہے! اس لئے محض ایک انجمن کا ماتم بیکار ہے۔ لیکن میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر آج بھی کوئی اس طرح کی انجمن یا جماعت قائم ہو، جس کا طرہ امتیاز ”کابلی“ قرار پائے، تو اسے جگر صاحب سے زیادہ فعال صدر میسر نہیں آسکتا۔ سچ ہے، یہ خدا کی دین ہے۔

اس سعادت بزور بازو نیست

جگر کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ بزرگوں کا وطن دراصل دلی تھا۔ ان کے مورث اعلیٰ مولوی محمد سمیع، شاہجہان کے استاد تھے۔ نہ جانے کس بات پر عتاب شاہی نازل ہوا اور وہ ترک وطن کر کے مراد آباد میں جا مقیم ہوئے۔ جگر کو شاعری گویا ورثے میں ملی۔ دادا حافظ محمد نور شاعر تھے، نور تخلص تھا۔ والد مرحوم مولوی بزرگ علی بھی شاعر تھے، نظر تخلص کرتے اور ناسخ کے شاگرد رشید وزیر لکھنؤی سے مشورہ کرتے تھے۔ خود جگر نے ابتدا میں چندے منشی حیات بخش رسا کو کلام دکھایا، لیکن پھر داغ سے رجوع کیا، جو رسا کے بھی استاد تھے۔ داغ کی وفات (۱۹۰۵ء) کے بعد کچھ دن منشی امیر اللہ تسلیم سے بھی اصلاح لی۔

جگر کی ایک خصوصیت قابل تعریف ہے۔ انہوں نے غزل کے سوائے کچھ نہیں کہا، بلکہ عین ممکن ہے کہ اگر وہ کچھ اور کہتے تو اس میں اس حد تک کامیاب بھی نہ ہوتے۔ چونکہ ان کی افتاد طبع تھی بھی غزل کے مناسب حال، اس لئے ان کا کسی اور سخن پر توجہ کرنا گویا اپنی صلاحیتوں کے غلط استعمال کے مترادف ہوتا۔ ان کا اپنے آپ کو غزل سے مخصوص کر لینا، ان کے لئے بھی اچھا رہا، اور غزل کے لئے بھی۔ اس میں شک نہیں کہ اردو میں غزل اتنی ہی پرانی ہے، جتنی خود یہ زبان۔ بظاہر اب اس میں کوئی جدت اور تازگی ممکن نہیں۔ کیونکہ کونسا وہ مضمون یا موضوع ہے، جسے متقدمین بیان نہ کر گئے ہوں۔ پس اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جگر کا کلام بھی وہی پرانے رنگ کی چیز ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس سے انکار ممکن نہیں کہ ان کا اسلوب اور لب و لہجہ اور کس بل خاص ان کی چیز ہے۔ اور چونکہ زمانے کا مذاق بدل گیا، خود غزل کی ہیئت، زبان اور موضوع بلکہ مقصد تک سے متعلق نئے نئے



تجربے ہونے لگے ہیں۔ اس لئے اب یہ توقع کرنا کہ پھر کوئی جگر کا سا غزل گو شاعر پیدا ہوگا، امید موہوم سے زیادہ نہیں۔

ان کے کلام میں دو مختلف رنگوں کا امتزاج ہے۔ جرات اور داغ کی مادیت بھی ہے اور مومن کی معنویت بھی۔ جگر کا مزاج ان تینوں سے ملتا جلتا ہے۔ جرات اور داغ نے عشق جسمانی کی جو تصویریں اپنے کلام میں پیش کی ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ان کے ہاں کوئی پیچیدگی نہیں، وہی روزمرہ کی باتیں ہیں، جو آئے دن ہم میں سے ہر ایک کے تجربے میں آتی رہتی ہیں۔ جگر نے ان دونوں پر یقیناً ترقی کی ہے، ایسی کہ بسا اوقات پڑھنے والے کا ذہن شعر کی مادیت کا پوری طرح احاطہ بھی نہ کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کلام میں ان دونوں کی سی صاف عریانی نہیں، بلکہ وہ اکثر اپنا مدعا ایسا پردے اور مرکب سے بیان کر جاتے ہیں کہ انسان پر اس کی عارضی ہیجانیت اور بیش پا افتادگی تک گراں نہیں گزرتی، اور وہ اس پر خاص توجہ دیئے بغیر آگے گزر جاتے ہے۔

مومن کے ہاں حسن و عشق کی تصویریں زیادہ گہرے رنگ میں ہیں اور ان سے لطف اندوز ہونا ہر کسی کے اختیار میں نہیں۔ ان کے کلام سے پوری طرح لذت یاب ہونے کے لئے لازم ہے کہ نہ صرف قاری کے ذہن کی تربیت ایک خاص فکری ماحول میں ہوئی ہو، بلکہ اس نے ”فسق و فجور“ کا کچھ نظری یا عملی تجربہ بھی کیا ہو۔ مومن نے زمانہ ہجر و وصال کی مختلف وارداتوں اور لاگ اور لگاوت کی گونا گوں کیفیتوں کا جو نفسیاتی نقشا پیش کیا ہے، اس کا جواب نہیں۔ لیکن چونکہ ان کے ہاں ایک خاص طرح کا لفظی اشکال ہے، اور اس کا تعلق فی الاصل بیشتر ان کے لہجے سے ہے جس سے بات فوراً سمجھ میں نہیں آتی۔ اسی لئے قاری اس کی معنویت تک پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ حقیقت میں یہی وجہ ہوئی کہ مومن نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ چونکہ جگر نے مدتوں رندی اور ہوسنا کی کے کوچوں کی خاک چھانی تھی، اس لئے وہ ان مضامین کے ادا کرنے میں پوری طرح کامیاب رہے ہیں، جو مومن کا طرہ امتیاز ہیں۔ نہ صرف یہی، بلکہ ان کے ہاں لفظی اشکال نام کو نہیں۔ ان کی بات فوراً ہر ایک کی سمجھ میں بھی آ جاتی ہے۔

شراب کے مضامین میں جنہیں خمریات کا نام دیا گیا ہے، جیسے کچھ ان کے کلام میں بیان ہوئے ہیں، آپ کو اردو میں بہت کم کسی اور شاعر کے ہاں ملیں گے..... ریاض خیر آبادی کے خمریات مشہور ہیں۔ لوگ داغ کی بھی اس بات میں تعریف کرتے ہیں۔ حالانکہ ایمان کی بات ہے کہ ریاض اور داغ دونوں کے ہاں حد درجہ سطحیت ہے۔ حالانکہ ایمان کی بات یہ ہے کہ ریاض اور داغ دونوں کے ہاں حد درجہ سطحیت ہے۔ میں ان دونوں کی قادر الکلامی کا انکار نہیں کر رہا ہوں۔ دونوں استاد ہیں، اور زبان کی رنگینی اور شوخی میں تو ان کا جواب نہیں۔ لیکن یہاں گفتگو خمریات سے ہے۔ فقرہ چست کر دینا، یا پھبتی



کہہ لینا، اور بات ہے، اور سرخوشی کے عالم میں بھی اپنے اندرونی احساسات اور دلی تاثرات کا بیان الگ چیز ہے۔ وہ کیفیت اور سرور جو صرف ایک رند میکش ہی محسوس کر سکتا ہے، نہ ریاض کے بس کی بات ہے، نہ داغ کی۔ کیونکہ کبھی ایک قطرہ بھی ان دونوں کے حلق سے نیچے نہیں گئی۔ اس پہلو سے جو مزہ جگر اور جوش کے کلام میں ہے، وہ آپ کو اور کہیں نہیں ملے گا۔ غالب بھی شاذ و نادر جب کبھی اس طرح کے مضامین لکھتا ہے، تو ڈوب کر اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ بھی سنی سنائی باتیں نہیں لکھتا، بلکہ ذاتی واردات بیان کرتا ہے۔

بیشک یہ ضروری نہیں کہ انسان جو لذت محسوس کرے، اسے ہمیشہ بیان کر لینے پر بھی قادر ہو۔ کئی لطیف جذبات اور احساسات ایسے ہوتے ہیں کہ زبان ان کے کامل اظہار سے قاصر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ آپ کی عجز بیان کی مثالیں شراب پینے والوں کے ہاں بھی مل جائیں گی۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا کہ انسان نے کسی کیفیت کا سرے سے کبھی تجربہ کیا ہی نہ ہو اور وہ اسے کما حقہ بیان کر سکے۔

میں نے بارہا جگر کو شعر کہتے، بلکہ پوری پوری غزل کہتے دیکھا۔ آپ نے وہ داغ کا شعر جفنے کا لطیفہ تو ضرور سنا ہوگا۔ جگر کو کبھی اس طرح تجربہ نہیں ہوا۔ احباب کا مجمع ہے، مجلس جمی ہوئی ہے، لطیفے اور ہنسی مذاق کی گفتگو ہے، فقرے بازی اور گلچن ہو رہی ہے کہ کسی نے کہا: ”جگر صاحب، اس مصرع پر مصرع یا شعر پر شعر تو کہئے۔“ اگر ان کی طبیعت کسی وجہ سے بالکل ہی غیر حاضر نہیں، تو انہیں گرہ لگانے یا شعر کہنے میں کبھی کوئی تکلف نہیں ہوا اور اگر مجمع واقعی معقول لوگوں کا ہوا، تو انہوں نے غزل بھی پوری کر لی۔ انہیں درست مشورہ تک قبول کر لینے میں بھی عذر نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً ان کا ایک شعر ہے:

”عرض غم نہ کر، اتنے دل!“ دیکھ ہم نہ کہتے تھے

رہ گئے وہ اونھ کر کے، سن لیا جواب ان کا!

پہلے مصرع ثانی میں ”اونھ کہہ کر“ تھا۔ ایک دن وہ یہ غزل سنا رہے تھے، تو میں نے ان سے کہا کہ اس کی پہلے ”اونھ کر کے“ بنا دیجئے۔ کہنے لگے: وجہ؟ میں نے جواب دیا کہ ”اونھ“ کوئی مستقل کلمہ نہیں، جس کے لئے ”کہنا“ کہا جائے، بلکہ یہ ایک آواز ہے۔ اس کے لئے ”کرنا“ ہی مناسب ہے۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے اس کے بعد جوش سے بھی اس کا ذکر کیا تھا۔ جوش نے میری تائید کی، اس پر انہوں نے ”اونھ“ کر کے بنا دیا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر (شعر اس وقت مجھے یاد نہیں) میرے کہنے پر انہوں نے ”اچھلنا“ کی جگہ ”ابھرنا“ بنا دیا۔ اس ہرزہ گوئی سے خود ستائی مقصود نہیں، بلکہ مدعا یہ ہے کہ باوجود صف اول کا غزل گو اور شاعر ہونے کے ان میں وہ غلط پندار نہیں تھا، جو ہمارے بعض ”اساتذہ“ کا نمایاں شعار ہے۔



میں ۱۹۳۸ء کے اوائل میں دلی سے اور اگلے برس ملک ہی سے باہر چلا گیا اور ایک لمبے عرصے تک باہر رہا۔ ملک کی آزادی اور تقسیم میری غیر حاضری میں عمل میں آئی۔ اس زمانے میں جگر سے براہ راست تعلقات منقطع ہو گئے (یوں بھی وہ خط و کتابت کے زیادہ عادی نہیں تھے) البتہ سنتار ہا کہ اب بفضلہ انہوں نے شراب سے توبہ کر لی، اور بہت محتاط زندگی بسر کر رہے ہیں۔

۱۹۵۲ء کے آغاز میں اچانک مجھے کراچی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں منجملہ اور احباب کے محمود صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ کہنے لگے: ”جگر آج کل یہیں کراچی میں ہیں۔“ میں نے کہا: ”چلئے، ان سے ملیں۔ شام کا وقت تھا کہ ہم دونوں ان کی قیام گاہ پر پہنچے۔ زینے پر چڑھتے ہوئے میں نے محمود صاحب سے کہا کہ آپ میرا نام نہ لیجئے گا، دیکھیں، پہچانتے ہیں یا نہیں۔ اوپر پہنچے تو دیکھا کہ جگر صاحب کرسی پر براجمان ہیں اور ارد گرد حسب معمول آٹھ دس آدمی کرسیوں اور موئڈھوں اور تخت پر بیٹھے ہیں۔ بجلی کی روشنی اچھی خاصی تیز تھی۔ محمود صاحب سے علیک سلیک ہوئی۔ میں خاموش کھڑا رہا۔ سر کو کوئی (۳۰) درجے داہنی جانب جھکا کر چند ہیائی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ پیشانی کے بل کہہ رہے تھے کہ حافظے کے منفی اور مثبت تاریزی سے جمع ہو رہے ہیں۔ بارے، دیر نہیں لگی۔“ ارے، مالک رام ہیں۔“ کہہ کے کھڑے ہو گئے۔ تپاک سے معانقہ کیا اور پوچھا: ”بھائی، بہت دن کے بعد ملے، کیسے ہو؟“ میں نے کہا: ”صاحب، داد دیتا ہوں آپ کے حافظے کی کہ چودہ پندرہ برس کے بعد یوں آسانی سے پہچان لیا، حال آنکہ وہ عالم اور تھا اور اب اور ہے“ کہنے لگے۔ ”اس میں کسی حد تک آپ بھی معاون ثابت ہوئے۔ آخر انسان کی شخصیت اتنی جاندار تو ہو، اور وہ اتنا پائیدار اثر تو چھوڑ جائے کہ دوسرا شخص چاہے بھی، تو اسے بھلا نہ سکے۔“ چونکہ میں جانتا تھا کہ جگر تملق کے روادار نہیں اور لوگوں کی بیجا مدح ان کا شعار نہیں، اس لئے ان کی اس بات سے مجھے خوشی محسوس ہوئی۔

میں اواخر ۱۹۵۲ء سے مارچ ۱۹۵۸ء تک ہندوستان میں رہا تھا۔ ان تین برسوں میں ان سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی، یہاں دلی میں بھی اور باہر بھی۔ آخری ملاقات ۱۹۵۷ء میں میرٹھ میں حکیم سیف الدین احمد سلمہ کے مکان پر ہوئی۔ اس زمانے میں میرے ایک بزرگ میرٹھ میں مقیم تھے۔ میں ان سے ملنے کو اکثر وہاں جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں دوپہر کے کھانے پر حکیم صاحب کے ہاں مدعو تھا۔ کھانے کے بعد حکیم صاحب اور تسکین قریشی مرحوم اور میں بیٹھے گپ کر رہے تھے کہ جگر صاحب بغیر کسی سابقہ اطلاع کے اچانک پہنچ گئے۔ فرمایا: ”میں ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے بمبئی گیا تھا۔ واپسی کے لئے جب اسٹیشن پہنچا، تو جی میں آئی کہ آپ سے بھی ملتا جاؤں۔“

بالعموم جگر کے یہاں خیال اور عمل بیک وقت ہوتا تھا۔ یعنی کوئی بات ان کے ذہن میں آئی، تو پھر اس پر فوراً بلا توقف عمل کرتے۔ چنانچہ یہاں بھی ہوا۔ حکیم صاحب سے ملنے کے خیال کا آنا تھا



کہ انہوں نے بڑھ کر کھڑکی سے میرٹھ کا ٹکٹ خرید لیا اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ حکیم سیف سے ان کے حد درجہ مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے، اور حکیم صاحب بھی ان کی خدمت کر کے دلی مسرت محسوس کرتے تھے۔

وہ میرٹھ میں دو دن ر کے اور وہاں سے گوئڈہ چلے گئے۔ اس کے بعد پھر ان سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔

مارچ ۱۹۵۸ء میں ان پر پہلی مرتبہ دل کا دروہ پڑا۔ وہ اس حملے سے جانبر تو ہو گئے لیکن اس کے بعد ان کا کہیں باہر جانا قطعاً بند ہو گیا، اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یہ دورے پڑتے رہے۔ بالآخر اسی ”بیماری دل“ سے وہ ۹ ستمبر ۱۹۶۰ء صبح کے وقت اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے:-

دل کو سکون، روح کو آرام آ گیا

موت آ گئی کہ یار کا پیغام آ گیا

جگر کی شخصیت بڑی پیاری اور دل آویز تھی۔ دل کے صاف، زبان کے کھرے، وہ کسی کے برے میں نہیں تھے۔ میں نے کبھی کسی کی غیبت ان کی زبان سے نہیں سنی۔ صرف یہی نہیں، وہ دوسرے کے صریح نقص کی جگہ بھی اس کی خوبیوں کا بیان کرنے لگتے۔ بلکہ کبھی کبھی وہ دوسرے کے نقص کی ایسی توجیہ کرتے کہ وہ نقص ظاہر میں کم دکھائی دینے لگتا۔ ہمارے ایک شاعر دوست عقیدے کے لحاظ سے دہریئے ہیں۔ وہ پوری بیباکی سے جاو بیجا اپنے عقیدے کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں اور انہوں نے نظم و نثر میں بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک مرتبہ جگر سے ان سے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے کہا: ”کاش ان کی زندگی کا کم از کم یہ پہلو ہی درست ہوتا۔“ کہنے لگے: ”بھائی، دلوں کے بھید جاننے والا تو خدا ہے، لیکن جس تحدی اور شدت سے وہ اپنے الحاد کا اظہار کرتے ہیں، اس سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں چور ہے اور وہ واقعی ایسے نہیں۔ آپ جانتے ہیں، بعض طبیعتیں کسی کے سامنے بھی سر جھکانے میں عار محسوس کرتی ہیں۔ کسے باشد، ان کے لئے کسی کی اطاعت قبول کرنا، ہتک کے ہم معنی ہے۔ وہ جدی پٹھان ہیں، اور ان کے باپ دادا کی سرکشی اور شورہ پشتی کے واقعات آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ پس، وہ خدا کی خدائی تسلیم کرنے میں بھی اپنی نوہن سمجھتے ہیں، حال آنکہ دل سے وہ ملحد نہیں۔“

اس بات کو جانے دیجئے کہ ان کی تاویل درست ہے کہ نہیں، بلکہ اصلیت یہ ہے کہ غلط ہے۔ کیونکہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ ان کا استدلال مضبوط نہیں اور وہ صاحب بھی واقعی ملحد ہیں اور اس کے اعلان میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اس کے اس قوت سے خود جگر کی سیرت اور کردار کا جو رخ ہمارے سامنے آتا ہے، وہ کتنا دلکش ہے +

اسمائے حسنیٰ میں ستار اور غفار بھی ہیں۔ اگر یہ سچ ہے کہ انسان کا مطمح نظر یہی ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو خدائی رنگ میں رنگ لے (ومن احسن من اللہ صبغۃ) تو اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ان دونوں خدائی صفات کو بھی اپنی زندگی کا جزو بنانے کی کوشش کرے۔ اگر ہم دوسروں کے عیوب کی بجائے ان کی خوبیوں پر نظر رکھیں، تو یہ دنیا کتنی حسین بن جائے۔

بے عیب ذات خدا کی ہے۔ جگر صاحب میں بھی کمزوریاں تھیں، لیکن ان کی خوبیوں کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی، اور یہ تو ارشاد خداوندی ہے کہ نیکیاں بدیوں کو محو کر دیتی ہیں۔ پس میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی شخص جگر کا دشمن ہو سکتا ہے۔ بلکہ میرا یقین تھا کہ کوئی شخص انہیں جتنا بھی قریب سے دیکھے گا اتنا ہی ان سے محبت کرے گا:

وہ حلم، وہ تواضع، وہ طرز خود فراموشی  
خدا بخشے جگر کو، لاکھ انسانوں کا انساں تھا



# تری یاد کا عالم

(رشید احمد صدیقی)

بلکہ صاحب وہاں پہنچ گئے جہاں ایک نہ ایک دن ہر اس تنفس کو پہنچنا ہے جو زندگی مرض الموت میں گرفتار ہے۔ اس دنیا میں موت بھی کتنی سستی، یقینی، ہر جگہ ہر وقت آسانی سے مل جانے والی چیز ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہوا، پانی، آگ اور مٹی کی طرح یہ بھی ہر جاندار کے لئے کتنی ضروری ہے۔ فطرت بہت سے معاملات میں کسی نہ کسی شرط پر انسان سے خوش و ناخوش مفاہمت کر لیتی ہے، صرف موت کے مسئلے پر آج تک کسی طرح کی مصالحت پر تیار نہیں ہوئی۔ انسان اور موت کے درمیان رشتے و روایات کو دیکھتے ہوئے یہ امر بھی یقینی ہے کہ ارضی سطح پر آئندہ کبھی مفاہمت نہ ہو سکے گی۔ لیکن اگر انسان موت کو تسخیر نہیں کر سکا ہے تو موت کبھی انسان کے ان کارناموں کو نابود دیا ہے نور نہیں کر سکی ہے جو موت سے زیادہ عجیب و عظیم مانے گئے ہیں۔ وہ انسان کو تسخیر بھی کر سکتی ہے۔ جب انسان روز ازل وابدی ہونے کے ان صفات سے بھی کسی نہ کسی درجے میں متصف ہے جو خدا کے ہیں جن کے طفیل وہ اس سرزمین پر خدا کا نمائندہ اور نائب ہے اور کیا معلوم بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ انسان خدا میں ازلی اور ابدی بھی ہے۔

موت مامور و مجبور ہے۔ وہ کتنا ہی چاہے۔ اپنے کو بدل نہیں سکتی۔ انسان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ توفیق الہی اور استعداد انسانی کے مطابق اپنے کو بہتر و برتر بنا سکتا ہے۔ لامتناہی حد تک بہتر و برتر! موت کی یہ شکست مسلم ہے۔ اگر ہم اس طرح سوچنے کا حوصلہ کر سکیں تو محسوس ہوگا کہ انسان موت کے ہاتھ میں کھلونا نہیں ہے۔ ہم میں ایسے اکابر گزرے ہیں، آج بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی آتے رہیں گے، جن کے ہاتھ میں موت کی حیثیت کھلونے کی رہی ہے اور رہے گی۔ بڑا انسان اپنی شکست میں زندہ رہتا ہے۔

لیکن اس وقت مرحوم کی وفات سے (کسی عزیز کو پہلی بار مرحوم کہہ کر یاد کرنا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے) ان ساتھیوں اور صحبتوں کی کیسی کیسی یاد تازہ ہو رہی ہے جن سے کبھی اپنی، کبھی ان کی، کبھی دوستوں کی زندگیاں خوشی سے معمور اور امنگوں سے لبریز رہا کرتی تھیں۔ کہیں گہری، کہیں ہلکی، یہ یادیں ماضی کے ۳۵، ۳۰ سال کی وسیع دھوپ چھاؤں پر محیط ہیں۔ جگر صاحب کو میں نے ہر حال میں پایا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے بیان کرنے میں مصلحت تامل کرے۔ غفلت میں چاہے وہ بیماری سے ہو چاہے شراب سے، تنگدستی و در ماندگی کا سابقہ ہو یا ثروت و شہوت کا نشہ، انسان کی زبان سے بعض ان غیر مستحسن جذبات اور خیالات کا اظہار ہو ہی جاتا ہے جو اس کے تحت شعور میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ جگر صاحب ان تمام مراحل سے ثابت قدم گذرے۔ ادنیٰ لوگوں میں ادنیٰ درجے کی تیز و تند شراب کثرت سے پی کر مدہوش ہو جانا لیکن زبان سے کسی ناسزا کلمے کا نہ نکالنا معمولی بات نہیں ہے۔ جگر صاحب پر تھوڑی سی اور ہلکی شراب پی لینے کا اثر بہت جلد اور معمول سے زیادہ ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے اس شخص کے بطون میں کوئی چور دروازہ ہی نہ ہو جس سے کوئی ناروا خیال یا خواہش داخل ہو جائے یا اس طرح کا کوئی خیال یا خواہش پہلے سے جاگزیں ہو تو موقع پا کر باہر نکل آئے۔ یہ صفت کم لوگوں میں ملے گی!

ہندوستان اور دوسرے ممالک کے بڑے شاعر اور فن کاروں کو ہم میں سے بہتوں نے دیکھا ہو گا یا ان کے حالات سنے اور پڑھے ہوں گے باوجود اس کے کہ ان کا کلام مدتوں سے اشتیاق و احترام سے پڑھا سنا اور سراہا جاتا ہے ان میں ایسے بھی ہیں جن کی سیرت و شخصیت جہاں تہاں سے داغدار ہے۔ لیکن ان شعراء اور فن کاروں کی عظیم الشان شخصیت کی منزلت اتنی بڑھ چکی ہوتی ہے کہ ان کی سیرت کی خامیوں کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے۔ ہمارے کتنے بڑے شاعروں کی بعض کمزوریوں کو اجاگر کرنے کی کیسی کیسی کوشش کی گئی، اور اب بھی کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی بڑائی میں مطلق فرق نہ آیا۔ البتہ یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ شاعر اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے قابو میں چلا گیا یا بعض تقاضوں کے پیش نظر اس نے ان صلاحیتوں کو اپنے قابو میں رکھا۔ بصورت اول وہ ہمدردی کا، بصورت دیگر ستائش کا مستحق ہوتا ہے۔

ان کے مقابلے میں یہاں اپنے ان چار غزل گو یوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو اب تک اس صدی میں جدید اردو غزل کی خوبصورت مستحکم اور ایک طور پر کثیر المقاصد، عمارت کے چار عظیم معیار مانے جاتے ہیں۔ یعنی حسرت، اصغر، فانی اور جگر۔ ان کا شعری یا سکونتی تعلق کسی ”دلی صفاہان یا سمرقند“ سے نہیں تھا۔ ذرا دور سے اور بلندی پر جا کر دیکھیں تو یہ معلوم ہوگا کہ فیضان، سرسید، ان کے رفقاء کرام اور علی گڑھ تحریک کا ہے۔ علی گڑھ نے شعراء ادب کے جغرافیائی دبستان ختم کر دیئے۔



ان چاروں نے نہ تو کوئی مینوفیسٹو شائع کیا، نہ زندگی و ادب کے اسرار و معارف کو الم نشرح کرنے کے لئے کوئی عالمی کانفرنس منعقد کی۔ نہ تشہیر و تبلیغ کا کوئی ادارہ یا محاذ قائم کیا، نہ جلسے جلوس سے کوئی واسطہ رکھا۔ صرف جہاں تہاں مشاعروں میں اپنا کلام سناتے رہے۔ ایسے مشاعروں میں بھی جہاں شعراء اور سامعین دونوں کی آبرو خطرے میں رہتی ہے۔ بایں ہمہ انہوں نے اردو غزل گوئی کی اس طرح تطہیر و توسیع کی اور اس کو ایسا ترفع بخشا اور زندگی و ادب کے صالح تقاضوں کے پیش نظر اس میں توانائی اور دل آویزی پیدا کی کہ اس کے سامنے اردو شاعری کی دوسری اصناف ماند پڑ گئیں۔ یہ کم عجیب بات نہیں ہے کہ یہ شعراء اپنی اعلیٰ تخلیقات سے بھی نہیں بلکہ اعلیٰ سیرت و شخصیت کے اعتبار سے کم و بیش نصف صدی تک باوجود طرح طرح کے موانع کے یکساں طور پر ممتاز و محترم رہے!

غزل کی یہ مقبولیت موسمی، مقامی یا اتفاقی نہ تھی، جیسی فلمی گانوں کی ہوتی ہے جو بالعموم ادنیٰ طبقے کے نوجوانوں، ہر طبقے کی عورتوں اور گلی کوچے میں پھرنے والے کمپرس نادان بچوں یا ان طالب علموں کی زبان پر چڑھ جاتے ہیں جو خاندان کی روایات سے بے بہرہ، سوسائٹی کی ذمہ داریوں سے نا آشنا ماحول کی خرابیوں کے شکار اور اچھی تعلیم و تعلیم گاہوں کے فیض سے محروم ہوتے ہیں۔ ان چار درویشوں نے سیاست کے سستے نعروں سے بھی اپنی دکان نہیں سجائی تھی لیکن ان کا کلام خواص و عوام کے دلوں میں گھر کر لیتا تھا اور اثر دکھاتا تھا۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں جب طبائع پورے طور پر سیاست اور سائنس کی گرفت میں آچکی تھیں اور پرانی قدروں کا احترام برائے نام باقی رہ گیا تھا، جب دور و نزدیک یکساں ہو گئے تھے، غزل کو ایسی آبرو بخشا کہ وہ دوسرے ملکوں کے شعر و ادب کے سامنے اپنا سر اونچا رکھ سکے اور ہم میں جو صدیوں سے محکوم و منکوب تھے، احساس کمتری نہ پیدا ہونے دے، ان شاعروں کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ان کا یہ تصرف اس صنف کلام پر تھا جو بہت تنگ و محدود اور بعض حلقوں میں نامسعود سمجھا جانے لگا!

مجھے جگر صاحب کے خاندان کا حال نہیں معلوم، کتنی تعلیم تھی، کس بزرگ کے مرید یا کس سلسلہ طریقت یا مسلک سیاست سے تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح کی باتوں سے کسی کا علم نہیں۔ جس سے جتنا قریب ہوتا ہوں اتنا ہی اس کے بارے میں ان باتوں کی کھوج لگانے سے پرہیز کرتا ہوں۔ مرحوم کی رحلت سے آج بڑا پرانا گہرا اور مخلصانہ رشتہ ٹوٹ گیا۔ عمر کی جس منزل پر ہوں وہاں اس طرح کے رشتے ٹوٹتے ہی رہتے ہیں۔ فطرت کا یہی تقاضا ہے، لیکن کیا کروں، فطرت کے اس طرح کے تقاضے تسلیم کرنے سے عاجز و قاصر رہتے ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ میرے اس تصور میں اور کتنے بد نصیب شریک ہوں گے؟

مدت حیات کا حساب کتاب سال اور ماہ کے گزرنے سے نہیں کرتے، عزیزوں کی مفارقت



سے بھی کرتے ہیں۔ وہ اٹھائے جاتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ زندگی ختم ہوگئی۔ عمر چاہے جہاں تک پہنچے، عمر پانے کو زندہ رہنا نہیں کہتے۔ زندگی اپنی زندگی سے اتنی عبارت نہیں ہوتی جتنی عزیزوں کی زندگی اور خوشی سے ہوتی ہے۔ یہ نہیں تو زندہ رہنا اور نفس کے مطالبے پورے کرتے رہنا ایک مسلسل بے غیرتی اور بڑھتی ہوئی تنہائی اور تاریکی ہے، جس کو نہ چھپا سکتے ہیں، نہ اس سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسے حق بجانب بھی نہیں قرار دے سکتے۔

جگر صاحب میرا بہت لحاظ کرتے تھے۔ اصغر گوٹروی مغفور کے علاوہ بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جن کے لئے وہ اتنا اخلاص و احترام ملحوظ رکھتے ہوں جتنا میرے لئے۔ اصغر صاحب سے تو ان کی عقیدت بندگی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ شاید ہی وہ کسی اور کے یہاں اس محویت و مسکنت کے عالم میں پائے گئے ہوں جتنا اصغر صاحب کے ”حضور“ میں۔ اصغر صاحب بھی مجھے بہت عزیز رکھتے تھے۔ جگر صاحب کی مجھ سے وابستگی یہیں سے شروع ہوئی تھی جس کو آخر وقت تک انہوں نے جس طرح نباہا اس کا خیال کرتا ہوں تو دل عجیب طرح سے بے قرار ہونے لگتا ہے!

جگر صاحب کے اس خلوص و محبت کو میں نے نباہنے کی برابر کوشش کی، لیکن مرحوم ان غیر معمولی شریف اور فیاض انسانوں میں تھے جن کی مسلسل ”نواز شہائے پیدا و پنہاں“ کا ساتھ دینے سے ہمیشہ قاصر رہا۔ روپے، پیسے مال و متاع سے کوئی سلوک کرے تو اس کا بدلہ ادا کر دینا آسان ہے، لیکن جو شخص (وہ جگر صاحب جیسا شخص) محبت و احترام کی بیکراں نعمتوں سے کسی کو بہرہ مند کرے اور رکھے اور کسی وقت غافل نہ رہے، اس سے کون عہدہ برا ہو سکتا ہے! جگر صاحب کے پاس جو دولت تھی اور جسے وہ مجھ پر بے دریغ صرف کرتے تھے اس سے مبادلہ کے لئے میری ہر دولت ناقابل التفات تھی۔

جگر صاحب کی محبت بھی عجیب محبت تھی۔ ہمیشہ اس فکر میں رہتے کہ میں ان کی مدارات میں کوئی حصہ نہ لوں۔ اس خیال سے کہ مجھے زحمت نہ ہو۔ اس سبب سے ایک طور پر میں جگر صاحب سے اتنا اور اس طرح قریب نہ ہو سکا کہ ان کی ذہنی واردات اور رنج و راحت کے محرکات سے براہ راست اور پورے طور پر واقف ہو سکتا، اس سے شرمندہ ہوں۔ عقیدت و محبت کا پورے طور پر مستحق نہ ہونا، لیکن اس کا مورد رہنا شریف آدمی کے لئے اتنا ہی باعث خلش رہتا ہے جتنا ایک گناہگار کی لئے جو اس اندیشے میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں بے نقاب نہ ہو جائے۔ یاد نہیں آتا انہوں نے اپنی تکالیف یا نجی دشواریوں کا کبھی کسی عنوان مجھ سے تذکرہ کیا ہو۔ مشاعروں میں ان کے کلام کو جس خلوص سے سراہا جاتا اور خود ان کی پذیرائی جس عزت و محبت کے ساتھ کی جاتی اس کا ذکر بھی کبھی ان کی زبان پر نہیں آیا۔ ایسے شعراء سے بھی واقف ہوں جن کے کلام سے شاعروں میں دھوم مچ جاتی اور ان کا کلام سننے کے لئے لوگ سراپا شوق و انتظار ہوتے، لیکن فرق یہ ہوتا کہ سامعین جگر صاحب موجودگی سے اور ان



کی دیکھ کر جتنے خوش ہوتے اور فخر کرتے دوسروں کی موجودگی سے نہیں۔ آخر آخر میں معذوریوں کے سبب سے وہ اپنا کلام اچھی طرح سنا بھی نہیں سکتے تھے، جب بھی لوگ خوش ہوتے کہ جگر صاحب نے ان کے لئے مشاعرے میں شرکت کی زحمت گوارا کی۔ انہوں نے جگر صاحب کو دیکھ لیا اور ان کا کلام ان کی زبان سے سن لیا۔ یہ امتیاز اس صدی میں اردو کے شاید کسی غزل گو کو نصیب نہیں ہوا۔

جگر صاحب سے لوگوں کو جیسے مذہبی ارادت و عقیدت ہو۔ میر انیس اور اقبال سے اس طرح کی شیفتگی تو سمجھ میں آتی ہے، جگر صاحب سے اس شغف کو کس چیز پر جمول کروں۔ ان کے یہاں مذہب، سیاست، اخلاق، فلسفہ، تصوف، طنز و ظرافت کسی کو بھی تو دخل نہیں۔ ابتدائی عہد کے کلام سے قطع نظر عشق و عاشقی کا بھی وہ رنگ نہیں ملتا جو عام طبائع کے لئے باعث کشش ہوتا ہے۔ پھر اس کے سوا اور کیا کہوں کہ ان کے کلام ہی میں ”ماورائے سخن ایک بات“ نہ تھی، ان کی شخصیت میں ماورائے شخص بھی ایک بات تھی۔

جگر صاحب بحیثیت مہمان تشریف لاتے تو بیک وقت کتنی خوشگوار باتوں کا احساس ہونے لگتا، گویا کوئی بھولی ہوئی لطیف خوشبو آگئی ہو۔ زندگی کی نعمتیں اچھی، اس کے مصائب گوارا اور آلودگیاں قابل احترام معلوم ہونے لگتیں۔ جگر صاحب کے چاہنے والے دو ایک دن پہلے سے گھر کا چکر لگانے لگتے تھے۔ وہ آجاتے تو دن رات ان کو گھیرے رہتے۔ جگر صاحب کے اس ”حلقے“ یا ”دربار“ میں میں کبھی مخل نہیں ہوتا تھا۔ وہ اسے جانتے تھے۔ اس لئے جب ہجوم ختم ہو جاتا تو صرف یہ اطلاع بھجوادیتے کہ ملاقاتی رخصت ہو گئے۔ میں پہنچتا تو جیسے سر سے پاؤں تک فرط تکریم و تشکر سے جگمگانے لگے ہوں۔ بے اختیار کھڑے ہو جاتے۔ اسی بے اختیار سے فوراً بیٹھ جاتے، جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور آس پاس کی چیزیں بے ضرورت ادھر ادھر رکھنے لگتے۔ بیٹھ جاتا تو وہ بھی بیٹھ جاتے اور مسکرانے لگتے جیسے اپنے اس مسکرانے کی شمیم و شبنم کے تحت رواں پر مجھے بٹھا دینا چاہتے ہوں۔

جگر صاحب شکل و صورت کے اچھے نہ تھے، لیکن اس وقت ان کا مسکرانا اور کبھی رہ رہ کر ہنس پڑنا اور جلد ہی کچھ کہنے لگنا تا کہ میں ان کے اس اضطراب و انبساط کو جان نہ سکوں۔ ایسا دل نشین اور قابل فخر و احترام محسوس ہوتا کہ میں اس وقت اس کو کسی تشبیہ و استعارے سے بھی واضح نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اس کو کسی حسین دوشیزہ یا معصوم سے معصوم تندرست بچے کے مسکرانے اور ہنسنے سے بھی تشبیہ دینا نا کافی سمجھتا ہوں۔ جگر صاحب اچھی صورت کے ہوتے تو شاید اتنے اچھے نہ معلوم ہوتے۔ جگر صاحب ہی پر موقوف نہیں کوئی اور بھی ہوتا تو اتنا دلادیز نہ معلوم ہوتا۔ سیرت کا حسن دنیا کے تمام دوسرے حسن سے افضل ہوتا ہے۔ یہ بات جتنی سچی اور پکی ہے، افسوس ہے کہ اتنی ہی دیر میں اور کبھی کبھی وقت نکل جانے پر اس کا احساس اور یقین ہوتا ہے۔



جگر صاحب جتنے مذہبی آدمی تھے اتنے ہی اخلاقی بھی! ایسا ہونا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ بالخصوص ایسے لوگوں کے لئے جو اصلاً نہیں اصطلاحاً مذہبی ہوتے ہیں۔ ہر مذہبی آدمی اخلاقی آدمی نہیں ہوتا۔ خود غرض یا ناواقف مذہب کو بالعموم اصطلاحی حدود میں مقید رکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض دوسرے اخلاق کو مذہب سے آزاد اور علیحدہ سمجھتے ہیں۔ مذہب اور اخلاق کو علیحدہ خانوں میں رکھا نہیں جاسکتا۔ اس لئے حقیقتاً اخلاق مذہب سے برآمد ہوا ہے اور اس کا آوردہ و پروردہ ہے۔ اخلاق مذہب کی عملی شکل ہے۔ مذہب سے علیحدہ ہو کر اخلاق پر زور دینا ان لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے جن کی نیت بالعموم بخیر نہیں ہوتی۔ مذہب اخلاق کا محافظ و محتسب ہے اور اخلاق بغیر مذہب، عورت بغیر شوہر ہے!

خود غرض طبائع مذہب کی ہمہ گیر و ہمہ گرفت سے بچنے کے لئے اخلاق کے دائرے میں پناہ لیتی ہیں، جس کی سرحد پھاند کر تہذیب کی قلمرو میں آجاتے ہیں۔ وہاں سے سیاست کی وادی میں پہنچتے ہیں۔ سیاست سے قومیت اور تجارت کی منزلیں دور نہیں رہ جاتیں۔ یہیں پہنچنا بالعموم ان کا مقصد ہوتا ہے۔ مذہب کے تقاضوں سے بچنے یا مذہب کی بلندی سے اترنے کے لئے جو زینے ہیں ان میں پہلا اخلاق پھر تہذیب، اس کے بعد سیاست قومیت اور تجارت ہیں۔ موخر الذکر تین کا نام مسعود اتحاد آج عالم انسانیت کا سب سے بڑا آشوب ہے!

مذہبی ہونے کا علمی و کتابی تصور واضح کرنے کے لئے خاص طرح کی لیاقت درکار ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔ اپنے طور پر پابندی کر پاتا ہو یا نہیں کوئی ایسی بات سننا اور دیکھنا گوارا نہ کر سکے جو خدا اور اس کے رسول کے خلاف کسی کے منہ سے نکلے یا جس سے شعائر اسلام کی سبکی ہوتی ہو۔

بہت دنوں کی بات ہے علی گڑھ میں طالب علمی کا زمانہ تھا۔ احباب کی ایک صحبت میں ہر طرح کی باتیں بے تکلفی سے ہو رہی تھیں۔ ایک دوست موجود تھے جو مسلمان کہلاتے تھے لیکن خدا رسول اور احکام دین کے قائل نہ تھے۔ ایک دوسرے صاحب بھی تھے جو ہم میں اپنی اول جلول حرکتوں اور بھولے پن کے لئے باعث تفریح رہا کرتے تھے۔ گفتگو کے دوران پہلے کی زبان سے مذہب کے بارے میں کچھ استہزائیہ کلمے نکل گئے۔ باؤلا برفروختہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا تو بہ کرو اور معافی مانگو، نہیں تو تمہاری خیر نہیں! انہوں نے سٹ پٹا کر کہا تم بھی تو اسی طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ کچھ جوش میں آ کر کچھ رو کر باؤلے نے جواب دیا، میری بات اور ہے خدا رسول تو میرے ماں باپ بھائی بہن ہیں۔ میرے جوجی میں آئے گا کہوں گا، تیرا تو ان سے کوئی رشتہ نہیں۔ تو میرے سامنے میرے ماں باپ بہن بھائی کی کیسے توہین کر سکتا ہے۔

جگر صاحب کا علی گڑھ اور الہ آباد کا وہ زمانہ یاد ہے جب وہ زیادہ تر مخمور اور بد حال رہتے تھے،



لیکن دین یا ائمہ دین کے خلاف کوئی فقرہ کان میں پڑ جاتا تو بد مستی کا پورا زور اس پر صرف کر دیتے جس کی زبان سے وہ کلمہ نکلا ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے ان پر شراب کے نشے کے بجائے کوئی اور عالم طاری ہو گیا۔ مذہب ان کی نہاد میں تھا جس کا مظاہرہ وہ کبھی کبھی اس طرح کر جاتے کہ بڑی نزاکت کا سامنا ہو جاتا۔ اس سے جگر صاحب نے نقصان اٹھایا ہو یا نہیں وہ لوگ فائدہ اٹھا لیتے تھے جن کی نیوٹوں میں فتور ہوتا۔

کہیں کا سفر کتنا ہی ضرور ہوتا، علی گڑھ سے گزرتے تو وہ ایک دن میرے ساتھ ٹھہرنے کی گنجائش نکال لیتے۔ حج سے واپس آچکے تھے۔ ایک دن سہ پہر میں چائے پی رہے تھے۔ حسب معمول کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے فرمانے لگے، مدینہ طیبہ میں ایک دن چائے کی پوری پیالی اوپر آرہی لیکن کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اتنا کہہ کر چپ ہو گئے حاضرین میں سے ایک صاحب بول اٹھے، جگر صاحب فکر شعر میں غرق رہے ہوں گے خبر نہ ہوئی ہوگی۔ جگر صاحب نے جواب دیا، کیا کیجئے گا آپ کو اس طرح کی تعبیر کی توفیق ہوئی۔ پھر ہنس پڑے اور بولے، پرانا زمانہ کیا برا تھا جب ہر کس و ناکس کو آزادی نہ تھی، اس کے لئے معتمد اور منتخب ہی لوگ ہوتے تھے۔

جگر صاحب پر بعض زمانہ بڑی سختی کا گزرا ہے۔ مالی دشواریوں کے سبب سے پریشان رہتے تھے۔ اس کا اظہار انہوں نے کسی اور سے کیا ہو یا نہیں مجھ سے کبھی نہیں کیا۔ یہ بڑی آزمائش کا مرحلہ ہوتا ہے۔ سیرت میں کہیں کوئی خامی رہ جاتی ہے، تو تنگ دستی میں بالضرور اور بڑی شدت سے ابھر آتی ہے۔ معمولی اشخاص کا تو ذکر کیا وہ تو ذرا سے فشار سے بکھرنے لگتے ہیں، اچھے اچھوں کو اس منزل میں ڈگمگاتے دیکھا ہے۔ ایسے زمانے میں بھی جگر صاحب اچھا کھاتے تھے، اچھا پہنتے تھے۔ اچھی طرح خود رہتے تھے، اپنے مہمانوں کو رکھتے تھے۔ کسی پر برا وقت آپڑتا تو اپنے اوپر سختی جھیل کر اس کی مدد کرتے۔ دور ابتلا میں بھی لوگ ان کو طرح طرح سے دھوکہ دیتے اور زیر بار کرتے۔ کم لوگ ایسے ہوں گے جن کو دوسروں نے اتنا لوٹا کھسونا ہو جتنا جگر صاحب کو۔ اور ایسے لوگ تو شاید ہی ملیں جو اپنے اس طرح لوٹے کھسوٹے جانے کو خاطر میں نہ لاتے ہوں۔

جگر صاحب کسی کی درخواست کو رد نہیں کر سکتے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ درخواست کرنے والا جھوٹا ہے۔ آخر آخر میں تو نوبت یہاں تک آگئی تھی کہ لوگ مانگنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ جس کا جب جی چاہا جس چیز کو چاہا لے لیا۔ جگر صاحب یہ سب دیکھتے لیکن کسی طرح کا حیل نہ کرتے۔ ایک بار میں نے ذرا تلخ ہو کر پوچھا، جگر صاحب آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ مسکرا کر لور عجیب معصوم انداز میں فرمانے لگے، کیا کروں، نہ کسی سے انکار کر سکتا ہوں اور نہ اس کو شرمندہ دیکھ سکتا ہوں۔ میں نے ذرا کم شریفانہ انداز میں کہا، اس کے بعد آپ یہ بھی چاہتے ہوں گے کہ میں آپ کی یا



اس کی درازی حیات کی دعا بھی مانگا کروں؟ بڑے مزے سے ہنسے اور جگر صاحب کب نہیں مزے سے ہنتے تھے!

بڑے باوضع آدمی تھے۔ جس سے خلوص کے مراسم ہو گئے تمام عمر کے لئے اس پر مہر لگ گئی۔ علی گڑھ میں تین چار گھرانے ایسے تھے جن سے عزیزانہ اور دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ آتے تو چاہے کتنے ہی موانع ہوں ان کے گھر ضرور جاتے۔ وہ جس طرح کی فرمائش کرتے قبول کر لیتے خواہ اس میں ان کو کتنی ہی تکلیف ہوتی۔ جہاں جاتے اہتمام سے جاتے۔ نہادھو کر، کپڑے بدل کر، کبھی تھفے کے طور پر کچھ لے کر۔ مدت دراز سے یہ سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ آخر آخر میں جب صحت خراب رہنے لگی تھی تو میں اس طرح کی دید و بازو سے روکتا۔ ہر طرح کا اہتمام کرنے کے بعد پانوں کی ڈبیا بٹوالے کر کسی کے ہاں جانے کے لئے تیار ہوتے اور اتفاقاً میں نکل آتا تو ان پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی جیسی کوئی بچہ قصور کرتا ہوا پکڑ لیا جائے۔ منع کرتا تو فوراً مان جاتے وہ بھی اس طرح جیسے واقعی مان گئے ہوں۔ اندر آ جاتا تو تھوڑی دیر بعد اسی اہتمام کے ساتھ اپنی مہم پر روانہ ہو جاتے جیسے بچوں کو کسی کام سے منع کیجئے تو خوش و ناخوش اس وقت تو مان جائیں گے لیکن موقع ملتے ہی وہی کریں گے جو کرنے والے تھے۔ جگر صاحب کا بچوں کا سایہ انداز بڑا پر لطف معلوم ہوتا تھا، بالخصوص اس وقت جبکہ بعد میں بچوں سے بھی زیادہ معصوم یعنی اپنے انداز میں اس کی ٹوٹی پھوٹی معذرت کرتے!

جگر صاحب جانتے تھے کہ بطیب خاطر میں کسی شاعر سے شعر سنانے کی فرمائش نہیں کرتا اور اس بات سے اور زیادہ بد حظ ہوتا ہوں کہ خود شاعر بے تکلف ہو کر یا بادنی اشتعال جس کا مرتکب بھی اکثر وہ خود ہوتا شعر سنانے لگے! اسے آپ میری بد تمیزی پر محمول کریں، یا شاعر کی، یا دونوں کی کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ بات یہ ہے کہ بعض صوری یا معنوی اعتبار سے (صوری زیادہ معنوی برائے نام) شعر سننے اور داد دینے کے لئے بالعموم میرا انتخاب کیا جاتا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ پورا مصرع درکنار اس کا جزو تک اٹھانے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں الفاظ یا اعراب وغیرہ کا الٹ پھیر نہ ہو جائے۔ جب شاعر دوسرا مصرع پڑھتا ہے اور اکثر بار بار اور دیر تک پڑھتا رہتا ہے پہلا بھول چکا ہوتا ہوں، اس لئے پورے شعر کی داد دینے کے لئے طرح طرح کے سامعین کا منہ تکتا پڑتا ہے اور جلد سے جلد فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ان میں سے کون حلوے ماٹھے کی غرض سے آیا ہے، کون میزبان کو ایصال ثواب کرنا چاہتا ہے، کون شاعر کو ضرب شدید یا خفیف پہنچانے کا تہیہ کر رہا ہے اور کون مجھ کو محفل سے باہر نکل جانے کا چیلنج دے رہا ہے۔ اس کے بعد کہیں میرا منہ اس قابل ہوتا ہے کہ شاعر کو دکھا سکوں۔ دوسری اور سب سے بڑی آزمائش یہ ہوتی ہے کہ کبھی کبھی میں شعر سے متاثر ایک طرح ہوتا ہوں لیکن داد دوسری طرح دینی پڑتی ہے۔ ساتھ ہی ڈرتا بھی رہتا ہوں کہ اس کشمکش میں کہیں مقدم موخر نہ ہو جائے! چنانچہ جہاں کہیں



اس کا خطرہ ہوتا ہے کہ شاعر اور اس کے کلام دونوں کی کرامات پر سب سے پہلے مجھے ایمان لانا پڑے گا اور اعلان بھی کرنا پڑے گا میں داد دینے والا ساتھ لے جاتا ہوں جس کی مجھے خاصی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ داد دینے والے سے یہ طے رہتا ہے کہ وہ اس طرح داد دے کہ اگر میں دینے لگوں تو کوئی سن نہ پائے یاد دینے والا ہوں تو ہمت نہ پڑے۔

غالباً فروری ۱۹۵۹ء کی آخری تاریخیں تھیں۔ ”آتش گل“ پر جگر صاحب کو ساتھ ایڈیٹی کا انعام ملا تھا۔ جیسا کہ قاعدہ بنا رکھا تھا دلی سے واپسی پر میرے ہاں ٹھہر گئے۔ یہ ان کا علی گڑھ میں آخری قیام تھا۔ صحت کافی گر چکی تھی لیکن طبیعت بتاش تھی۔ معمولات میں زیادہ فرق نہیں آیا تھا۔ دوستوں کی آمد و رفت، مقررہ گھرانوں پر حاضری، طالب علموں سے ملاقات، بچوں سے تفریح بدستور تھی۔ صبح کا وقت تھا، صحن میں دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خلاف معمول مجھے اندر سے بلوا بھیجا۔ آیا تو جگر صاحب کو غیر معمولی طور پر شگفتہ پایا۔ جیسا کہ ان کا قاعدہ تھا مسکرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہی سر سے پاؤں تک شوق و شیفٹنگی کا عالم۔ کچھ رکے۔ پھر بے اختیار بول پڑے آج میں نے آپ کو تکلیف دینے کی جرات کر ہی ڈالی۔ میں نے کہا، جگر صاحب، اچھا کیا مجھے بھی تو یہ کہنے کا فخر حاصل ہوا، کہ آپ نے بلا بھیجا۔ خوش ہو گئے۔ میں بیٹھ گیا۔

جگر صاحب اچھی طرح جانتے تھے کہ میری طبیعت کچھ دنوں سے خراب رہنے لگی تھی۔ لیکن انہوں نے آج نہ پہلے کبھی یہ پوچھا کہ میں کیا ہوں، کیا کرتا ہوں، کیا کرنا چاہئے، بچے کہاں ہیں، کیا کرتے ہیں، کس کی شادی ہوئی ہے، کس کی نہیں، کون پاکستان میں ہے، کون ہندوستان میں، کتنے بے روزگار ہیں، کتنے نہیں، مشیت الہی یا حکومت کی پالیسی کیا تھی، جس پر مجھے صبر کرنا چاہئے یا بغاوت، جیسا کہ اس طرح کی باتیں ملاقات کے وقت کے لئے لوگ عموماً حفظ کر رکھتے ہیں۔ وہ صرف یہ دیکھ کر اس طرح خوش ہو جاتے جیسے یہ تمام باتیں پوچھ لیں اور مطمئن ہو گئے اور مجھے مبارکباد دے ڈالی۔

یاد نہیں آتا کہ کون کون سی غزلیں سنائیں۔ اس صبح کو انہوں نے جس درد اور وارفتگی سے اپنا کلام سنایا اس سے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ آج میری تمام عمر کی محبت کا صلہ دینے کی کوشش کر رہے ہوں جس سے بڑا صلہ ان کے پاس دوسرا نہ ہو۔ جیسے سب سے بے تعلق ہو کر میرے لئے اپنے کو اپنے ہی نغمے میں ضم اور ختم کر دینا چاہتے ہوں! سنانا ختم کرتے ہی مسکرا کر اور بات چھیڑ دی۔ جیسے یہ سنانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھا اور یہ سب محض اس احتیاط کے پیش نظر کہ اگر اس کا کوئی غمگین اثر مجھ پر ہوا تو جلد سے جلد زائل ہو جائے۔

اس وقت یہ بحث پیش نظر نہیں ہے کہ ہمارے شعراء مشاعروں میں کون سے پڑھتے ہیں تو اچھا





ہی میں نہیں رکھتا بلکہ ان کو بہتر مقاصد اور بہتر مشکل میں ڈھال دیتا ہے۔ وہ محسوس تو حیوان ہی کی طرح کرتا ہے، لیکن اظہار انسان کی مانند کرتا ہے جو محسوس کرے، اسی کو ظاہر کرے۔ قرین فطرت یقیناً ہے، قرین انسانیت نہیں ہے۔ اپنی خامی کو شاعری کا تقاضا سمجھنا نالائق کی علامت ہے۔ انسان کا انا الحق کہنا ایسا غلط نہیں ہے۔ تلاش معرفت میں بعض فقرایا صوفیاء پر یہ واردات طاری ہوئے ہیں، لیکن ان واردات اور ان کے اظہار کو دلیل کم نظر و کم ظرفی قرار دے کر کہنے والے کو قتل کر دیا گیا ہے۔

سوا الہام کے جو خدا کی طرف سے صرف اس کے رسول پر نازل ہوتا ہے اور رسول اس کو بخندہ امت کو پہنچا دیتا ہے، کوئی ایسا خیال نہیں ہے جو شاعر کے دل میں آتا ہو اور وہ اس میں حسب ضرورت تصرف کے بغیر ہم تک پہنچا دیتا ہو۔ یہ تمام تر شاعر کے ذوق اور ظرف پر منحصر ہے کہ وہ اس خیال کو کس مقصد سے کس شکل میں ہم تک پہنچاتا ہے۔ اگر وہ سرشت کا اچھا، فن سے واقف، زبان کار مرز شناس ہے، کہنے کا سلیقہ رکھتا ہے اور صحیح موقع و محل رکھتا ہے تو اس کی بات موثر مفید اور دیر پا ہوگی۔ اگر اس میں یہ صفات نہیں ہیں تو یہ شاعری نہیں کچھ اور ہوگی جس کو آپ شاعر کی نارسائی یا نالائقی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ شاعر ڈاک خانہ، تار گھر، ریڈیو نہیں ہوتا جو صحف خبر رسانی کا کام انجام دیتے ہیں۔ وہ فنکار اور معلم کی حیثیت سے حسن، صداقت کا داعی ہوتا ہے۔ اردو شاعروں کی فہرست پر نظر ڈالنے اور ہر شاعر کے کلام کی عمر اور انجام کو اس پیمانے سے ناپ لیجئے۔ یوں دنیا میں کوئی نالائق یا نالائقی ایسی نہیں ہے جس کے لئے کوئی سند جواز نہ تصنیف کی جاسکے۔

جگر، اصغر اور فانی ان سرآمد غزل گو یوں میں ہیں جن کا کلام ان مخصوص صحبتوں میں بھی بے تکلف پڑھا اور لطف سے سنا جاسکتا ہے جہاں رند، پارسا، خورد و بزرگ، ماں، بیٹیاں، بہن، بہو، بیوی بیک وقت موجود ہوں اور محفل ثواب کمانے کے مقصد سے نہیں تفریح و انبساط خاطر کے لئے منعقد کی گئی ہو۔ آج اس طرح کی بات کسی شاعر کی بڑائی میں بیان کرنا خود مجھے اپنے کانوں کو اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے اسے مضحکہ خیز بھی سمجھیں تو کیا عجب! ان میں جگر صاحب کو ایک گونہ اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنے ان ساتھیوں سے زیادہ جذبات کی بعض نزاکتوں کو اپنے کلام میں جگہ دیتے ہیں۔

فانی کا جہان ہی دوسرا ہے۔ ان کے ہاں اس طرح کی دشواریاں پیش نہ آتی ہوں تو کوئی تعجب نہیں۔ وہ سر تا پا الم ہیں لیکن اتنے غمگین شخص نہیں ہیں جتنے غمگین شاعر ہیں۔ غم کا ذکر انہوں نے جس رکھ رکھاؤ سے کیا ہے اس سے غم، غم نہیں رہا ایک انداز فکر، آرٹ یا عبادت بن گیا۔ ان کے ہاں غم کا انداز بین و بکا کا نہیں، عرفان و ایقان کا ہے۔ بڑھی ہوئی داخلیت کے سبب سے کہیں کہیں وہ الفاظ کے الٹ پھیر سے بھی کام لیتے ہیں لیکن یہ شعوری اور شاعرانہ ہوتا ہے اس لئے ذوق پر بار نہیں ہوتا،



اکثر اس کی سیرابی کا باعث ہوتا ہے۔  
 اصغر کے لہجے میں جیسی شائستگی و شگفتگی، جذبات و افکار کی جوتازگی و تہذیب ملتی ہے، نیز شستہ  
 منتخب اور مترنم الفاظ و ترکیبیں جو مفہوم اور معانی کو زیادہ حسین و دلنشین کر دیتی ہیں، بجائے خود ایسے  
 عوامل ہیں جو غیر صالح خیالات و جذبات کے اظہار کے منافی ہیں۔ اصغر کے یہاں عورت، تصوف،  
 عاشق اور سیاست کا وہ ”روزمرہ اور محاورہ“ نہیں ملے گا جسے عام طور پر دوسرے شعراء کبھی کبھی ”رسم  
 پابندی اوقات“ کے طور پر کام میں لاتے ہیں۔ لیکن ان کے کلام میں ان سب کے بڑی دلکش جانی  
 پہچانی، اکثر چونکا دینے والی تصویریں اور تعبیریں ملیں گی! ان پر اور ان کی شاعری پر خود ان کا شعر گواہ  
 ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ باد صبا چمن میں غنچہ و گل کو کس مزے سے چھیڑتی ہے۔ لیکن اس کی  
 پاس دامانی پر حرف نہیں آتا!

معتبر شاعر وہ ہے جو تمام علوم ”سینہ و سفینہ“ کے اسرار و رموز سے کما حقہ واقف ہو یا نہ ہو، اس  
 سے آشنا ہو کہ فلاں خیال، جذبہ یا فکر پر کس علم کا عمل مناسب حال ہوگا۔ مثلاً کسی خاص خیال کو فنون  
 لطیفہ، فلسفہ، تصوف، اخلاقیات، مذہبیات، کیمیا، طبیعیات وغیرہ میں سے کسی علم و فن یا علوم و فنون کے  
 رموز و رعایت کی، و سے سلجھا کر توانائی دے کر اور سنوار کر سامعین تک پہنچایا جائے تاکہ وہ زیادہ سے  
 زیادہ مفید و موثر ہو۔ یہاں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر شاعر علم و فن سے واقف ہو (سب سے زیادہ  
 تو اسے اپنے فرض اور فن سے واقف ہونا چاہئے) کہنا صرف اتنا ہے کہ جو علوم انسان کو فطرت کا راز  
 سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں اپنے اپنے طور پر مدد پہنچاتے ہوں، شاعر کو ان کا علم ہونا چاہئے۔  
 اس کو شاعر کے ان علوم پر قدرت رکھنے سے تعبیر نہیں کریں گے، نہ اس کا مطالبہ کریں گے بلکہ ان علوم  
 پر اس کا شاعرانہ تصرف قرار دیں گے اقبال اس رمز سے خوب واقف تھے، غزل گوئی میں کسی حد تک  
 اصغر مجھے ایسے معلوم ہوئے۔

حسرت عشق مجازی کے پہلو اور بے ساختگی کے انداز کو پیش پیش رکھتے ہیں۔ حسرت عشق  
 مجازی کے مزاج داں اور محتسب دونوں تھے۔ اتنی حسین رچی ہوئی جیتی جاگتی خارجیت صف اول ہی  
 کے شعراء میں ملے گی۔ خارجیت کا نباہنا داخلیت کے نبانے سے زیادہ مشکل اور ذمہ داری کا کام  
 ہے۔ میرے نزدیک خارجیت اور داخلیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک کو جانے بغیر دوسرے کا  
 ہو رہنا نارسائی یا نااہلی کی دلیل ہے۔ خارجیت کے آداب اور موقع و محل سے بے پروا یا بیگانہ رہ کر  
 داخلیت کا صحیح عرفان نہیں ہو سکتا اور داخلیت کے رموز سے نا آشنا رہ کر خارجیت کا کاروبار کرنا  
 سطحیت اور ہنلمہ پن ہے!

جگر صاحب نے حسن و عشق کے علاوہ سیاسی و سماجی حالات و حوادث پر بھی اظہار خیال کیا



ہے۔ سیاسی تاثرات کو شعوری طور پر غزل کے جام و مینا میں ڈھالنے کی سب سے پہلی وہ کامیاب کوشش سہیل نے کی ہے۔ اس میں ان کے پیش نظر وحسرت موہانی ہیں۔ لیکن حسرت کی غزلوں میں سیاسی رنگ اتنا داخلی نہیں ہے، جتنا خارجی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے فکر سخن کرتے ہوئے ایک آدھ شعر سیاسی رنگ کے آگے تو ان کو بھی غزل میں ڈال دیا۔ حسرت کی سیاست اور شاعری علیحدہ علیحدہ خیالات میں بنی ہوئی ہیں۔ سیاسی شعور کے چھیننے مولانا محمد علی جوہر کی غزلوں میں بھی ملتے ہیں۔ سیاسی تنگ نظری اور سیاسی تیرہ دلی کے خلاف دونوں کے کلام میں اجتماع کی ایک زیریں لہر لہتی ہے جو رفتہ رفتہ جگر کے یہاں زیادہ قوی اور نمایاں ہو گئی ہے۔ جگر صاحب نے مستقل نظمیں بھی کہی ہیں اور اپنے تاثرات کا اظہار بڑے درد اور دلیری سے کیا ہے۔ سب و شتم اور شور و فتن سے نہیں، بعض معصوم جس سے انقلابی شاعری مراد لیتے ہیں۔

یہاں اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ حسرت اور سہیل دونوں کے سیاسی مسلک تھے۔ ان کے کلام میں اس کا اثر ملے تو تعجب کی بات نہیں۔ جگر صاحب کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہیں تھے، کم بے کم جہاں تک مجھے اس کا علم ہے۔ اس لئے جگر صاحب جب کسی (ظلم و زیادتی) پر ملول یا برہم ہو کر کچھ کہتے تو ہر طبقے کے لوگ متاثر ہوتے۔ اس لئے کہ ان کی آواز کو کسی سیاسی یا جماعتی نعرے کی صدائے بازگشت نہیں بلکہ انسانی ضمیر کی پکار سمجھتے تھے اور جگر صاحب نے یقیناً وہ درجہ حاصل کر لیا تھا جہاں ان کی آواز کو یہ حیثیت حاصل تھی!

جگر صاحب کو اعزازی ڈائریکٹریٹ تفویض کرنے کا مسئلہ مسلم یونیورسٹی کے سامنے آیا تو سب سے زیادہ جس خیال نے اس تحریک کو تقویت پہنچائی وہ یہ تھا کہ جگر صاحب اب شاعری کے دبستانوں اور حریفانہ چشمکوں سے بلند اور شخصیت کے اعتبار سے بھی (غیر متنازعہ فیہ) ہو چکے ہیں۔ ان کی شاعری پر کسی طرح کا لیبیل لگا کر مخصوص و محمود نہیں کیا جاسکتا۔ وہ شاعری کے اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں شاعری کے ساتھ ساتھ شاعر کی اہمیت و عظمت کو بھی دیکھتے ہیں۔ یہ پیش کش جگر صاحب کو علی گڑھ کی طرف سے آنی بھی چاہئے تھی، اس لئے کہ علی گڑھ نے ہی اردو ادب کے دبستانوں کو ختم کیا تھا اس کو ایک تنکنائے آب سے نکال کر ”زندہ رود“ کا درجہ حاصل کرنے کی صلاحیت بخشی تھی!

علی گڑھ نے اس طرح جو عزت افزائی کی تھی اس کا جگر صاحب پر بڑا اثر تھا۔ کنویشن کے موقع پر آنے کے لئے بے قرار تھے۔ ہر خط میں اس کا ذکر کرتے اور ہر شخص سے کہلا بھیجتے۔ لیکن صحت اتنی گر چکی تھی کہ معالجون نے سفر کرنے کی اجازت نہ دی۔ جگر صاحب کو علی گڑھ سے عشق تھا۔ یہاں کی دعوت پر ضرور آتے اور آجاتے تو جیسے علی گڑھ کا گوشہ گوشہ ان کی موجودگی سے زمزمہ سن رہا تھا!

جگر صاحب ان رسوم و قیود اور اصرار و انکار کے حدود سے آگے نکل گئے تھے جو ہمارے بعض



شعراء کا وطیرہ بن گیا ہے۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ وہ علی گڑھ بلائے جاتے تو بڑی خوشی سے چلے آتے تا وقتیکہ کوئی سخت معذوری سے سابقہ نہ ہوتا۔ جو کچھ پیش کیا جاتا خوشی سے قبول کر لیتے۔ طلباء ان کا احترام کرتے تھے اور ان کی پذیرائی کو اپنے لئے سرمایہ افتخار جانتے تھے۔ اس لئے ان سے زیادہ سے زیادہ جو بن پڑتا مدد کرتے۔ دوسرے شعراء کے لئے بھی علی گڑھ میں بہت کچھ ہوتا ہے لیکن جس ”جذبہ بے اختیار شوق“ سے جگر صاحب کے لئے ہوتا دوسروں کے لئے نہیں!

جگر صاحب اس پر بھی اصرار نہیں کرتے تھے کہ ان کے پڑھنے کا نمبر سب سے پہلے آئے۔ کس کے بعد آئے یا سب کے بعد آئے۔ جب کہا گیا، جتنا کہا گیا، پڑھ دیا اور اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔ پڑھنے سے پہلے بطور قید یا معذرت نہ انکار کرنے نہ افتخار، فرصت کی کمی، صحت کی خرابی، سفر کی صعوبت وغیرہ کا بھی ذکر نہ کرتے جیسا کہ شعر بالعموم کیا کرتے ہیں۔ یہاں کہتے بھی کسی نے نہیں سنا کہ یہ شعر ملاحظہ فرمائیے گا یا وہ دوسرے شاعروں کے پڑھنے کے طریقے یا اس کی سچ دھج یا اس کے کلام پر نکتہ چینی کا ایک لفظ نہ کہتے، خاموش بیٹھے رہتے۔ آمل پاس والوں سے گفتگو یا ہنسی مذاق کرتے۔ سنجیدگی اور خلوص سے شریفانہ نرم لہجے میں داد دیتے، ہر شاعر کا اکرام ملحوظ رکھتے ایک بار تو ایسا ہوا کہ ایک لڑکے نے مشاعرے میں عمداً غلطی سے جگر صاحب کی پرانی کوئی غزل پڑھ دی۔ جگر صاحب پاس بیٹھے تھے۔ کسی طرح کا مطلق اثر نہیں لیا۔ لڑکے کی پیٹھ تھپتھائی اور شفقت کا اظہار کیا۔ یہ دیکھ کر کسی اور کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ لڑکے سے تعرض کرتا۔ جیسا کہ بیان کر آیا ہوں علی گڑھ کے طلباء خواہ وہ کسی مسلک و مذاق کے ہوں۔ جگر صاحب کو بڑی عزت و محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ امتیاز بہت سے لیڈروں کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ میں نے اکثر محسوس کیا جیسے ان سے مل کر طلباء کی صحت مند صلاحیتیں بیدار ہونے لگی ہوں۔ یوں بھی علی گڑھ کے طلباء میں اچھے اثرات کے قبول کرنے کی استعداد نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا سبب وہ روایت اور وہ فضا ہے جس کے قائم کرنے میں ہماری قوم کے بہترین افراد نے اپنی بہترین صلاحیتیں مدتوں صرف کی ہیں۔ جس طرح طلباء میں ڈسپلن قائم رکھنے کے لئے اچھے اساتذہ، اچھی لائبریری، اچھا ساز و سامان، اچھا کھانا پینا، رہنا سہنا، باغ، سبزہ زار، صحبت اور تفریحیں اور ورزشیں، کھیل کے میدان، ڈائینگ ہال، یونین کلب وغیرہ سود مند ثابت ہوتے ہیں، اسی طرح کچھ اس طرح کا انتظام بھی ہونا چاہئے کہ ہماری وہ گراں نمایہ شخصیتیں جو علی گڑھ سے باہر ہوں، خواہ وہ علم و فضل کے شعبے سے تعلق رکھتی ہوں، مسلم یونیورسٹی کے حدود کے اندر فراغت سے مستفلاً آباد ہو جائیں اور ہمارے نوجوان طلباء کے سرچشمہ فیض ثابت ہوں۔

ذہن میں کچھ اسی طرح کی باتیں تھیں کہ چند دن ہوئے بعض احباب نے اس کی کوشش شروع کر دی تھی کہ کوئی ایسا انتظام کیا جائے کہ آرام و یکسوئی کی زندگی گزارنے کے لئے جگر صاحب



مستقل طور پہ علی گڑھ آجائیں۔ لیکن یہ کوشش آگے نہ بڑھ سکی اور جگر صاحب ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے!

جلیل القدر معاصر شعراء کی طرح جگر صاحب نے مشاعرے کی منزلت اور آخر دم تک بنایا اور اس روایت کو برقرار رکھا جس کی رو سے مشاعرے کا شعار اعلیٰ تہذیبی اداروں میں ہوتا تھا۔ بعض ارباب سخن کی یہاں مشاعروں میں اسی طرح کے آداب ملحوظ رکھے جاتے تھے جو مذہبی یا نیم مذہبی محفلوں کے ہوتے۔ ہماری زبان جس رتبے کو پہنچی اور تہذیب کو جو گراں مائیگی نصیب ہوئی، اس میں ان مشاعروں اور ان کے آداب کو بڑا دخل ہے۔ زبان اور تہذیب اسی طرح کی آزمائش سے گزر کر اپنا مقام پیدا کرتی ہیں۔ نوجوان طلباء کا ہجوم خواہ کسی سلسلے میں اکٹھا ہو، ادنیٰ بہانے یا اشارے پر آج جس طرح بے قابو ہو جاتا ہے اور وہ سب کر گزرتا ہے جو کسی اور کے مناسب حال ہو یا نہ ہو، طلباء کے شایان شان ہرگز نہیں ہوتا۔ مشاعروں میں آج سے کم و بیش ۲۰، ۲۵ سال پہلے تک کم از کم علی گڑھ میں دیکھنے میں نہیں آتا۔ اس میں سامعین کا چاہے جتنا گناہ ہو، ہمارے شعراء کا بھی کچھ کم نہیں۔

بعض شعراء ایک ایسے مشاعرے یا مواقع کے لئے جہاں نوجوان لڑکیاں اور خواتین موجود ہوتی ہیں، ایسی ناپسندیدہ اور بیباک نظمیں لکھ لاتے ہیں جو نوجوانوں کے حیوانی و شہوانی جذبات کو برا بیچتے و بے قابو کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔ اسے یہ شعراء اپنا بڑا کارنامہ اور انعام سمجھتے ہیں۔ دیکھا تو یہاں تک گیا ہے کہ مشاعروں میں اس نظم کو سنانے کی کوئی فرمائش نہیں کرتا تو یہ شعراء خود نہایت بے غیرتی کے ساتھ اور اتنے ہی بھونڈے پن سے اشارتا اس کی یاد دہانی کرتے ہیں! شاید غالب کی پیروی میں جہاں انہوں نے ”غریب شہر چھنائے گفتی دارد“ کہا ہے!

جگر صاحب میں بڑی حیا اور غیرت تھی۔ کہیں کسی محفل میں بیٹھے ہوں، ہمیشہ نظر نیچی رکھتے تھے۔ جیسے اس محفل میں نوجوان خواتین اور لڑکیوں کو اپنی ذمہ داری اور امانت سمجھتے ہوں۔ بے تکلف احباب میں بھی بیٹھ کر وہ اس طرح کے فقرے زبان پر نہیں لاتے تھے جن میں عورتوں سے بے راہ روی کے روابط کا اشارہ ملتا ہو، جو خواہ وہ فقری کتنے ہی ”در پردہ“ کہے جاسکتے ہوں۔

ان باتوں کا خیال کرتا ہوں تو جگر صاحب اور ان کے پرانے ساتھی شعراء آج کس حیرت و الم سے یاد آتے ہیں جن کو دیکھ کر اس وقت تو اتنا نہیں، جتنا اب محسوس کرتا ہوں کہ تہذیب و شرافت بھی دنیا میں کتنی بڑی نعمت ہے اس لئے ذمہ داری ہے۔

جگر صاحب شعر کہہ سکتے تھے، اپنے شعر پر مضمون نہیں لکھ سکتے تھے۔ اچھے اور بڑے شعراء بالعموم ایسا نہیں کر پاتے۔ بعض ایسا کر سکتے ہیں لیکن ان کا مضمون ان کے شعر سے اچھا ہوتا ہے اور کبھی کبھی بجائے ان کے دوسروں پر صادق آتا ہے۔ اس لئے وہ خارج از بحث ہیں۔ جگر صاحب سے

جب بھی اس طرح کی بات آئی، بڑے شوق سے بحث میں حصہ لینے کے لئے تیار ہوئے۔ لیکن گفتگو کچھ اس طرح کی کرنے لگتے تھے جیسے شعر کہنے کے طور طریقوں پر بحث نہ کر رہے ہوں، غزل کی اہمیت سے انکار کرنے والے سے لڑائی مول لینے پر تیار ہوں۔ یہ لڑائی بھی کچھ اس طرح کی ہونے والی ہوتی جیسے اس نیک کام کے لئے حربہ کوئی نہ ہو، حوصلہ بہت ہو ظاہر ہے۔ ایسے نبرد آزما کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

بائیں ہمہ ایک جگہ وہ بڑی جرات اور صفائی سے ایک ایسی بات کہہ گئے ہیں جو ہماری اردو شاعری کے اعتبار و امتیاز کو بڑی خوبی سے واضح کرتی ہے۔ شعر یاد نہیں آتا۔ مفہوم یہ ہے شعر میں ”مشرقیّت“ نہ ہو تو وہ مغربیت کی نقالی ہے اور کچھ نہیں۔ یہ بات بظاہر مولویوں جیسی معلوم ہوتی ہے، لیکن دراصل یہ ایسی ہے نہیں۔ مشرقیت کیا ہے، کیا نہیں؟ اس سے یہاں بحث نہیں۔ لیکن نئے انداز کے شاعروں کو اس نکتے پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسے شخص کا قول ہے جس کے کلام اور شخصیت سے کافی زمانے تک ہم محظوظ و متاثر رہے ہیں اور یہ وہ زمانہ تھا جب مغربیت اور عقلیت اپنے منہ پر تھی اور ہمارے فکر و تخیل پر مغرب سے زیادہ مغربیت طاری تھی۔

جگر صاحب نے براہ راست شاید ہی کبھی مجھے خط لکھا ہو۔ بچوں میں سے کسی کو لکھ دیتے، وہ مجھے بتا دیتے۔ جگر صاحب کا انداز بھی ان کی دوسری اداؤں کی طرح کتنا دلکش تھا۔ وفات سے کچھ دن پہلے لڑکوں میں سے ایک کے نام خط آیا۔ قیاس کرتا ہوں کہ مضمون کیا رہا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ شان خط میں بھی وہ رعنائی اور صلابت نہیں رہ گئی تھی جو پہلے تھی۔ جگر صاحب کا خط شکست نہایت پاکیزہ اور پختہ تھا۔ جس پر التفات خاص ہوتی اس کی اپنی کوئی غزل ہاتھ سے لکھ کر دیتے اور مخصوص طغرا میں اپنے دستخط کر دیتے اور تاریخ لکھ دیتے۔ جگر صاحب کو جس حال میں ہمیشہ سے دیکھتا آیا تھا، اس کے بعد ان کی بیماری کے بارے میں کسی سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جس خط کا اوپر ذکر کر آیا ہوں اس میں ایک شعر لکھا تھا جو مجھے سنا دیا گیا۔ کہہ نہیں سکتا اوروں نے بھی کہیں سنایا پڑھا ہے یا نہیں شعر یہ تھا۔

کہیں ایثار غم جاتا ہے ضائع

چمن شاداب ہے شبنم نہیں ہے

جگر صاحب کی زندگی اس طرح کی تھی اور ایسی زندگی کم کسی کو نصیب ہوتی ہے۔



# میرا کلام میری نظر میں

## (جگر مراد آبادی)

جگر نے ”شعلہ طور“ کے پہلے ایڈیشن میں جو ۱۹۳۲ء میں ناچی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا اپنے کلام پر خود اپنے قلم سے اظہار خیال کیا تھا وہ مضمون بطور یادگار شامل کیا جا رہا ہے۔

یہ میں فخریہ نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ انتہائی درد کے ساتھ کہ میری زندگی کا ہر شعبہ سخت پریشان اور کج معنی واقع ہوا ہے۔ خدا جانے کس قدر سرمایہ کلام ضائع ہو گیا اور کس قدر اختیار نے فائدہ حاصل کیا۔ شعر و ادب کے متعلق نثر میں متعدد طویل و مختصر مضامین لکھے جو میرے ذاتی تفکر و تدبر کا نتیجہ تھے، افسوس کہ سب ضائع ہو گئے۔

اولاً تو میرے لئے لکھنا ہی مصیبت سے کم نہیں۔ اس پر بار بار کی شدید جگر کا دیوں کے نتائج کا اس سے آسانی سے محو ہو جانا خصوصاً میرے لئے کس قدر اندوہناک سانحہ ہو سکتا ہے۔ ارادہ تھا ”شعلہ طور“ پر خود کوئی مقدمہ لکھوں چنانچہ کئی بار لکھا لیکن ہر بار کسی نہ کسی طرح ضائع ہی ہوتا چلا گیا۔ مشیت الہی شاید مجھ سے یہ کام لینا نہیں چاہتی۔ یا کسی آنے والے وقت تک منتظر رکھنا چاہتی ہے۔

انشاء اللہ العزیز ”شعلہ طور“ کی دوسری اشاعت میں اس کمی کو پورا کر دیا جائے گا۔

سرسری طور پر اپنے کلام کے متعلق کچھ کہہ دینا چاہتا ہوں۔

”اغلاط“ سے نہ میں نے اپنے آپ کو بے پروا رکھا ہے اور نہ انہیں کا ہد کہ رہ گیا ہوں۔ اکثر غلطیوں کا مجھے احساس ہے۔ بعض غلطیاں ایسی بھی ہیں جنہیں میں نے دانستہ اختیار کیا ہے۔ بعض ایسی بھی ہیں کہ وہ اپنی جگہ محاسن ہیں۔

اکثر ایسی بھی ہوں گی جن کا مجھے علم نہیں یا جن کو ناقدانہ نظر سے دیکھ سکتا۔ اس لئے میں خوش

ہوں گا اگر مجھے میری غلطیوں پر متنبہ کر دیا جائے۔

(میرے نظریہ شعری کے اعتبار پر) مشاعرے کی غزلوں میں سے بہت کم ایسی غزلیں ہو سکتی ہیں جن پر صحیح معنوں میں غزل کا اطلاق کیا جاسکے۔ تاہم ہر جگہ آپ میری انفرادیت محسوس کئے بغیر نہیں گزر سکیں گے۔

میری شاعری ”غزل“ ہی تک محدود ہے اور چونکہ حسن و عشق میں میری زندگی ہے۔ اس لئے بعض مستثنیات کو چھوڑ کر کبھی دوسرے میدان میں قدم رکھنے کی جرات نہیں کر سکا۔

واقعہ کانپور کی متعلق جو نظم ہے وہ بیشک بالکل بے اختیارانہ طور پر لکھی گئی ہے لیکن اس میں ایک لفظ ایسا آ گیا ہے جس کے مفہوم کی محدودیت پر مجھے اکثر تاسف رہا۔ اور وہ لفظ ”مادر وطن“ ہے۔ میں وطنیت اور قومیت دونوں کی سخت ناپسند کرتا ہوں۔ ناظرین میں کسی کو اللہ اگر توفیق عطا فرمائے تو انہیں میری طرف سے قطعاً اجازت ہے کہ وہ اس کو صحیح کر دیں۔

اکثر سیاسی نظمیں بھی کہی ہیں۔ لیکن احباب کے سخت اصرار پر۔ ممکن ہے کہ ان میں بھی کہیں کہیں اجزائے دل پائے جائیں۔ لیکن میرے لئے وہ سرمایہ ناز نہیں۔ اچھا ہوا کہ ضائع ہو گیا۔ البتہ دو نظمیں جن میں سے ایک نظم ”تلک کی موت“ پر ہے اور دوسری اسکول اسٹرائک کے موقع پر ”بچوں سے خطاب“۔ ان دونوں کے تلف ہونے کا مجھے ضرور صدمہ ہے۔ لیکن تلک کی موت پر جو نظم ہے اس میں بعض تجزیہ کے متعلق محض اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ ”مورخ ادبی“ میرے عقائد مذہبی کو بھی ویسا ہی سمجھنے لگے۔ اس لئے یہ ظاہر کئے دیتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ نظم پورے شباب کے عالم میں کہی گئی جبکہ نہ مجھے مذہب کی خبر تھی اور نہ اپنی، اس لئے اس میں بیجا غلو اور بعض شدید قسم کی لغزشیں ہو گئی ہیں۔ میں نے بہت چاہا کہ یہ نظم دستیاب ہو جائے لیکن نہیں ہو سکی۔ اس لئے احتیاطاً اس قدر لکھ دیا گیا۔

اپنی خصوصیات شاعری کے متعلق فی الوقت کسی طویل مضمون نگاری کے لئے آمادہ نہیں۔ صرف کچھ کہنے کے لئے کچھ کہتا ہوں۔

مجھے اپنے شعر و ادب پر سب سے بڑا فخر یہ ہے کہ میری زندگی اور میری شاعری میں بالکل مطابقت ہے۔ تضاد نہیں۔

فقالی اور استادانہ مشاقی میرے لئے تنگ رہی ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ تنگ سمجھتا رہوں گا۔

دوسری خصوصیات کی جانب بہت کم حضرات کی توجہ منعطف ہوئی ہے اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ میں نے (اول کلام کا کچھ زمانہ چھوڑ کر) حسن کی قصائی ہندی یا ایرانی عاشق کی طرح عشق کو ذلیل اور رسوا صورت میں ہرگز پیش نہیں کیا بلکہ حسن ہو یا عشق ان کے حقیق تاثرات و واردات کو تا امکان صحیح صحیح شاعرانہ انداز بیان کے ساتھ نمایاں کر دیا ہے۔



محاکات کے اعتبار سے اکثر مقامات آپ کو ایسے ملیں گے کہ مصور کے تمام کمالات ان کی تصویر کشی میں بیکار محض ثابت ہوں گے۔

لفظی و معنوی دونوں حیثیتوں میں آپ کو اکثر و بیشتر مستقل اضافات و اولیات ملیں گے جنہیں بخوف طوالت چھوڑنا ہوں۔ وقت نہیں کہ اس میں زیادہ کچھ لکھا جاسکے۔ ناظرین نکتہ رس خود ہی اندازہ فرمائیں گے۔

ممکن ہے کہ اکثر حضرات اپنے کلام پر اتنی ہی جنبش قلم کو پسند نہ فرمائیں گے لیکن اگر ازراہ انصاف غور فرمائیں گے تو یقیناً مان لینا پڑے گا کہ شاعر سے زیادہ کسی دوسرے شاعر یا غیر شاعر کو اس کے کلام پر نقد و نظر کا حق نہیں۔ بشرطیکہ احتساب نفس کے ساتھ ہو میں نے جو کچھ لکھا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں انصاف کو مطلق دخل نہیں دیا گیا۔

میری زندگی گونا گوں انقلابات و تغیرات کا مجموعہ ہے جسے پیہم مصائب آلام کی آمیزش نے خدا جانے کیا۔ کیا بنا دیا ہے لیکن میں منہ بنانا کرونے بسور نے کو بالطبع سخت ناپسند کرتا ہوں۔ خود میں نے کہا ہے

جاں ہمہ غم ساختم، رقصم بہ عشق  
دل ہمہ خوں کردہ، خنداں میردم

بیشک جس طرح جذبات مسرت و انبساط فطرتی عطیات میں، اسی طرح جذبات غم و الم بھی۔ لیکن سچے رونے والے کہاں؟ الفاظ بیشک رونے والے صرف کئے جاتے ہیں لیکن دل ٹٹولے تو درد کا نام بھی نہیں۔

مشاقی کی بدولت الفاظ پر قدرت حاصل ہے، یا جو چاہو اور جس طرح چاہا کہہ دیا۔ زندگی کو شعر سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر سچے رونے والے ہوں بھی تاہم اس قسم کا ”شعر و ادب“ اولاً تو حیات قومی کے لئے ستم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ دویمش کامیاب رونا وہ رونا نہیں جس میں نسائیت و عمومیت پائی جاتی ہے۔ آپ میرے کلام میں بظاہر درد کا عنصر بہت کم پائیں گے۔ لیکن ذرا ٹھہر کر آپ اگر جذبات اور شعر کا جائزہ لیں گی تو ایک بہت ہی نازک سی موج درد ضرور محسوس کریں گے اور جس طرح میری زندگی تازہ بہ تازہ نوبہ نوا انقلابات و تغیرات کے ماتحت تبدیل ہوتی گئی۔ بعینہ اسی طرح رنگ کلام بھی تبدیل ہوتا گیا۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکا اور حافظہ نے مدد کی ”شعلہ طور“ کو مختلف ادوار میں تقسیم کر دیا۔ تاہم نظر ثانی کا محتاج رہ گیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسری اشاعت میں پورا لحاظ رکھا جائے گا۔





آتشِ گل

میں اپنے اس مجموعہ کلام کو قائد ملت مولوی بہادر خاں مرحوم  
سابق نواب بہادر یار جنگ کے نام نامی سے منسوب کرنا اپنا اخلاقی  
اور ادبی فرض تصور کرتا ہوں جو سراپا گداز، مجسم اخلاص، فقید المثال  
مقرر، کامیاب مصلح، اپنے وقت کے عظیم المرتبت خطیب اور ایک  
جری انسان تھے۔ جن کے گفتار و کردار میں کوئی تضاد نہ تھا۔

وہ بیک وقت تمام محاسن شعری کا احاطہ کر لیتے تھے۔ اور اچھے  
شعر سے اتنی شدت کے ساتھ متاثر ہوتے تھے کہ میں نے اپنی پوری  
زندگی میں ایسا کوئی دوسرا خوش مذاق نہیں دیکھا۔ خدائے رحمان  
ورجیم ان کی روح کو اپنا قرب خاص عطا فرمائے!

جگر مراد آبادی



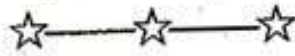
# غزلیات





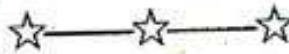
ہر حقیقت کو بانداز تماشا دیکھا  
جستجو میں تری یہ حاصل سودا دیکھا  
آئینہ خانہ عالم میں کہیں کیا دیکھا  
ہم نے ایسا نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا  
دل آگاہ میں کیا کہتے جگر، کیا دیکھا

کوئی شائستہ و شایانِ غم دل نہ ملا!  
ہم نے جس بزم میں دیکھا اُسے، تنہا دیکھا



یادش بخیر! جب وہ تصور میں آگیا  
جب عشق اپنے مرکزِ اصلی پہ آگیا  
جو دل کا راز تھا اُسے کچھ دل ہی پاگیا  
ناصحِ فسانہ اپنا ہنسی میں اڑا گیا  
اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل  
دل بن گیا نگاہ، نگہ بن گئی زباں

میرا کمالِ شعر بس اتنا ہے اے جگر!  
وہ مجھ پہ چھا گئے، میں زمانے پہ چھا گیا



کوئی جیتا، کوئی مرتا ہی رہا  
جمعِ خاطر کوئی کرتا ہی رہا  
غم وہ میخانہ، کمی جس میں نہیں  
حسن تو تھک بھی گیا، لیکن یہ عشق  
وہ مٹاتے ہی رہے، لیکن یہ دل  
دھڑکنیں دل کی سبھی کچھ کہہ گئیں

تم نے نظریں پھیر لیں، تو کیا ہوا؟  
دل میں اک نشتر اُترتا ہی رہا



وہی ہے آگ، مگر آگ میں دُھواں نہ رہا  
مگر وہ شیوہ فرسودہ بیاں نہ رہا  
خوشا وہ سجدہ جو محدود آستان نہ رہا!  
رہے گا کیا، جو یہ پردہ بھی درمیاں نہ رہا؟  
مری بلا سے، اگر میرا آشیاں نہ رہا  
کہ تیرے در کے سوا کوئی آشیاں نہ رہا

گدازِ عشق نہیں کم، جو میں جواں نہ رہا  
نہیں کہ دل مرا وقفِ غم نہاں نہ رہا  
رہے وہ شوق جو پابندایں و آل نہ رہا!  
حجابِ عشق کو، اے دل، بہت غنیمت جان  
چمن تو برقِ حوادث سے ہو گیا محفوظ  
جنونِ سجدہ کی معراج ہے یہی شاید

کمالِ قرب بھی شاید ہے عینِ بُعدِ جگر!  
جہاں جہاں وہ ملے، میں وہاں وہاں نہ رہا



موت آگئی کہ دوست کا پیغام آ گیا  
بے اختیار لب پہ ترا نام آ گیا  
شاید کہ دورِ بادۂ گلغام آ گیا  
اپنا وہی ہے، وقت پہ جو کام آ گیا  
سو بارِ حسن پر بھی یہ الزام آ گیا  
میں آ گیا کہ سایہ تہِ دام آ گیا  
کیا جانئے، غریب کہاں کام آ گیا  
اکثر ترے بغیر بھی آرام آ گیا

دل کو سکون، رُوح کو آرام آ گیا  
چب کوئی ذکر، گردشِ ایام، آ گیا  
غم میں بھی ہے سرور، وہ ہنگام آ گیا  
دیوانگی ہو، عقل ہو، اُمید ہو کہ یاس  
دل کے معاملات میں ناصح! شکست کیا؟  
صیادِ شادماں ہے، مگر یہ تو سوچ لے  
دل کو نہ پوچھ معرکہِ حسن و عشق میں  
یہ کیا مقامِ عشق ہے، ظالم کہ ان دنوں

احباب مجھ سے قطعِ تعلق کریں جگر  
اب آفتابِ زیت لبِ بام آ گیا

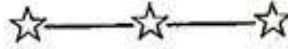


زندگی سے حُسن نکلا اور رُسوا ہو گیا  
بس کراے چشمِ پشیمان، کام اپنا ہو گیا  
جب یہ دل شائستہ عرضِ تمنا ہو گیا  
جس نے جو عالم بنا ڈالا، وہ اُس کا ہو گیا  
مسکرا کر تم نے دیکھا، دل تمہارا ہو گیا  
دیکھتا کیا ہوں، وہ تیرا ہی سراپا ہو گیا  
مرحبا، وہ جس کو تیرا غم گوارا ہو گیا  
دفعتا ہر ایک گل کا رنگ گہرا ہو گیا

شعر و نغمہ، رنگ و نکبت، جام و صہبا ہو گیا  
اور بھی آج، اور بھی ہر زخم گہرا ہو گیا  
اس کو کیا کیجئے، زبانِ شوق کو چپ لگ گئی  
اپنی اپنی وسعتِ فکر و یقین کی بات ہے  
ہم نے سینے سے لگایا، دل نہ اپنا بن سکا  
میں نے جس بُت پر نظر ڈالی جنونِ شوق میں  
اُٹھ سکا ہم سے نہ بارِ التفاتِ ناز بھی  
وہ چمن میں جس روش سے ہو کے گذرے بے نقاب



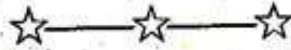
شش جہت آئینہ حسنِ حقیقت سے جگر  
قیں دیوانہ تھا، جو روئے لیلیٰ ہو گیا



رخصت اے دیر و حرم، دل کا مقام آہی گیا  
باش اے گروں کہ وقتِ انتقام آہی گی  
تو بہ جس سے کانپتی تھی، وہ مقام آہی گیا  
رفتہ رفتہ سامنے حسنِ تمام آہی گیا  
آخر آخر اک مقام بے مقام آہی گیا  
میں یہ سمجھا، جیسے مجھ تک دورِ جام آہی گیا  
ناگہاں آنکھوں کو اشکوں کا سلام آہی گیا  
ہو شیار اے عشق، وہ نازک مقام آہی گیا  
خود زمانہ بن کے تیغ بے نیام آہی گیا  
زندگی کو راسِ دردِ نا تمام آہی گیا  
بہکا بہکا سا مگر طرزِ کلام آہی گیا

زو بروئے دوست ہنگام سلام آہی گیا  
منتظر کچھ رند تھے جس کے وہ جام آہی گیا  
ہر نفس خود بن کے میخانہ بہ جام آہی گیا  
اللہ اللہ، یہ مری ترک و طلب کی وسعتیں!  
اوّل اوّل ہر قدم پر تھیں ہزاروں منزلیں  
التفاتِ چشمِ ساقی کی سبک تابی نہ پوچھ  
عشق کو تھا کب سے اپنی خشک دامانی کا رنج  
ہر نگہ پر بندشیں، ایک اک نفس کی پرش  
اہلِ دنیا اور کفرانِ زمانہ تا کیے؟  
شوق نے ہر چند صدہا تفرقے ڈالے، مگر  
صحبتِ رنداں سے داعظ کچھ نہ حاصل کر سکا

بے جگر سونا پڑا تھا مدتوں سے میکدہ  
پھر وہ دریا نوش، رندِ تشنہ کام آہی گیا



ہر سانس ہے پیغمبرِ اسرارِ محبت  
اچھے نظر آتے نہیں آثارِ محبت  
اظہارِ محبت! ارے اظہارِ محبت!  
اک یہ بھی ہے اندازِ فسوں کا محبت!  
دم لینے دے اے لذتِ آثارِ محبت  
اللہ رے، یہ شعلہٴ رخسارِ محبت!  
کونین ہے خود عاشیہ بردارِ محبت  
ایسا بھی کوئی جذبہٴ سرشارِ محبت  
دیکھے ہیں برستے ہوئے انوارِ محبت  
چہرے سے تو کھلتے نہیں آثارِ محبت  
تو، اور یہ احساسِ گراں بارِ محبت!

سینے میں اگر ہو دلِ بیدارِ محبت  
وہ بھی ہوئے جاتے ہیں طرفِ دارِ محبت  
ہشیار ہو، اے بے خودو سرشارِ محبت!  
تادیر نہ ہو دل بھی خبردارِ محبت  
توہینِ نگاہِ کرم یار کہاں تک؟  
سب بھونک دیئے خار و خسِ مذہب و ملت  
کونین سے کیا اہلِ محبت کو سروکار؟  
جو عرش کی رفعت کو بھی اُس در پہ ٹھکا دے  
میں نے انہیں تاریک فضاؤں میں بھی اکثر  
ناصح کو ہے کیوں مہری محبت سے سروکار؟  
میں اور یہ عملکینِ غمِ عشق، ارے توبہ!

اب عرضِ محبت کی جگر کیوں نہیں جرات  
وہ سامنے ہیں، گرم ہے بازارِ محبت



غم ہے کیا زینہٴ صفات و ذات  
نغمہٴ آرزو و رقصِ حیات!  
تو محبت کو لازوال بنا  
ہم نے دیکھے ہیں جاگتے ہوئے دل  
آرزو ہر نفسِ حیات و مرگ  
باتوں باتوں میں آج تو سرِ بزم  
آپ جو کچھ کہیں بجا، لیکن  
خُسن ہی خُسن، جلوہ ہی جلوہ  
عشق وہ تشنہٴ کام ہے کہ جسے  
اے کمالِ سخن کے دیوانے  
”ماورائے سخن بھی ہے اک بات“



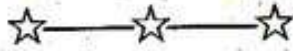
تیرا تصور شب ہمہ شب  
دعویٰ شوق اور شکوہ بلب  
باتیں ہیں دو مقصود ہے ایک  
آ ہی گیا اک مستِ شباب  
خُسنِ کمال، جذب و گریز  
بیت گئی جو دل پہ نہ پوچھ  
ترکِ طلب اور اطمینان  
خلوتِ غم بھی بزمِ طرب  
شرم! دلِ آرام طلب  
تیری طلب یا اپنی طلب  
شیشہٴ بدست و نغمہٴ بلب  
عشقِ مسلسل، ترک و طلب  
ہجر کی شب اور آخرِ شب  
دیکھ تو میرا خُسنِ طلب  
ہائے وہ دردِ دل کہ جگر  
کچھ نہیں کھلتا جس کا سبب



پرائے ہاتھوں چینے کی ہوس کیا؟  
مکان و لامکان سے بھی گذر جا  
نشیم ہی نہیں تو پھر قفس کیا؟  
فضائے شوق میں پروازِ خس کیا؟



کرم صیاد کے صدا ہیں، پھر بھی  
 محبت سرفروشی، جاں سے پیاری  
 اجل خود زندگی سے کانپتی ہے  
 زمانے پر قیامت بن کے چھا جا  
 قفس سے ہے اگر بیزار تلبلیں  
 فرایغ خاطر اہل قفس کیا؟  
 محبت میں خیال پیش و پس کیا؟  
 اجل کی زندگی پر دسترس کیا؟  
 بنا بیٹھا ہے طوفاں در نفس کیا؟  
 تو پھر یہ شغلِ تزیینِ قفس کیا؟  
 لہو آتا نہیں کھنچ کر مڑہ تک  
 نہ آئے گی بہار آب کے برس کیا؟

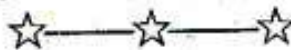


یک لمحہ خوشی کا جب انجام نظر آیا!!  
 یہ کون تصور میں ہنگام سحر آیا؟  
 خیر اُس کو نظر آیا، شر اُس کو نظر آیا  
 اُس بزم سے دل لے کر کیا آج اثر آیا؟  
 اُس جانِ تغافل نے پھر یاد کیا شاید  
 گلشن کی تباہی پر کیوں رنج کرے کوئی؟  
 شبنم کو ہنسی آئی، دل غنچوں کا بھر آیا  
 محسوس ہوا جیسے خود عرش اتر آیا  
 آئینے میں خود عکس آئینہ نگر آیا  
 ظالم جسے سمجھے تھے، مظلوم نظر آیا  
 پھر عہدِ محبت کا ہر نقش نظر آیا  
 الزام جو آنا تھا دیوانوں کے سر آیا  
 یہ محفل ہستی بھی کیا محفلِ ہستی ہے!  
 جب کوئی اٹھا پردہ، میں خود ہی نظر آیا



دنیا کے ستم یار، نہ اپنی ہی وفا یاد  
 میں شکوہ بلب تھا، مجھے یہ بھی نہ رہا یاد  
 چھیڑا تھا جسے پہلے پہل تیری نظر نے  
 جب کوئی حسیں ہوتا ہے سرگرم نوازش  
 کیا جائے، کیا ہو گیا اربابِ جنوں کو  
 مدت ہوئی اک حادثہٴ عشق کو، لیکن  
 ہاں ہاں، تجھے کیا کام مری شدتِ غم سے؟  
 میں ترکِ رہ و رسمِ جنوں کر ہی چکا تھا  
 اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد  
 شاید کہ مرے بھولنے والے نے کیا یاد  
 اب تک ہے، وہ اک نغمہ بے ساز و صدا یاد  
 اس وقت وہ کچھ اور بھی آتے ہیں سوا یاد  
 مرنے کی ادا یاد نہ جینے کی ادا یاد  
 اب تک ہے، ترے دل کے دھڑکنے کی صدا یاد  
 ہاں ہاں، نہیں مجھ کو ترے دامن کی ہوا یاد  
 کیوں آگئی ایسے میں تری لغزشِ پایاد؟

کیا لطف کہ میں اپنا پتہ آپ بتاؤں  
 کیجئے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد



شہد و ساقی و بہار سے دُور  
تخت سے، تاج و تاجدار سے دُور  
ہے خزاں اپنی ہر خزاں سے جُدا  
سَم و بَورِ آسماں سے الگ  
خطرہ موت اب، نہ فکرِ حیات  
پرتو حُسن ذات سے نزدیک  
اک حقیقت، خیال سے برتر  
عشق ہے اُس مقام پر کہ جہاں  
حُسن ہے نقصِ اعتبار سے دُور



نغمہ ترا نفسِ نفس، جلوہ ترا نظرِ نظر  
بن گئی مستقلِ عذاب، جان خرابِ شوق پر  
ترا خلوصِ دلبری، جان نہ ڈال دے اگر  
معرفتِ جمال میں، کام نہ آئے بال و پر  
باہمہ ذوقِ آگہی، ہائے رے پستی بشر!  
دیکھا ہے اک جہاںِ خاص، میں نے کبھی کبھی جگر  
شورشِ درد، الاماں! گردشِ دہر، الحذر!  
آ، مری جانِ انتظار، آمرے آفتابِ شوق  
عرضِ نیازِ عشق کا چاہیے اور کیا صلہ؟  
لاکھ بیانِ دردِ دل، اک وہ تبسمِ حزیں  
مجھ سے کسی کو کام کیا، میرا کہیں قیام کیا؟  
حُسن سے جو نہ ہو سکا، کر گئی حُسن کی اک آہ

اے مرے شہدِ حیات اور ابھی قریب تر  
خود مری کاوشِ نگاہ، خود مری فکرِ پردہ در  
نالہ بھی میرا مضمحل، نغمہ بھی میرا بے اثر  
عقل کہیں پہ گر پڑی، چھوٹ گئی کہیں نظر  
سارے جہاں کا جائزہ، اپنے جہاں سے بے خبر  
حُسن سے بھی بلند تر، عشق سے بھی لطیف تر  
بہکے ہوئے سے قافلے، سہمی ہوئی سی رہ گذر  
تیرے بغیر زندگی، کب سے ہے شام بے سحر  
میں نے کہا بہ چشمِ نم، اُس نے سنا بہ چشمِ تر  
لاکھ فسانہ ہائے شوق، اک وہ نگاہِ مختصر!  
میرا سفر ہے در وطن، میرا وطن ہے در سفر  
عشق نے توڑ دی کمان، عقل نے ڈال دی سپر

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمتِ شب جہاں جہاں  
ایک طلوعِ آفتاب، دشت و چمن سحر سحر



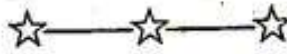
حسینِ دل، تبسمِ نگاہِ پیدا کر  
جسے ہوئے زمانہ کبھی بچھا نہ سکے  
پھر اک لطیف سی خاموش آہ پیدا کر  
قدم قدم پہ وہ اک شمعِ راہ پیدا کر



خلوصِ عشق و یقینِ حیات کے ہمراہ جنونِ شوق و فسوںِ نگاہ پیدا کر  
 رگوں میں بھر کے فروغِ جمالِ اِلَّا اللہ نظر میں شعلگی لا الہ پیدا کر  
 یہی زمیں ترا مسکن، یہی ترا مدفن  
 اسی زمین سے تو مہر و ماہ پیدا کر!



تری رحمتِ خطا بخش و خطا پوش مری جراتِ خطا کار و خطا کوش  
 ہوا جاتا ہے دل پیاں فراموش کہاں سے، اے جنونِ خانہ بردوش؟  
 یہ کہہ کر ہو گیا دیوانہ خاموش سلامِ آخری، اے بختِ ہوش!  
 خبر لے اپنی اے غارت گر ہوش ہوا جاتا ہے تو بھی خود فراموش!  
 نہ پہنچی آج دامن تک کسی کے بڑا احساں ترا، اے سوزِ خاموش!  
 یہ اعجازِ نگاہِ نازِ ساقی! مری ہستی ہمہ مستی، ہمہ ہوش!  
 اسی کو بڑھ کے ہوتا ہے قیامت سلامت باکرامت فتنہ ہوش  
 ہمیں شکوے تھے کیا کیا اُن سے لیکن  
 ہمیں ثابت ہوئے احساں فراموش



وہ احساںِ شوقِ جواں اوّل اوّل وہ اک عالمِ گلفشاں اوّل اوّل  
 وہ خود ساختہ اک طلسمِ حتمتا وہ تالیف و تصنیفِ جاں اوّل اوّل  
 وہ موہوم سا اک جہانِ محبت وہ مبہم سی اک داستاں اوّل اوّل  
 تخیل میں رنگینیاں رفتہ رفتہ تصور میں تصویرِ جاں اوّل اوّل  
 وہ اک گلفتِ شادماں تازہ تازہ وہ اک عشرتِ سرگراں اوّل اوّل  
 مجسم و تعبیرِ خوابِ محبت! وہ نظارہٴ ناگہاں اوّل اوّل  
 وہ اک پیکرِ حُسنِ معصوم و سادہ وہ اک جلوۂ بے اماں اوّل اوّل  
 تکلم میں بے ربط سا اک تسلسلِ خموشی میں حُسنِ بیاں اوّل اوّل

جگر آہ انجام و آغازِ اُلفت

سکوتِ آخرِ آخر، فغاںِ اوّل اوّل



محبت میں جگر گزرے ہیں ایسے بھی مقامِ اکثر کہ خود لینا پڑا ہے اپنے دل سے انتقامِ اکثر

کہاں حُسنِ تمام یار و تکلیفِ کرم کوشی؟  
 مری رندی بھی کیا رندی، مری مستی بھی کیا مستی؟  
 بدلی دیتی ہے دُنیا اک نگاہِ ناتمام اکثر  
 میری توبہ بھی بن جاتی ہے میخانہِ بجام اکثر  
 محبت نے اسے آغوش میں بھی پالیا آخر  
 تصویر ہی میں رہتا تھا جو اک محشرِ خرام اکثر  
 جگر ایسا بھی دیکھا ہے کہ ہنگامِ سیہ مستی  
 نظر سے چھپ گئے ہیں ساقی و مینا و جام اکثر



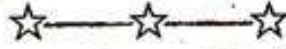
اللہ رے اس گلشنِ ایجاد کا عالم!  
 اُف رنگِ رُخِ بانیِ بیدار کا عالم!  
 جو صید کا عالم، وہی صیاد کا عالم  
 جیسے کسی مظلوم کی فریاد کا عالم  
 کیا جانئے، کیا ہے دلِ ناشاد کا عالم!  
 جلاد سے پوچھے کوئی جلاد کا عالم  
 تیرا ہی تو عالم ہے، تری یاد کا عالم  
 عالم تو ہے صرف اک مری افتاد کا عالم  
 کہتے ہیں کے نکہتِ برباد کا عالم  
 کیوں آتشِ گل میرے نشیمن کو جلائے  
 تنکوں میں ہے خود برقی چمن زاد کا عالم



حُسنِ کافرِ شباب کا عالم  
 عرقِ آلودِ چہرہِ تاباں  
 سر سے پا تک شراب کا عالم  
 شبنم و آفتاب کا عالم  
 کچھ حیا، کچھ عتاب کا عالم  
 شوخیوں میں حجاب کا عالم  
 ہمہ حسن و شباب کا عالم  
 وہ شبِ ماہتاب کا عالم!  
 زگسِ نیمِ خواب کا عالم!  
 یک بیک اجتناب کا عالم  
 ایک سادہ جواب کا عالم  
 دل کا عالم، حجاب کا عالم  
 اک شکستہ رُباب کا عالم  
 حُسنِ کافرِ شباب کا عالم  
 عرقِ آلودِ چہرہِ تاباں  
 وہ مری عرضِ شوقِ بے حد پر  
 اللہ اللہ وہ امتزاجِ لطیف!  
 ہمہ نُور و سرور کی دُنیا  
 وہ لبِ جُوئے بار و موسمِ گل!  
 زانوئے شوق پر وہ پچھلے پیر  
 دیر تک اختلاطِ راز و نیاز  
 لاکھ رنگیں بیانوں پہ مری  
 غم کی ہر موج، موجِ طوقاں خیز  
 دلِ مطرب سمجھ سکے، شاید



وہ سماں آج بھی ہے یاد جگر  
ہاں مگر جیسے خواب کا عالم



جنوں کم، جستجو کم، تشنگی کم . نظر آئے نہ کیوں دریا بھی شبنم  
بجھ اللہ! تو ہے جس کا ہدم توجہ بے نہایت اور نظر کم  
مری آنکھوں نے دیکھا ہے وہ عالم خطا کیونکر نہ ہوتی عافیت سوز؟  
خوشا یہ نسبتِ حسن و محبت! وہ اک حسن سراپا، اللہ اللہ!  
کہاں پہلوئے خورشید جہاں تاب کہاں اک نازیں دوشیزہ شبنم!

مُرت، زندگی کا دوسرا نام  
مُرت کی تمنا، مستقبلِ غم



رکھتے ہیں خضر سے، نہ غرض رہنما سے ہم چلتے ہیں بچ کے دُور ہر اک نقشِ پا سے ہم  
مانوس ہو چلے ہیں جو دل کی صدا سے ہم شاید کہ جی اٹھے تری آوازِ پا سے ہم  
یا رب! نگاہ شوق کو دے اور وسعتیں گھبرا اٹھے جمالِ جہت آشنا سے ہم  
مخصوص کس کے واسطے ہے رحمت تمام پوچھیں گے ایک دن یہ کسی پارسا سے ہم  
او مسّتِ نازِ حسن! تجھے کچھ خبر بھی ہے؟ تجھ پر نثار ہوتے ہیں کس کس ادا سے ہم

یہ کون چھا گیا ہے دل و دیدہ پر کہ آج  
اپنی نظر میں آپ ہیں نا آشنا سے ہم



یہ ڈرے جن کو ہم خاک رہ منزل سمجھتے ہیں زبانِ حال رکھتے ہیں، زبانِ دل سمجھتے ہیں  
جسے سب لوگ حسن و عشق کی منزل سمجھتے ہیں بلند اس سے بھی ہم اپنا مقام دل سمجھتے ہیں  
حقیقت میں جو رازِ دُوری منزل سمجھتے ہیں انہیں کو ہم سلوکِ عشق میں کامل سمجھتے ہیں  
ہمیں وہ کیوں جفائے خاص کے قابل سمجھتے ہیں؟ یہ رازِ دل ہے، اس کو محرمانِ دل سمجھتے ہیں  
اسی اک جرم پر اغیار میں برپا قیامت ہے کہ ہم بیدار ہیں اور اپنا مستقبل سمجھتے ہیں

نگاہوں میں کچھ ایسے بس گئے ہیں حُسن کے جلوے  
 کوئی مانے نہ مانے اس کو، لیکن یہ حقیقت ہے  
 یہ بزم و ناتواں موجیں خودی کا راز کیا جانیں؟  
 حکومت کے مظالم جب سے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں  
 کوئی محفل ہو، لیکن ہم تری محفل سمجھتے ہیں  
 ہم اپنی زندگی میں غیب کو شامل سمجھتے ہیں  
 قدم لیتے ہیں طوفاں، عظمتِ ساحل سمجھتے ہیں  
 جگر ہم بمبئی کو کوچہ قاتل سمجھتے ہیں

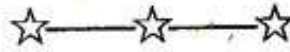


یہ تو نہیں کہ عرضِ غم در خورِ اعتنا نہیں  
 نالہ جاں فروز با نغمہ غم فزا نہیں  
 پیش نظر ہے حُسنِ دوست، حُسن کے ماسوا نہیں  
 غیر نے کچھ اگر کہا، رنج کرے تری بلا  
 بیٹھے ہیں بزمِ دوست میں گم شدگانِ حُسنِ دوست  
 پینے سے کام ہے ہمیں میکدہ حیات میں  
 پھول وہی، چمن وہی، فرق نظر نظر کا ہے  
 پھر یہ جدائیاں ہیں کیوں، پھر یہ دُہائیاں ہیں کیا؟  
 اے مرے مقصدِ حیات! گوشہ چشمِ التفات  
 اُف یہ کرشمہ کاریاں ہائے یہ ربطِ حُسن و عشق!

حُسن کو لیکن اے جگر فرصت ماسوا نہیں  
 اے دلِ فتنہ آفریں! تُو ہے اگر، تو کیا نہیں  
 عشق میں بتلا ہوں میں شرک میں بتلا نہیں  
 تو ہی جو باوفا نہیں، کوئی بھی باوفا نہیں  
 عشق ہے اور طلب نہیں، نغمہ ہے اور صدا نہیں  
 ظرفِ جدا جدا سہی، اصلِ جدا جدا نہیں  
 عہدِ بہار میں تھا کیا، دور خزاں میں کیا نہیں؟  
 عشق سے تُو الگ نہیں، حُسن سے میں جدا نہیں  
 ایک نگہ تو ہے بہت، نیم نگہ میں کیا نہیں؟  
 مجھ پہ کوئی نظر نہیں، تیری کوئی خطا نہیں

خشک نہ لب نہ آنکھ تر، واہ رے حضرتِ جگر!

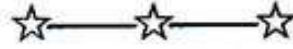
جیسے کہ دُور کا بھی اب عشق سے واسطہ نہیں



مقاماتِ اربابِ جاں اور بھی ہیں  
 مکمل نہیں ہے جُونِ بھس  
 یہیں تک نہیں عشق کی سیر گاہیں  
 محبت کی منزل ہی شاید نہیں ہے  
 محبت نہیں صرف مقصودِ انساں  
 قفس توڑ کر مطمئن ہو نہ بلبل!  
 بہت دل کے حالات کہنے کے قابل  
 نہیں منحصر کچھ مے و میکدہ تک  
 خوشا درسِ غیرت، زہے عشقِ تنہا!  
 مکاں اور بھی، لامکاں اور بھی ہیں  
 مسلسل جہاں در جہاں اور بھی ہیں  
 مہ و انجم و کہکشاں اور بھی ہیں  
 کہ جب دیکھئے اہتماں اور بھی ہیں  
 محبت میں کارِ جہاں اور بھی ہیں  
 قفس صورتِ آشیاں اور بھی ہیں  
 درائے نگاہ و زباں اور بھی ہیں  
 مری تشنہ سامانیاں اور بھی ہیں  
 وہاں میں نہیں ہوں، جہاں اور بھی ہیں



صبا! خاکِ دل سے بچا اپنا دامن ابھی اس میں چنگاریاں اور بھی ہیں  
 انہیں جس سے ہے اعتمادِ محبت  
 وہ مجھ سے جگرِ بدگماں اور بھی ہیں



دل میں کسی کے راہ کئے جا رہا ہوں میں  
 دنیائے دل تباہ کئے جا رہا ہوں میں  
 فردِ عمل سیاہ کئے جا رہا ہوں میں  
 ایسی بھی اک نگاہ کئے جا رہا ہوں میں  
 مجھ سے لگے ہیں عشق کی عظمت کو چار چاند  
 دفتر ہے ایک معنی بے لفظ و صوت کا  
 آگے قدم بڑھائیں، جنہیں سُوجھتا نہیں  
 معصومی جمال کو بھی جن پہ رشک ہے  
 تنقیدِ حسنِ مصلحتِ خاصِ عشق ہے  
 اٹھتی نہیں ہے آنکھ مگر اُس کے زویر و  
 گلشن پرست ہوں، مجھے گل ہی نہیں عزیز  
 یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر!

مجھ سے ادا ہوا ہے جگرِ جستجو کا حق  
 ہر ذرے کو گواہ کئے جا رہا ہوں میں



بے کیف ہے دل اور جئے جا رہا ہوں میں  
 پیہم جو آہ آہ کئے جا رہا ہوں میں  
 مجبوری کمالِ محبت تو دیکھنا!  
 وہ دل کہاں ہے اب کہ جسے پیار کیجئے  
 رخصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی  
 خالی ہے شیشہ اور پئے جا رہا ہوں میں  
 دولت ہے عم، زکوٰۃ دیئے جا رہا ہوں میں  
 جینا نہیں قبول، جئے جا رہا ہوں میں  
 مجبوریاں ہیں، ساتھ دیئے جا رہا ہوں میں  
 کہنے کی بات ہے کہ جئے جا رہا ہوں میں

پہلے شرابِ زیست تھی، اب زیست ہے، شراب  
 کوئی پلا رہا ہے، پئے جا رہا ہوں میں



جو سرتوں میں خلش نہیں، جو اذیتوں میں مزا نہیں  
 ترے حُسن کا بھی قصور ہے، مرے عشق ہی کی خطا نہیں  
 مرے جذبِ عشق پہ رحمتیں، مجھے بے بسی کا گلا نہیں  
 ترے جبرِ حُسن کی خیر ہو، مرے اختیار میں کیا نہیں؟  
 مرا ذوق بھی، مرا شوق بھی، ہے بلندِ سطحِ عوام سے  
 ترا ہجر بھی، ترا وصل بھی، مرے دردِ دل کی دوا نہیں  
 جسے میں بھی خود نہ بتا سکا، مرا رازِ دل ہے وہ رازِ دل  
 جسے غیر دوست سمجھ سکے مرے ساز میں وہ صدا نہیں  
 مرا نالہ ہو شربا ہو کیا، مرا نغمہ رُوحِ فزا ہو کیوں؟  
 کہ چمن میں پھول تو ہیں وہی، مگر ان میں یوئے وفا نہیں  
 یہ طریقِ عہد ہے خوب تر، مگر آہِ واعظِ بے خبر!  
 اسے ساز گار ہو زُہد کیا، جسے معصیت بھی روا نہیں؟  
 مرے درد میں یہ خلش کہاں، مرے سوز میں یہ تپش کہاں؟  
 کسی اور ہی کی پکار ہے، مری زندگی کی صدا نہیں  
 وہ ہزار دشمنِ جاں سہی، مجھے غیر پھر بھی عزیز ہے  
 جسے خاکِ پا تری چھو گئی، وہ بُرا بھی ہو تو بُرا نہیں  
 وہی ربطِ عشق و جمال ہے، ترا اور کچھ جو خیال ہے  
 یہ سمجھ، تجھی میں ہے کچھ کمی، یہ نہ کہہ کہ جنسِ وفا نہیں  
 وہی میں ہوں اور وہی انجمن، مگر آج ہے مرا حال کیا  
 یہ گمان ہے کہ حقیقتاً کوئی اور تیرے سوا نہیں  
 مرے شعر میں ہیں نزاکتیں، مری نظم میں ہیں لطافتیں  
 مری فکر میں کہیں اے جگر! ادبِ کثیف کی جا نہیں



اُس رُخ پہ ازدحامِ نظر دیکھتا ہوں میں      کانٹوں کی گود میں گلِ تر دیکھتا ہوں میں  
 سعیِ مآلِ فکر و نظر دیکھتا ہوں میں!      منزلِ رواں دواں ہے، جدھر دیکھتا ہوں میں  
 تاثیرِ التفاتِ نظر دیکھتا ہوں میں      کونین اپنے زیرِ اثر دیکھتا ہوں میں  
 خود جس میں آرزوئے شکستِ غرور ہے      ایسی بھی آج ایک نظر دیکھتا ہوں میں



رعبِ جمال و جذبِ محبت تو دیکھنا  
 تنہا نہیں ہے عشق ہی رسوائے جستوا!  
 اللہ رے کمالِ خودی کی یہ وسعتیں!  
 اے عشق شادِ باش کہ آج ان کو بار بار  
 محوِ خرامِ ناز ہیں صحنِ چمن میں وہ  
 میرا مقامِ عشقِ فنا نہیں  
 کستانی نسیمِ سحر دیکھتا ہوں میں  
 دُنیائے زندگی ہے، جدھر دیکھتا ہوں میں  
 شاید انہیں بھی اس کی خبر ہو نہ اے جگر!

در پردہ نظر جو نظر دیکھتا ہوں میں



جو عشقِ معتبر یہ کسی کو خبر نہیں  
 سنجیدگی ہزار ہو، غم سے مفر نہیں  
 دنیا کو دیکھ دیدہ روشن نگاہ سے  
 جو ہر نفس کے ساتھ نہ لائے پیامِ دوست  
 یہ شرمگین نگاہ، یہ انکارِ مضحل  
 وہ کون سا ہے جلوہ، مکرر کہیں جسے؟  
 طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگر!  
 ایسا بھی حسن ہے جو بقیدِ نظر نہیں  
 دریا اسی میں بند ہے، جو آنکھ تر نہیں  
 فردوسِ زندگی ہے، وبالِ نظر نہیں  
 ہرگز وہ میری شام، وہ میری سحر نہیں  
 پھر کیا ہے، اعترافِ محبت اگر نہیں؟  
 وہ کونسی نظر ہے جو پہلی نظر نہیں؟  
 ایسی بھی کونسی شام ہے جس کی سحر نہیں؟

بھوپال اگرچہ خلد بدامن ہے، اے جگر!

دل کیا شگفتہ ہو کہ نسیمِ جگر نہیں



محبت میں یہ کیا مقام آرہے ہیں!  
 یہ کہہ کہہ کے ہم دل کو بہلا رہے ہیں  
 وہ از خود ہی نادم ہوئے جا رہے ہیں  
 ہمارے ہی دل سے مزے اُن کے پوچھو  
 جفا کرنے والوں کو کیا ہو گیا ہے؟  
 وہ عالم ہے اب، یارو اغیار کیسے،  
 کہ منزل پہ ہیں اور چلے جا رہے ہیں  
 وہ اب چل چکے ہیں، وہ اب جا رہے ہیں  
 خدا جانے، کیا کیا خیال آرہے ہیں!  
 وہ دھوکے جو دانستہ ہم کھا رہے ہیں  
 وفا کر کے بھی ہم تو شرما رہے ہیں  
 ہمیں اپنے دشمن ہوئے جا رہے ہیں

مزاجِ گرامی کی ہو خیر، یا رب!  
کئی دن سے اکثر وہ یاد آ رہے ہیں



کہاں کے لالہ و گل، کیا بہارِ توبہ شکن  
یہ کس غضب کی محبت نے ڈال دی اُبھرن  
خلوصِ شوق، نہ جوشِ عمل، نہ دردِ وطن  
جمال اس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن  
وطن ہی جب نہیں اپنا تو پھر کہاں کا وطن؟  
غضب ہے، قہر ہے، انسان کی یہ بواجبی  
یہ مرحلہ بھی مری حیرتوں نے دیکھ لیا  
مرا شعورِ محبت ہے کس لئے ہمہ گوش؟  
ابھی ہے دل کو مقامِ سپردگی سے گریز  
بہ ہوش باش کہ وہ انقلاب آپہنچا  
خردِ حقیقتِ چالاک و پخت و مستِ خرام  
حضورِ دوست یہی جرمِ زندگی نکلا!  
جنوں کی بے سرو سامانیوں پہ رنج نہ کر  
جہانِ حُسن کو بھی جس نے کر دیا بیدار  
ہر ایک لحظہ ہے در پیش کارزارِ حیات  
وہی ہے رُوحِ محبت، وہی ہے جسمِ وفا

مقامِ عشق کی نیرنگیاں نہ پوچھ جگر  
کمالِ آگہی و سخت آگہی دشمن



اللہ اگر توفیق نہ دے، انسان کے بس کا کام نہیں  
فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں  
یہ تو نے کہا کیا اے ناداں، فیاضی قدرت عام نہیں؟  
تو فکر و نظر تو پیدا کر، کیا چیز ہے جو انعام نہیں؟  
یارب! یہ مقامِ عشق ہے کیا؟ گودیدہ و دل ناکام نہیں



تسکین ہے اور تسکین نہیں، آرام ہے اور آرام نہیں  
کیوں مست و شرابِ عیش و طرب تکلیف توجہ فرمائیں؟

آوازِ شکستِ دل ہی تو ہے، آوازِ شکستِ جام نہیں  
آنا ہے جو بزمِ جاناں میں، پندارِ خودی کو توڑ کے!

اے ہوش و خرد کے دیوانے! ہاں ہوش و خرد کا نام نہیں!  
زاہد نے کچھ اس انداز سے پی، ساقی کی نگاہیں پڑے لگیں

مے کش یہی اب تک سمجھے تھے شائستہ دردِ جام نہیں  
عشق، اور گوارا خود کر لے بے شرطِ شکستِ فاش اپنی

دل کی بھی کچھ ان کے سازش ہے، تنہا یہ نظر کا کام نہیں  
سب جس کو اسیری کہتے ہیں، وہ تو ہے اسیری ہی، لیکن  
وہ کوئی آزادی ہے یہاں، جو آپ خود اپنا دام نہیں؟



اب لفظ بیاں سب ختم ہوئے، اب دیدہ و دل کا کام نہیں  
اب عشق ہے خود پیغام اپنا، اب عشق کا کچھ پیغام نہیں  
اللہ کے علم و حکمت کے محدود اگر اکرام نہیں

ہر سانس کے آنے جانے میں کیا کوئی نیا پیغام نہیں؟  
ہر خلدِ تمنا پیشِ نظر، ہر جنتِ نظارہ حاصل

پھر بھی ہے وہ کیا شے سینے میں، ممکن ہی جسے آرام نہیں؟  
یہ حسن ہے کیا، یہ عشق ہے کیا، کس کو ہے خبر اس کی؟ لیکن

بے جامِ ظہورِ بادہ نہیں، بے بادہ فروغِ جام نہیں  
زاہد ترے ان سجدوں کے عوض، سب کچھ ہو مبارک تجھ کو مگر

وہ سجدہ یہاں ہے گفرِ جبین، جو سجدہ کہ خود انعام نہیں  
دنیا یہ دکھی ہے پھر بھی مگر، تھک کر ہی سہی، سو جاتی ہے

تیرے ہی مقدر میں اے دل، کیوں چین نہیں، آرام نہیں  
اک شاہد و معنی و صورت کے ملنے کی تمنا سب کو ہے

ہم اس کے نہ ملنے پر ہیں فدا، لیکن یہ مذاق عام نہیں

پینے کو تو سب پیتے ہیں جگر میخانہ فطرت میں، لیکن  
محروم نگاہ سانی ہے، وہ رند جو، درد آشام نہیں



علم و حکمت، علم و حکمت ہی نہیں  
وہ محبت، وہ عداوت ہی نہیں  
سینہ آہن بھی تھا جس سے گداز  
آدمی کے پاس سب کچھ ہے، مگر  
زندگی میں اب صداقت ہی نہیں  
اب دلوں میں وہ حرارت ہی نہیں  
ایک تنہا آدمیت ہی نہیں  
گھٹ کے رہ جائے، وہ نکبت ہی نہیں  
حسن معنی بھی ہے، صورت ہی نہیں  
حسن کو سمجھا ہے کیا، اے بو الہوس!

صرف تقالی ہے مغرب کی جگر  
شعر میں اب مشرقیت ہی نہیں!



بے ربط حسن و عشق یہ کیف و اثر کہاں؟  
تیرے بغیر رونق دیوار و در کہاں؟  
کیا جانئے، خیال کہاں ہے، نظر کہاں!  
ہر جلوہ جمال ہے برق گریز پا  
مانا کہ محتسب بھی بڑا با شعور ہے  
مل کر ہجوم جلوہ میں خود جلوہ بن گئی  
آج اس کی مہمان ہے، کل اس کی مہماں  
کہنے کو اہل علم کی کوئی کمی نہیں!  
ترک تعلقات کو مدت گذر چکی  
ہر اعتبار دوست پہ صدقے ہزار جان  
عرصہ ہوا کہ رسم محبت بدل گئی!  
ہر گام پر ہے منزل نو جستجو طلب  
صد عشرت نگاہ مسلسل خوشا نصیب!  
تھی زندگی عزیز، مگر اس قدر کہاں؟  
شام و سحر کا نام ہے، شام و سحر کہاں؟  
تیری خبر کے بعد پھر اپنی خبر کہاں؟  
اے دل! یہاں تجلّی بارِ دگر کہاں؟  
لیکن اسے نزاکتِ غم کی خبر کہاں؟  
پہنچا ہے کس جگہ سے مقامِ نظر کہاں؟  
اس خانماں خرابِ محبت کا گھر کہاں؟  
لیکن خود اپنی فکر، خود اپنی نظر کہاں؟  
ظالم ترے خیال سے پھر بھی مُفر کہاں؟  
لیکن وہ کیفِ وعدہ نامعتبر کہاں؟  
دامن سے وہ معاملہ چشم تر کہاں؟  
جاتا ہے سر اٹھائے ہوئے بے خبر کہاں؟  
لیکن لطافتِ نگہ مختصر کہاں؟

ہر چند کائنات دو عالم میں، اے جگر!  
انساں ہی ایک چیز ہے، انساں مگر کہاں؟





عشق کی بربادیوں کو رائیگاں سمجھا تھا میں  
 بے حجابی کو حجابِ درمیاں سمجھا تھا میں  
 ہر نگہ کو طبعِ نازک پر گراں سمجھا تھا میں  
 شاد باش و زندہ باش اے عشق خود سودائے من  
 کیا خبر تھی، خود وہ نکلیں گے برابر کے شریک؟  
 یاد لیاے کہ جب ذوقِ طلبِ کامل نہ تھا  
 آدمی کو آدمی سے بعد، وہ بھی کس قدر!  
 کیا بتاؤں کس قدر زنجیرِ پا ثابت ہوئے  
 زندگی نکلی مسلسل امتحان در امتحان  
 اس گھڑی کی شرم رکھ لے، اے نگاہِ نازِ دوست  
 میری ہی زوداد ہستی تھی مرے ہی سامنے

پردہ اٹھا تو وہی صورت نظر آئی جگر

مَدّتوں رُوح القدس کو ہم زباں سمجھا تھا میں



سبھی اندازِ حُسن پیارے ہیں  
 اُس کی راتوں کا انتقام نہ پوچھ  
 اے سہاروں کی زندگی والو،  
 لالہ و گل سے تجھ کو کیا نسبت؟  
 ہم تو اب ڈوب کر ہی ابھریں گے  
 شبِ فرقت بھی جگمگا اٹھی  
 آتشِ عشق وہ جہنم ہے  
 وہ ہمیں ہیں کہ جن کے ہاتھوں نے

ہم مگر سادگی کے مارے ہیں  
 جس نے ہنس ہنس کے دن گزارے ہیں  
 کتنے انساں بے سہارے ہیں!  
 ناممکن سے استعارے ہیں!  
 وہ رہیں شاد، جو کنارے ہیں  
 اشکِ غم ہیں کہ ماہ پارے ہیں  
 جس میں فردوس کے نظارے ہیں  
 گیسوئے زندگی سنوارے ہیں

حُسن کی بے نیاز یوں پہ نہ جا!

بے اشارے بھی کچھ اشارے ہیں



یہ صحنِ درویش، یہ لالہ و گل، ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں

تخریبِ جنوں کے پردے میں تعمیر کے سماں ہوتے ہیں

منڈلائے ہوئے جب ہر جانب طوفاں ہی طوفاں ہوتے ہیں  
دیوانے کچھ آگے بڑھتے ہیں اور دست و گریباں ہوتے ہیں  
اس جہد و طلب کی دُنیا میں کیا کارِ نمایاں ہوتے ہیں!  
ہم صرف شکایت کرتے ہیں، وہ صرف پشیمان ہوتے ہیں  
بیدار عزائم ہوتے ہیں، اسرارِ نمایاں ہوتے ہیں  
جتنے وہ ستم فرماتے ہیں، سب عشق پہ احساں ہوتے ہیں  
رندوں نے جو چھیڑا زاہد کو، ساقی نے کہا کس طنز سے آج!  
اوروں کی وہ عظمت کیا جانیں، کم ظرف جو انساں ہوتے ہیں  
تُو خوش ہے کہ تجھ کو حاصل ہیں، میں خوش کہ مرے حصے میں نہیں  
وہ کام جو آساں ہوتے ہیں، وہ جلوے جو ارزاں ہوتے ہیں  
اَسودہ ساحل تو ہے مگر، شاید یہ تجھے معلوم نہیں  
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں  
یہ خون جو ہے مظلوموں کا، ضائع نہ ہو جائے گا، لیکن  
کتنے وہ مبارک قطرے ہیں جو صرف بہاراں ہوتے ہیں  
جو حق کی خاطر جیتے ہیں، مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر!  
جب وقتِ شہادت آتا ہے، دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں



غم معتبر نہیں ہے، مکمل خوشی نہیں  
یہ تو نہیں کہ مجھ کو سرے کشی نہیں  
تسخیرِ مہر و ماہ مبارک تجھے، مگر  
واعظ اب اور کیا کہوں، لیکن خطا معاف!  
کیا وقت ہے کہ لطفِ محبت میں بھی نہیں  
لیکن ابھی نہیں، مرے ساقی، ابھی نہیں  
دل میں نہیں اگر، تو کہیں روشنی نہیں  
جو تیرے سامنے ہے، حقیقت وہی نہیں

کیا جانے یہ کون سا عالم ہے، اے جگر!  
دل مضطرب ہے اور کوئی بات بھی نہیں

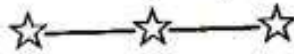


کوئی یہ کہہ دے گلشن گلشن لاکھ بلائیں، ایک نشین  
کامل رہبر، قاتل رہ زن دل سا دوست، نہ دل سا دشمن  
مُھول کھلے ہیں گلشن گلشن لیکن اپنا اپنا دامن



عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے  
خیر مزاجِ حُسن کی، یارب!  
آ، کہ نہ جانے تجھ بن کب سے  
آج نہ جانے راز یہ کیا ہے  
عمریں بیتیں، صدیاں گذریں  
تجھ سا حسین اور خونِ محبت  
برقِ حوادث، اللہ اللہ!  
تو نے سلجھ کر گیسوئے جاناں  
رحمت ہو گی طالبِ عِصیاں  
دل کہ مجسمِ آئینہِ سماں  
بیٹھنے میں ہم ہر بزم میں، لیکن  
ہستی شاعر اللہ اللہ! (قطعہ)  
رنگیں فطرت، سادہ طبیعت  
کام ادھورا اور آزادی  
شمع ہے، لیکن دُھندلی دُھندلی!  
کانٹوں کا بھی حق ہے کچھ آخر  
عشق ہے کارِ شیشہ و آہن  
تیز بہت ہے دل کی دھڑکن  
رُوح ہے لاشہِ جسم ہے مدفن  
ہجر کی رات اور اتنی روشن!  
ہے وہی اب تک عقل کا بچپن  
وہم ہے شاید سُرخِ دامن  
جھوم رہی ہے شاخِ نشیمن  
اور بڑھا دی شوق کی اُلجھن  
رشک کرے گی پاکی دامن  
اور وہ ظالم آئینہِ دشمن  
جھاڑ کے اُٹھے اپنا دامن  
حُسن کی منزل، عشق کا مسکن  
فرشِ نشیں اور عرشِ نشیمن!  
نام بڑے اور تھوڑے درشن  
سایہ ہے لیکن روشن روشن  
کون پھڑائے اپنا دامن؟

چلتی پھرتی چھاؤں ہے پیارے  
کس کا صحرا، کیسا گلشن؟



ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں  
بے فائدہ الم نہیں، بے کار غم نہیں  
میری زباں پہ شکوۂ اہلِ ستم نہیں  
یا رب! ہجومِ درد کو دے اور وسعتیں  
شکوہ تو ایک چھیڑ ہے، لیکن حقیقتاً  
اب عشق اس مقام پہ ہے جستجوِ نورد  
ملتا ہے کیوں مزہ ستمِ روزِ گار میں!  
زاہد کچھ اور ہو نہ ہو میخانے میں، مگر  
ہم سے زمانہ خود ہے، زمانے سے ہم نہیں  
توفیق دے خُدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں  
مجھ کو جگا دیا، یہی احسان کم نہیں  
دامن تو کیا ابھی مری آنکھیں بھی نم نہیں  
تیرا ستم بھی تیری عنایت سے کم نہیں  
سایہ نہیں جہاں، کوئی نقشِ قدم نہیں  
تیرا کرم بھی خود جو شریکِ ستم نہیں  
کیا کم یہ ہے کہ فتنہِ دیر و حرم نہیں

مرگِ جگر پہ کیوں تری آنکھیں ہیں اشک ریز؟  
اک سانحہ سہی، مگر اتنا اہم نہیں



عشق لامحدود جب تک رہ نما ہوتا نہیں  
بیکراں ہوتا نہیں، بے انتہا ہوتا نہیں  
اس سے بڑھ کر دوست کوئی دوسرا ہوتا نہیں  
زندگی اک حادثہ ہے، اور کیسا حادثہ  
کون یہ ناصح کو سمجھائے بطرزِ دل نشیں  
درد سے معمور ہوتی جا رہی ہے کائنات  
میری عرضِ غم پہ وہ کہنا کسی کا ہائے ہائے!  
اُس مقامِ قرب تک اب عشق پہنچا ہے، جہاں  
ہر قدم کے ساتھ منزل، لیکن اس کا کیا علاج  
اللہ اللہ یہ کمالِ ارتباطِ حسن و عشق!

زندگی سے زندگی کا حق ادا ہوتا نہیں  
قطرہ جب تک بڑھ کے قلزم آشنا ہوتا نہیں  
سب جدا ہو جائیں، لیکن غم جدا ہوتا نہیں  
موت سے بھی ختم جس کا سلسلہ ہوتا نہیں  
عشق صادق ہو تو غم بھی بے مزا ہوتا نہیں  
اک دل انساں مگر درد آشنا ہوتا نہیں  
شکوہ غم شیوہ اہل وفا ہوتا نہیں  
دیدہ و دل کا بھی اکثر واسطہ ہوتا نہیں  
عشق ہی کم بخت منزل آشنا ہوتا نہیں  
فاصلے ہوں لاکھ، دل سے دل جدا ہوتا نہیں

کیا قیامت ہے کہ اس دورِ ترقی میں جگر  
آدمی سے آدمی کا حق ادا ہوتا نہیں



جو طوفانوں میں پلتے جا رہے ہیں  
نکھرتا آ رہا ہے رنگِ گلشن  
وہیں میں خاک اڑتی دیکھتا ہوں  
چراغِ دیر و کعبہ، اللہ اللہ!  
وہی دنیا بدلتے جا رہے ہیں  
خس و خاشاک جلتے جا رہے ہیں  
جہاں چشمے اُبلتے جا رہے ہیں  
ہوا کی زد پہ جلتے جا رہے ہیں  
شباب و حسن میں بحث آڑی ہے  
نئے پہلو نکلتے جا رہے ہیں



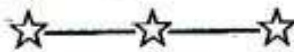
عمر بھر روح کی اور جسم کی یک جانی ہو  
کوئی اتنا بھی نہ مصروفِ خود آرائی ہو  
انجمن ہو، نہ سر انجمن آرائی ہو  
مستی حسنِ غمِ عشق پہ یوں چھائی ہو  
کیا قیامت ہے کہ پھر بھی نہ شناسائی ہو  
کہ تماشا رہے باقی نہ تماشائی ہو  
میں ہوں اور صرف مرا عالمِ تنہائی ہو  
دل سے جو موجِ غم اُٹھے، تری انگڑائی ہو



اے غمِ دوست! ترا صبر مجھی پر ٹوٹے بے ترے نیند بھی آنکھوں میں اگر آئی ہو  
 وہ محبت ہی نہیں ہے، وہ قیامت ہی نہیں جو ترے پائے نگاریں کی نہ ٹھکرائی ہو  
 ہو گئی دل کو تری یاد سے اک نسبتِ خاص  
 اب تو شاید ہی میسر کبھی تنہائی ہو



داغِ دل کیوں کوئی مجروح پذیرائی ہو گلِ ویرانہ بنے، لالہِ صحرائی ہو  
 دم الٹ جائے کہ دم پر مرے بن آئی ہو کیوں تری یاد شریکِ غمِ تنہائی ہو  
 پھر وہی رُت، وہی ہم تم، وہی تنہائی ہو پھر ہر اک چوٹِ محبت کی ابھرائی ہو  
 نالہ یوں کیجئے، یہ اعجازِ شکیبائی ہو جیسے بیساختہ ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہو  
 حُسن و بیچارگیِ حُسن، الہی توبہ! میں تو مر جاؤں جو یوں عشق کی بن آئی ہو  
 عرصہ حشر کہاں، جلوہ گہِ دوست کہاں؟ وہ بھی میرا ہی نہ اک گوشہِ تنہائی ہو  
 بھول جاؤں کہ مرا فرضِ محبت کیا ہے اس طرح تو نہ مری حوصلہ افزائی ہو  
 گر کے نظروں سے تری اُس کاٹھکانا ہی کہاں جس نے ظالم ترے دل میں بھی جگہ پائی ہو  
 ہائے، اُس حصّہ گلشن کا مقدر ہدم! نہ خزاں آئی ہو جس میں، نہ بہار آئی ہو  
 یوں بھی ہو کاش! غمِ عشق کی تاثیر، جگر  
 میں تمنا نہ کروں اور وہ تمنائی ہو



ممکن نہیں کہ جذبہٴ دل کارگر نہ ہو یہ اور بات ہے، تمہیں اب تک خبر نہ ہو  
 تو بہینِ عشق دیکھ، نہ ہو، اے جگر نہ ہو ہو جائے دل کا خون، مگر آنکھ تر نہ ہو  
 دریائے حُسن و کارِ غمِ عشق، ناصح! یہ کیا کہا، ترا سرِ دامن بھی تر نہ ہو!  
 لازم خودی کا ہوش بھی ہے بخودی کے ساتھ کس کی اُسے خبر، جسے اپنی خبر نہ ہو  
 وہ بدگمانیاں ہیں، نہ وہ سرگرائیاں اتنی بھی دل کی دل کو الہی خبر نہ ہو  
 احسانِ عشقِ اصل میں تو بہینِ حُسن ہے حاضر ہیں دین و دل بھی، ضرورت اگر نہ ہو  
 یا طالبِ دُعا تھا میں اک ایک سے جگر  
 یا خود یہ چاہتا ہوں، دعا میں اثر نہ ہو



بھول بسر کرتے ہیں خاروں کے ساتھ  
کم نہ ہوئیں اُن سے بھی کچھ ظلمتیں  
عشق کہیں تجھ سے نہ لے انتقام  
ایک نظر، ایک دل، ناتواں!  
عشق میں کیا ہے، یہی معراج دید  
رقص میں ہے کب سے دل کی کائنات  
لوٹ بہاریں نہ چمن کی بہت  
صبح ہے دُور اور ابھی سے جگر  
کھیلتے ہیں ہم کبھی شراروں کے ساتھ  
رہنما بڑھایا تھا ستاروں کے ساتھ  
چھیڑ نہ کر عشق کے ماروں کے ساتھ  
معرکہ درپیش ہزاروں کے ساتھ  
گم ہیں نگاہیں بھی نظاروں کے ساتھ  
دیدہ و نازیدہ اشاروں کے ساتھ  
ٹو بھی نہ لٹ جائے بہاروں کے ساتھ  
دُوب چلی نبض ستاروں کے ساتھ  
جان فدا اُس پہ کہ جس نے جگر

زیست بسر کی نہ سہاروں کے ساتھ



ابھی نہ روک نگاہوں کے پیرے خانہ  
فضائے کعبہ ہو یا سر زمین بہت خانہ  
سحر ہوئی، وہ بڑھے ہاتھ سُوئے پیانہ  
حدیثِ حُسن، نہ شغلِ شراب و پیانہ  
مذاقِ عشق کی تفریق، اے معاذ اللہ!  
ستم بھی ڈھائے کسی نے تو اس توجہ سے  
جُونِ عشق کی کافر ادائیاں، توبہ!  
وہیں وہیں سے اٹھے ہیں ہزار ہا فتنے  
خود اپنی آگ میں جلتی ہے شمع، جلتے دو  
وہ ایک شعرِ مجسم، وہ ایک پیکرِ حُسن  
نظرِ نظرِ مجسم، اگرچہ بے پردا  
کہ زندگی ہے ابھی زندگی سے بے گانہ  
ترے سوا نہ حقیقت، نہ کوئی افسانہ  
بنامِ شہدِ نو خیز و پیرے خانہ  
یہ کس نے چھیڑ دیا زندگی کا افسانہ!  
بہم ہوئے نہ کبھی عندلیب و پروانہ  
کہ بن گیا دل صد پارہ آئینہ خانہ  
نگاہِ زہد بھی پڑنے لگی حریصانہ  
جہاں جہاں سے میں گزرا ہوں بے نیازانہ  
پرائی آگ میں جلنا ہے کارِ مردانہ  
وہ سبز باغ، یہ اندازِ بے نیازانہ  
نفسِ نفسِ متوجہ، اگرچہ بے گانہ

فدائے نیم نقابی تمام نکبت و رنگ

شارِ نیم نگاہی، تمام سے خانہ



سراپا حقیقت، مجسمِ فسانہ  
ہمہ شعر و نغمہ، ہمہ رنگ و نکبت  
مجت کا عالم، جُونِ کا زمانہ  
وہ جانِ حمقاء، وہ حُسنِ یگانہ



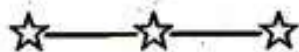
وہ پہلے پہل دونوں جانب یہ عالم نظر اٹھتے اٹھتے، نظر ملتے ملتے حیا میں وہ معصوم سی اک شرارت وہ ہر چھیڑ میں اک نئی زندگانی طبیعت شگفتہ، مگر کھوئی کھوئی وہ اخفائے رازِ محبت کی خاطر وہ اشک و تبسم کا پُرکِیف موسم کبھی رُوئے زیبا پہ غصے کی لہریں وہ بارِبط سا اک طلسمِ معانی جُونِ مکمل کا بھی ایک عالم

غرورِ تجمل، مگر زخمِ خوردہ  
شکستِ محبت، مگر فاتحانہ

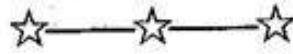


یہ فلک یہ ماہ و انجم، یہ زمین یہ زمانہ یہ ہے عشق کی کرامت، یہ کمالِ شاعرانہ یہ علیل سی فضا میں، یہ مریض سا زمانہ یہ مرا پیام کہنا تو صبا مودِ پانہ مجھے چاکِ جیب و دامن سے نہیں مناسبت کچھ تجھے حادثاتِ ہیمن سے بھی کیا ملے گا ناداں؟ تری اک نمود سے ہے ترے اک حجاب تک ہے وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ یہ ترا جمالِ کامل، یہ شباب کا زمانہ تبھی حُسن کی طبیعت نہ بدل سکا زمانہ مجھے عشق کی صداقت پہ بھی شک سا ہو چلا ہے

تجھے اے جگر! ہوا کیا کہ بہت دنوں سے پیارے!  
نہ بیانِ عشق و مستی، نہ حدیثِ دلبرانہ



میں ہوں اس مقام پر اب کہ فراق و وصل کیسے؟  
 مری زندگی تو گذری ترے ہجر کے سہارے  
 ترے عشق کی کرامت، یہ اگر نہیں تو کیا ہے  
 تری دوری و حضوری کا ہے عجیب عالم  
 مرے ہم صفرِ بلبل! مرا تیرا ساتھ ہی کیا  
 میں وہ صاف ہی نہ کہہ دوں ہے جو فرق مجھ میں تجھ میں  
 ترے دل کے ٹوٹنے پر ہے کسی کو ناز کیا کیا!  
 تجھے اے جگر! مبارک! یہ شکست فاتحانہ!



مجت کار فرمائے دو عالم ہوتی جاتی ہے  
 ہر اک صورت، ہر اک تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے  
 زمانہ گرم رفتار ترقی ہوتا جاتا ہے  
 جہاں تک توڑتا جاتا ہوں رسمِ ظاہر و باطن  
 جہاں تک دل کا شیرازہ فراہم کرتا جاتا ہوں  
 نزاکت ہائے احساسِ محبت، اے معاذ اللہ!  
 غرورِ حُسن، رخصت! الفراق اے نازِ خود بینی!  
 یہی جی چاہتا ہے چھیڑتے ہی چھیڑتے رہیے  
 ارے توبہ! یہ تکمیلِ شباب و حُسن ارے توبہ!  
 تصورِ رفتہ رفتہ اک سراپا بنتا جاتا ہے  
 وہ رہ کر، گلے مل مل کے رخصت ہوتے جاتے ہیں  
 چدر سے میں گذرتا ہوں، نگاہیں اٹھتی جاتی ہیں  
 جگر! تیرے سکوتِ غم نے یہ کیا کہہ دیا ان سے؟

کہ ہر دنیائے دل شائستہ غم ہوتی جاتی ہے  
 الہی! کیا مری دیوانگی کم ہوتی جاتی ہے  
 مگر اک چشمِ شاعر ہے کہ پُر غم ہوتی جاتی ہے  
 دلیلِ عاشقی اتنی ہی محکم ہوتی جاتی ہے  
 یہ محفل اور برہم، اور برہم ہوتی جاتی ہے  
 کہ اب اک اک گھڑی ایک ایک عالم ہوتی جاتی ہے  
 مزاجِ حُسن سے اب تمکنت کم ہوتی جاتی ہے  
 بہت دل کش ادائے حُسن برہم ہوتی جاتی ہے  
 کہ ہر ظالم ادا تقدیرِ عالم ہوتی جاتی ہے  
 وہ اک شے جو مجھی میں سے جسم ہوتی جاتی ہے  
 مری آنکھوں سے یارب! روشنی کم ہوتی جاتی ہے  
 مری ہستی بھی کیا تیرا ہی عالم ہوتی جاتی ہے؟  
 جھکی پڑتی ہیں نظریں، آنکھ پُر غم ہوتی جاتی ہے



کیا کششِ حُسن بے پناہ میں ہے!  
 مے کدہ میں، نہ خانقاہ میں ہے  
 ہائے! وہ رازِ غم کہ جو اب تک  
 عشق میں کیسی منزلِ مقصود  
 میں جہاں ہوں، ترے خیال میں ہوں  
 جو قیدم ہے، اسی کی راہ میں ہے  
 جو تجلیِ دلِ تباہ میں ہے  
 تیرے دل میں، مری نگاہ میں ہے  
 وہ بھی اک گرد ہے، جو راہ میں ہے  
 تو جہاں ہے، مری نگاہ میں ہے



حسن کو بھی کہاں نصیب، جگر !  
وہ جو اک شے مری نگاہ میں ہے



کسی صورت نمودِ سوزِ پنهانی نہیں جاتی  
نہیں جاتی، کہاں تک فکرِ انسانی نہیں جاتی  
نگاہوں کو خزاں نا آشنا بننا تو آجائے  
پشیمانِ ستم وہ دل ہی دل میں رہتے ہیں، لیکن  
صدافت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں، واعظ  
مزاج اہل دل بے کیف و مستی رہ نہیں سکتا  
بلندی چاہئے انسان کی فطرت میں پوشیدہ  
گئے وہ دن کہ دل سرمایہ دارِ دردِ پیہم تھا  
جسے رونق ترے قدموں نے دے کر چھین لی رونق  
وہ یوں دل سے گذرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی  
مجھے تو کر دیا سیراب ساقی نے مرے، لیکن  
نہیں معلوم کس عالم میں حُسن یار دیکھا تھا  
جلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کر مٹے جاتے ہیں گر گر کر  
محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گذرتا ہے

جگر ! وہ بھی زسرتا پا محبت ہی محبت ہیں  
مگر اُن کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی



تکلف سے، تصنع سے، بری ہے شاعری اپنی  
نظر سے اُن کی پہلی ہی نظریوں مل گئی اپنی  
وہ اُن کی بے رُخی، وہ بے نیازانہ ہنسی اپنی  
جمال اُن کا، مزاج اپنا، غم اُن کا، زندگی اپنی  
یہاں تک تو جگر ! پہنچی ہے معراجِ خودی اپنی  
ہمیں کیوں اب کوئی سمجھائے، دل اپنا، خوشی اپنی  
حقیقت شعر میں جو ہے، وہی ہے زندگی اپنی  
حقیقت میں تھی جیسے مدتوں سے دوستی اپنی  
بھری محفل تھی، لیکن بات بگڑی بن گئی اپنی  
حیاتِ حُسن ہے گویا حیاتِ عاشقی اپنی  
کہ حُسن اک مشغلہ اپنا ہے، عشق اک دل لگی اپنی  
گریباں اپنا، ہاتھ اپنے، جنوں اپنا، ہنسی اپنی

اسے سمجھے نہ سمجھے کوئی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ترک مئے کشی پر بھی وہی ہے مئے کشی اپنی جگر! رہ جائے بن کر آہ جواک کا سہہ سائل نہ ایسی شاعری اپنی، نہ ایسی زندگی اپنی



اگر شامل نہ در پردہ کسی کی آرزو ہوتی تو پھر اے زندگی، ظالم، نہ میں ہوتا، نہ تو ہوتی  
اگر حائل نہ اُس رُخ پر نقاب رنگ و بو ہوتی کے تاب نظر رہتی، مجال آرزو ہوتی؟  
نہ اک مرکز یہ زک جانی، نہ یوں بے آبرو ہوتی محبت جستجو تھی، جستجو ہی جستجو ہوتی  
ترا ملنا تو ممکن تھا، مگر اے جانِ محبوبی! مرے نزدیک تو ہیں مذاقِ جستجو ہوتی

نگاہِ شوق اسے بھی ڈھال لیتی اپنے سانچے میں  
اگر اک اور بھی دنیا و رائے رنگ و بو ہوتی



وہی اس نظر میں ہیں گھب جانے والے جو سینوں پہ ہیں برچھیاں کھانے والے  
شکستہ کاش پڑ جائے اپنی جبین پر! پریشاں بہت ہیں ستم ڈھانے والے  
سراپا محبت بنے جا رہے ہیں سلامت رہیں اُن کو بہکانے والے  
بہ غور اپنی جانب بھی اے کاش دیکھیں! مرے حال پر رحم فرمانے والے  
محبت کی، باتیں، محبت ہی جانے معنے نہیں ہیں، یہ سمجھانے والے  
ترے حُسن کا راز کیوں کر چھپاؤں مرے دیدہ و دل پہ چھا جانے والے  
مری طاقتِ ضبط کی خیر یا رب! کرم پر نکلے ہیں ستم ڈھانے والے

جو ہیں خاص چشم و چراغِ محبت  
وہ آنسو نہیں ہیں نظر آنے والے



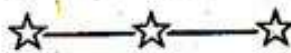
آنکھوں میں بس کے، دل میں سما کر چلے گئے خوابیدہ زندگی تھی، جگا کر چلے گئے  
حُسنِ ازل کی شان دکھا کر چلے گئے اک واقعہ سا یاد دلا کر چلے گئے  
چہرے تک آستین وہ لا کر چلے گئے کیا راز تھا کہ جس کو چھپا کر چلے گئے  
رگ رگ میں اس طرح وہ سما کر چلے گئے جیسے مجھی کو مجھ سے پُرا کر چلے گئے  
میری حیاتِ عشق کو دے کر جنونِ شوق مجھ کو تمام ہوش بنا کر چلے گئے  
سمجھا کے پستیاں مرے اوجِ کمال کی اپنی بلندیاں وہ دکھا کر چلے گئے  
اپنے فروغِ حُسن کی دکھلا کے وسعتیں میرے حُددِ شوق بڑھا کر چلے گئے



ہر شے کو میری خاطر ناشاد کے لئے  
 آئے تھے دل کی پیاس بجھانے کے واسطے  
 آئے تھے چشمِ شوق کی حسرت نکالنے  
 اب کاروبارِ عشق سے فرصت مجھے کہاں؟  
 شکرِ کرم کے ساتھ یہ شکوہ بھی ہو قبول!  
 اپنا سا کیوں نہ مجھ کو بنا کر چلے گئے  
 اک آگ سی وہ اور لگا کر چلے گئے  
 سر تا قدم نگاہ بنا کر چلے گئے  
 کوئین کا وہ درد بڑھا کر چلے گئے  
 لب تھر تھرا کے رہ گئے، لیکن وہ اے جگر!  
 جاتے ہوئے نگاہ ملا کر چلے گئے



وہ جو روٹھیں، یوں منانا چاہیے  
 ہمتِ قاتل بڑھانا چاہیے  
 زندگی سے زوٹھ جانا چاہیے  
 زیرِ خنجر مُسکراتا چاہیے  
 زندگی ہے نامِ جہد و جنگ کا  
 موت کیا ہے، بھول جانا چاہیے  
 ہے انہیں دھوکوں سے دل کی زندگی  
 جو حسین دھوکا ہو، کھانا چاہیے  
 لذتیں ہیں دشمنِ اوجِ کمال  
 گلختوں سے جی لگانا چاہیے  
 ان سے ملنے کو تو کیا کہئے، جگر!  
 خود سے ملنے کو زمانا چاہیے



برابر سے بچ کر گذر جانے والے  
 نہیں جانتے کچھ کہ جانا کہاں ہے  
 یہ نالے نہیں بے اثر جانے والے  
 چلے جا رہے ہیں مگر جانے والے  
 مرے دل کی بے تائیاں بھی لئے جا  
 دے پاؤں منہ پھیر کر جانے والے  
 ترے اک اشارے پہ ساکت کھڑے ہیں  
 ”نہیں“ کہہ کے سب سے گذر جانے والے  
 محبت میں ہم تو جئے ہیں، جنیں گے  
 وہ ہوں گے کوئی اور مر جانے والے



سودا جواب ہے، سر میں، وہ سودا ہی اور ہے  
 لیلائے آب و گل تو ہزاروں ہزار میں  
 اس کا چمن ہی اور ہے، صحرا ہی اور ہے  
 مجنوں ہے، جس کی رُوح، وہ لیلیٰ ہی اور ہے  
 محسوس اب ہوا، وہ تمنا ہی اور ہے  
 وہ جانِ حُسن، حُسن سراپا ہی اور ہے  
 خود حُسن استعارہ ہے جس کے جمال کا

جس سے کہ مطمئن ہو مری فطرت بلند شاید وہ حُسن و عشق کی دُنیا ہی اور ہے  
 صورت میں یہ فروغ، یہ جذب و کشش کہاں؟ در پردہ کوئی شاید معنی ہی اور ہے  
 یہ حسن رنگ رنگ بھی کچھ کم نہ تھا جگر!  
 کیا کیجئے کہ دل کا تقاضا ہی اور ہے



یوں پر سشِ ملال وہ فرما کے رہ گئے شکوے مری زبان تک آ آ کے رہ گئے  
 پہلے تو عرضِ غم پہ وہ جھنجھلا کے رہ گئے پھر کچھ سمجھ کے، سوچ کے، شرما کے رہ گئے  
 آئینہ پُوم پُوم رہے تھے وہ بار بار دیکھا جو یک یہ یک مجھے، شرما کے رہ گئے  
 وہ کون ہے کہ جو سر منزل پہنچ سکا دُھندلے سے کچھ نشانِ نظر آ کے رہ گئے  
 نغموں پہ میرے اور تو وہ کچھ نہ کہہ سکے کچھ مسکرا کے پھول سے برسا کے رہ گئے  
 ہر شکرِ انتقامِ محبت ہے اے جگر!  
 شکوہ نہیں ہے اُن سے، جو تڑپا کے رہ گئے



پھر دل ہے قصدِ کوچہِ جاناں کئے ہوئے رگ میں نیشِ عشق کو پنہاں کئے ہوئے  
 پھر عزتِ خیال سے گھبرا رہا ہے دل ہر وسعتِ خیال کو زنداں کئے ہوئے  
 پھر چشمِ شوقِ دیر سے لبریزِ شکوہ ہے قطروں کو موج، موج کو طوفاں کئے ہوئے  
 پھر جانِ بے قرار ہے آمادہٴ فغاں سو حشرِ اک سکوت میں پنہاں کئے ہوئے  
 پھر کیفِ بیخودی میں بڑھا جا رہا ہوں میں سب کچھ نثارِ شوقِ فراواں کئے ہوئے  
 پھر سُوئے خلدِ حُسن کھنچا جا رہا ہے دل ہر جنتِ نظارہ کو ویراں کئے ہوئے  
 پھر بڑھ چلا ہے جوشِ طلبِ راہِ دوست میں سو فتحِ ہر شکست پہ قرباں کئے ہوئے  
 پھر بڑھ چلیں جنوںِ تمنا کی شورشیں! برہمِ نظامِ عالمِ امکاں کئے ہوئے  
 پھر ہے نگاہِ شوق کو دیدار کی ہوس مدت ہوئی ہے جرأتِ عصیاں کئے ہوئے  
 پھر لے چلی ہے وحشتِ دل شہرِ حُسن میں جنسِ گرانِ عشق کو ارزاں کئے ہوئے

پھر جی یہ چاہتا ہے کہ بیٹھے رہیں جگر!

اُن کی نظر سے بھی انہیں پنہاں کئے ہوئے





آئے ہیں پھر وہ عزم دل و جاں کئے ہوئے  
 پھر اٹھ رہی ہے عارضِ پُر نور سے نقاب  
 پھر شام و صبح، زلف و رُخ یار ہیں بہم  
 پھر حُسنِ منفعل متبسم ہے زیرِ لب  
 پلکوں کی اوٹ، حشر کا سماں کئے ہوئے  
 نظارہ و نظر کو پریشاں کئے ہوئے  
 ایماں کو کُفر، کُفر کو ایماں کئے ہوئے  
 یک قطرہ اشک زینتِ مژگاں کئے ہوئے



ہم نے دنیا ہی میں دُنپائے حقیقت دیکھی  
 عشق کے بھیس میں جب حُسن کی صورت دیکھی  
 منفرد رنج، نہ تنہا کوئی راحت دیکھی  
 جب تجھے دیکھ کے کونین کی وسعت دیکھی  
 نگہ شوق کی محرومی تقدیر نہ پوچھا!  
 حُسنِ بے نام نے رکھا تھا چھپا کر جس کو  
 یہیں دوزخ نظر آئی، یہیں جنت دیکھی  
 ہر ادا پھر تو قیامت ہی قیامت دیکھی  
 یہ تری نیم نگاہی کی شرارت دیکھی  
 حُسن ہی حُسن، محبت ہی محبت دیکھی  
 بن گئی وہ بھی فسانہ، جو حقیقت دیکھی  
 وہ تجلی بھی سرِ پردہ حیرت دیکھی  
 اُس گہنگارِ محبت کو خدا ہی سمجھے!  
 جس نے اُس مدھ بھری آنکھوں کی ندامت دیکھی



واعظ نے اور نہ زلبہ شب زندہ دارنے  
 شرم کو غرورِ حُسن ہے، لیکن یہاں یہ فکر  
 تسکینِ رُوح جب نہ کسی طرح ہو سکی  
 تکلیف و پردہ داری تکلیف، الاماں!  
 طنزاً وہ دیکھتے ہیں مگر دیکھتے تو ہیں  
 وہ عشق ہی نہیں ہے، وہ دل ہی نہیں جگر  
 لبیک خود کہا نہ جسے حُسنِ یار نے  
 مجھ کو جگا دیا مرے دل کی پکار نے  
 چھوڑا ہے کس کو عشقِ دو عالم شکار نے  
 سب اپنی اپنی دُھن میں لگے کچھ پکار نے  
 مارا ہے مجھ کو خود مرے صبر و قرار نے  
 یہ کام تو کیا دل ناکردہ کار نے



شبِ فراق ہے اور نیند آئی جاتی ہے  
 یہ عمر عشقِ یونہی کیا گنوائی جاتی ہے؟  
 بنا بنا کے جو دُنیا مٹائی جاتی ہے  
 ہمیں یہ عشق کی تہمت لگائی جاتی ہے  
 خدا کرے کہ حقیقت میں زندگی بن جائے  
 کچھ اس میں اُن کی توجہ بھی پائی جاتی ہے  
 حیاتِ زندہ حقیقت بنائی جاتی ہے  
 ضرور کوئی کمی ہے کہ پائی جاتی ہے  
 مگر یہ شرم جو چہرے پہ چھائی جاتی ہے  
 وہ زندگی جو زباں تک ہی پائی جاتی ہے

گنہگار کے دل سے نہ بچ کے چل زاہد  
 نہ سوزِ عشق، نہ برقی جمال پر الزام  
 یہیں کہیں تری جنت بھی پائی جاتی ہے  
 دلوں میں آگ خوشی سے لگائی جاتی ہے  
 کچھ ایسے اب بھی ہیں رنداں پاکیز جگر  
 کہ جن کو بے مے و ساغر پلائی جاتی ہے

☆—☆—☆

نقابِ حسنِ دو عالم اٹھائی جاتی ہے  
 قدم قدم مری ہمت بڑھائی جاتی ہے  
 وہ اک نظر جو بہ مشکل اٹھائی جاتی ہے  
 سکوں ہے موت یہاں ذوقِ جستجو کیلئے  
 خدا وہ دردِ محبت ہر ایک کو بخشے!  
 وہ مے کدہ ہے تری اجمن، خدا رکھے!  
 ترے حضور یہ کیا وارداتِ قلب ہے آج؟  
 تجھے خبر ہو تو اتنی نہ فرصتِ غم دے  
 وہ چیز، کہتے ہیں فردوسِ گمشدہ جس کو  
 فریبِ منزلِ آخر ہے، الفراقِ جگر!

سفرِ تمام ہوا، نیند آئی جاتی ہے

☆—☆—☆

نہ اب مسکرانے کو جی چاہتا ہے  
 ستاتے نہیں وہ تو اُن کی طرف سے  
 کوئی مصلحت روک دیتی ہے، ورنہ  
 کچھ بھول جانا تو ہے غیر ممکن  
 تواضع کر اے عشق! چند آنسوؤں سے  
 بہت دیر تک چھپ کے تیری نظر سے  
 تری آنکھ کو بھی جو بے خواب کر دے  
 حسیں تیری آنکھیں، حسیں تیرے آنسو

جگر اب تو وہ ہی یہ کہتے ہیں مجھ سے  
 ترے ناز اٹھانے کو جی چاہتا ہے

☆—☆—☆



کیا دیکھتے ہم اُن کو، مگر دیکھتے رہے  
 آئینہ روبرو تھا، جدھر دیکھتے رہے  
 اندھیر ہے کہ دیدہ تر دیکھتے رہے  
 بیٹھنے ہم انتظارِ سحر دیکھتے رہے  
 نقش و نگارِ پردہ در دیکھتے رہے  
 جیسے انہیں کو پیش نظر مگر دیکھتے رہے  
 آنکھیں تھیں سوگوار، مگر دیکھتے رہے

ہر لحظہ شانِ حسن بدلتی رہی جگر  
 ہر آن ہم جہانِ دگر دیکھتے رہے



جسے جینا ہو، مرنے کے لئے تیار ہو جائے  
 کہ شیشہ توڑ دے اور بے پئے سرشار ہو جائے  
 لبِ خاموشِ فطرت ہی لبِ گفتار ہو جائے  
 جنوں کی روحِ خوابیدہ اگر بیدار ہو جائے  
 مجھے ڈر ہے، نہ تو تین جمالِ یار ہو جائے  
 کہ جو آسودہ زیرِ سایہ دیوار ہو جائے؟  
 چمن جس کا وطن ہو، اور چمن بیزار ہو جائے  
 کہ انساں عالمِ انسانیت پر بار ہو جائے  
 نظر تلوار بن جائے، نفس جھنکار ہو جائے  
 سبھی بیدار ہیں انساں اگر بیدار ہو جائے



یہ شاخِ گل بھی ہے، تلوار بھی ہے  
 ادھر نازک مزاجِ یار بھی ہے  
 بہت سادہ، بہت پُر کار بھی ہے  
 انہی سے گرمی بازار بھی ہے

جلوہ بہ قدرِ ظرفِ نظر دیکھتے رہے  
 اپنا ہی عکس پیش نظر دیکھتے رہے  
 کیا قہر تھا کہ پاس ہی دل کے لگی تھی آگ!  
 لاکھ آفتابِ پاس سے ہو کر گذر گئے  
 اُن کی حریمِ ناز کہاں، اور ہم کہاں  
 ایسی بھی کچھ فراق کی راتیں گذر گئیں  
 ہیں دور بے دلی کی وہ مجبوریاں بھی یاد

یہ مصرعِ کاشِ نقشِ ہر درو دیوار ہو جائے  
 وہی مے خوار ہے، جو اس طرح مے خوار ہو جائے  
 دلِ انسان اگر شائستہ اسرار ہو جائے  
 ہر اک بے کاری ہستی بہ روئے کار ہو جائے  
 سنا ہے حشر میں ہر آنکھ اُسے بے پردہ دیکھے گی  
 حریمِ ناز میں اس کی رسائی ہو، تو کیوں کر ہو؟  
 معاذ اللہ، اس کی وارداتِ غم، معاذ اللہ!  
 یہی ہے زندگی، تو زندگی سے خودکشی اچھی  
 اک ایسی شان پیدا کر کہ باطل تھر تھرا اٹھے  
 یہ روز و شب، یہ صبح و شام، یہ بستی، یہ ویرانہ

محبت صلح بھی، پیکار بھی ہے  
 طبیعت اس طرف خود دار بھی ہے  
 ادائے عشق ادائے یار بھی ہے  
 یہ فتنے، جن سے اک دُنیا ہے نالاں

جنوں کے دم سے ہے نظمِ دو عالم  
نفس پر ہے مدارِ زندگانی  
اسی انسان میں سب کچھ ہے پنہاں  
وہ یوئے گل کہ ہے جانِ چمن بھی  
یہی دُنیا ہے بستی آنسوؤں کی!!  
جہاں وہ ہیں، وہیں میرا تصور  
خبردار! اے سبک سارانِ ساحل  
غنیمت ہے کہ اس دورِ ہوس میں  
جو کوئی سن سکے تو نکہتِ گل  
ان آنکھوں کی زہے معجز بیانی  
بہم انکار بھی، اقرار بھی ہے



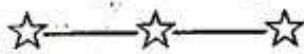
نہ تابِ مستی، نہ ہوشِ ہستی، کہ شکرِ نعمت ادا کریں گے  
خزاں میں جب ہے یہ اپنا عالم، بہار آئی تو کیا کریں گے؟  
ہر ایک غم کو فروغ دے کر یہاں تک آراستہ کریں گے  
وہی جو رہتے ہیں دُور ہم سے خود اپنی آغوشِ وا کریں گے  
جدھر سے گذریں گے سرفروشانہ کارنامے سنا کریں گے  
وہ اپنے دل کو ہزار روکیں، مری محبت کو کیا کریں گے؟  
نہ شکرِ غم زیر لب کریں گے، نہ شکوہ بر ملا کریں گے  
جو ہم پہ گذرے گی، دل ہی دل میں کہا کریں گے، سنا کریں گے  
ترے تصور سے حاصل اتنا کمال کسبِ ضیا کریں گے  
جہاں کچھ آنسو ٹپک پڑیں گے، ستارے سجدے کیا کریں گے  
یہ ظاہری جلوہ ہائے رنگیں فریب کب تک دیا کریں گے؟  
نظر کی جو کر سکے نہ تسکین، وہ دل کی تسکین کیا کریں گے؟  
وہاں بھی آہیں بھرا کریں گے، وہاں بھی نالے کیا کریں گے  
جنہیں ہے تجھ سے ہی صرف نسبت، وہ تیری بخت کو کیا کریں گے؟  
نہیں ہے جن کو مجالِ ہستی، سوائے اس کے وہ کیا کریں گے



کہ جس زمیں کے ہیں بسنے والے اُسے بھی رسوا کیا کریں گے؟  
یہاں نہ دُنیا نہ فکرِ دُنیا، یہاں نہ عُقْمی نہ فکرِ عُقْمی  
جنہیں سرِ ماسوا بھی ہو گا، وہی غمِ ماسوا کریں گے  
ہم اپنی کیوں طرزِ فکر چھوڑیں، ہم اپنی کیوں وضعِ خاص بدلیں  
کہ انقلاباتِ نو بہ نو تو ہوا کئے ہیں، ہوا کریں گے  
یہ سخت تر عشق کے مراحل، یہ ہر قدم پر ہزار احساں  
جو بچ رہے تو جنوں کے حق میں، جنیں گے جب تک، دُعا کریں گے  
یہ خام کارانِ عشق سوچیں، یہ شکوہ سنجانِ حسن سمجھیں  
کہ زندگی خود حسیں نہ ہوگی تو پھر توجہ وہ کیا کریں گے؟  
خود اپنے ہی سوزِ باطنی سے نکال اک شمعِ غیر فانی!  
چراغِ دیر و حرم تو آئے دل، جلا کریں گے، بجھا کریں گے



کس کا خیال، کون سی منزل نظر میں ہے  
چہرے پہ برہمی ہے، تبسمِ نظر میں ہے  
اب کیا کمی تباہی قلب و جگر میں ہے  
کیا میرے ساتھ خود مری منزل سفر میں ہے  
اک روشنی سی آج ہر اک دشت و در میں ہے  
تسلیمِ حُسنِ دوست کی معصومیوں، مگر  
شامل تو کوئی فتنہ شام و سحر میں ہے  
اک لرزشِ خفی جو مرے بال و پر میں ہے  
نازک سا اعتراف بھی آج اُس نظر میں ہے  
دیکھا تو ہر مقام تری رہ گذر میں ہے  
یا رب! وفائے عذرِ محبت کی خیر ہو  
سمجھے تھے دُورِ شجر سے نکل جائیں گے کہیں  
کارگیرانِ شعر سے پوچھے کوئی جگر  
سب کچھ تو ہے، مگر یہ کمی کیوں اثر میں ہے



زندگی ہے، مگر پرانی ہے  
جب مسرتِ قریب آئی ہے  
مرگِ غیرت! تری دُہائی ہے  
غم نے کیا کیا ہنسی اڑائی ہے  
عشق کی جان پر بن آئی ہے  
حُسنِ کافر! تری دُہائی ہے  
سایہ گل میں نیند آئی ہے  
ہائے وہ سبزہ چمن کہ جسے  
عشق کو زعمِ پارسائی ہے  
ہائے وہ سبزہ چمن کہ جسے

عشق ہے اُس مقام پر کہ جہاں زندگی نے شکست کھائی ہے  
 خاکِ منزل کو منہ سے ملتا ہوں یادگارِ شکستہ پائی ہے  
 اُس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا کیا اسیری ہے، کیا رہائی ہے  
 ہجر سے شاد، وصل سے ناشاد  
 کیا طبیعت جگر نے پائی ہے



اگر جمالِ حقیقت سے ربط محکم ہے  
 نہیں مقابلہ کوئی، مگر یہ کیا کم ہے  
 الہی خیر! یہ کیا شام ہی سے عالم ہے  
 نہ کوئی خلد، نہ زاہد! کوئی جہنم ہے  
 ہر ایک قطرے میں دریائے معرفت ہے رواں  
 ابھی کمال کو پہنچی نہیں ہے فطرتِ عشق  
 جنوں بھی ساتھ نہ دے اب، تو کچھ نہیں پروا  
 جو گوشِ دل سُٹوا ہو، تو بزمِ ہستی میں  
 خزاں کا رنج کرے عشق میں بلا میری  
 حسین و سادہ ہے کس درجہ فطرتِ شاعر  
 نفسِ نفس میں نئی زندگی کا عالم ہے  
 خود آفتابِ درخشاں حریفِ شبنم ہے  
 کہ جیسے آج ستاروں میں روشنی کم ہے؟  
 خود اپنی اپنی نظر، اپنا اپنا عالم ہے  
 مگر نصیب ہو کیونکر کہ پیاس ہی کم ہے  
 کہ آدمی کو ہنوز انتظارِ آدم ہے  
 خوشا کہ تیری نگاہوں سے ربط محکم ہے!  
 سکوتِ ساز بھی اک نغمہٴ مجسم ہے  
 نہیں بہار، تو یادِ بہار کیا کم ہے؟  
 ہنسے تو غنچہ و گل، رو پڑے تو شبنم ہے  
 خوشی میں بھول نہ جانا جگر یہ رازِ حیات  
 کہ جو خوشی ہے یہاں، اک امانتِ غم ہے



خُسن و صورت کے، نہ حسرت کے، نہ ارمانوں کے  
 اُف! کہ انسان ہیں مارے ہوئے انسانوں کے!  
 کیا مقامات ہیں ان سوختہ سامانوں کے  
 خضر خود بڑھ کے قدم لیتے ہیں دیوانوں کے!  
 انہیں ذرات میں خاموش سے ویرانوں سے  
 دل دھڑکتے نظر آئے مجھے انسانوں سے  
 جلوۂ دوست، یہ آہستہ خرامی تاچند؟  
 ندیاں سوکھ چلیں شوق میں طوفانوں کے



موجِ مے، رنگِ شفق، لالہ و گل، مطلعِ صبح  
 چند عنوان ہیں مرے شوق کے افسانوں کے  
 اسی کشتی کو نہیں تابِ تلاطم، صد حیف!  
 جس نے منہ پھیر دیئے تھے کبھی طوفانوں کے  
 حسن کی جلوہ گری سے ہے محبت کا جنوں  
 شمع روشن ہوئی، پر لگ گئے پروانوں کے  
 مرحبا! جذبہ بے باکِ جوانانِ وطن!!  
 تیغِ چم خم ہے، مگر ہاتھ میں نادانوں کے  
 ناز ہے شہدِ فطرت کو بھی جن پر، ہمد!  
 وہ چمن سب ہیں لگائے ہوئے دیوانوں کے  
 میں نے دیکھا ہے اسے روپ میں فطرت کے جگر  
 میں نے پایا ہے اسے بھیس میں انسانوں کے



دل ہے ہوائے منزلِ جاناں لئے ہوئے  
 لیکن حجابِ دیدہ حیراں لئے ہوئے  
 ہر قطرہ خوں ہے شمعِ فروزاں لئے ہوئے  
 اک طرزِ التفاتِ گریزاں لئے ہوئے  
 نشتر لئے ہوئے ہے، نہ پیرکاں لئے ہوئے  
 آنکھیں ہیں یوں ندامتِ عصیاں لئے ہوئے  
 کشتی جو غرق ہو گئی طوفان لئے ہوئے  
 پھرتا ہوں ایک جنتِ ویراں لئے ہوئے  
 لیکن کسی کا گوشہ داماں لئے ہوئے  
 دل میں ادائے حُسنِ گریزاں لئے ہوئے  
 رگ میں ایک برقِ خراماں لئے ہوئے  
 دل ہے تجلیات کا طوفان لئے ہوئے  
 ناصح! گدازِ عشق کی معراج دیکھنا  
 وہ سامنے تو آئے مگر اس ادا کے ساتھ  
 دل کو ہے کیوں گلہ کہ بظاہر تو وہ نگاہ  
 کانٹوں میں جیسے مہولِ جہنم میں جیسے خلد  
 اہلِ سلامتی کی طرف سے اُسے سلام  
 دل میں کہاں اُمید و تمنا کا وہ ہجوم؟  
 ہونا تھا چاک چاک گریباں کو، اے جنوں!  
 ہر مرحلہ سے عشق گذرتا چلا گیا  
 بھولوں کو ناز حسن اگر ہے تو ہو جگر  
 کانٹے بھی ہیں غرورِ گلستاں لئے ہوئے



آنکھیں ہیں رنگ و بوئے گل تر لئے ہوئے  
لیکن غم حیات مکرر لئے ہوئے  
خود زندگی ہے بادہ و ساغر لئے ہوئے  
دل بھی ہے اک لطیف سائتر لئے ہوئے  
کوئین اپنے سینے کے اندر لئے ہوئے  
ہنسا پڑا ہے قلب مکرر لئے ہوئے  
یارب! کہاں میں جاؤں یہ نشتر لئے ہوئے؟  
لیکن ہوں ایک بوجھ سادل پر لئے ہوئے  
بیٹھا ہوں ترے غم کے برابر لئے ہوئے  
رہ رہ گئے ہیں ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے

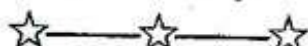
آنکھیں ابھی کچھ اور بھی ہیں منتظر جگر  
چھپرا کی قتل گاہ کا منظر لئے ہوئے



سب سے پہلے دل شاعر پہ عیاں ہوتا ہے  
نہیں معلوم، یہ انساں کہاں ہوتا ہے  
ذرہ ذرہ مری جانب نگراں ہوتا ہے  
اُسی دیوانے کے قدموں پہ جہاں ہوتا ہے  
مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے  
کوئی دیکھے تو یہ ہنگامہ کہاں ہوتا ہے  
تجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے  
ذہن مفلس ہو تو ہر سُود زیاں ہوتا ہے  
موت کے نام سے جس کو خفقاں ہوتا ہے  
ختم ہر مرحلہ سُود و زیاں ہوتا ہے  
ہر نفس سانحہ مرگِ جواں ہوتا ہے

ناز جس خاکِ وطن پر تھا مجھے آہ! جگر

اسی جنت پہ جہنم کا گماں ہوتا ہے



کس کا خیال ہے دلِ مضطر لئے ہوئے  
آئی ہے موت جن کا منظر لئے ہوئے  
ہر لحظہ اک سرورِ مضطر لئے ہوئے  
ہشیار، اے نگاہِ ستم آشنائے دوست!  
کوئین کی ہوس میں ہے انساں ذلیل و خوار  
دنیا بھی کیا مقام ہے، جس میں کہ بارہا  
شرم گنہ سے بڑھ کے ہے غفوگنہ کی شرم  
عصیاں کا بارہٹ تو گیا سر سے، اے کریم!  
اللہ رے بے بسی کہ غمِ روزگار بھی  
اُف رے تجلی زرخِ ساقی، کہ بادہ کش

راز جو سینہ فطرت میں نہاں ہوتا ہے  
سخت خونریز جب آشوبِ جہاں ہوتا ہے  
جب کوئی حادثہ کون و مکاں ہوتا ہے  
جو نظر کردہ صاحبِ نظراں ہوتا ہے  
جب کوئی عشق میں بربادِ جہاں ہوتا ہے  
متزلزل ہے ادب گاہِ محبت کی زمیں  
کہیں ایسا تو نہیں، وہ بھی ہو کوئی آزار  
دل غنی ہو تو ہر اک رنج بھی دل کی راحت  
امتحان گاہِ محبت میں نہ رکھے وہ قدم  
یہی وہ منزلِ دشوار ہے، جس منزل میں  
ہر قدمِ معرکہ کرب و بلا ہے درپیش



اہل دل کے لئے سرمایہ جاں ہوتا ہے  
 اُف وہ ہنگام کہ جب عشق جواں ہوتا ہے  
 کبھی ہر علم و یقیں، وہم و گماں ہوتا ہے  
 دل سا ہمدرد زمانے میں کہاں ہوتا ہے؟  
 دل پہ احساسِ محبت بھی گراں ہوتا ہے  
 دل میں رکتا ہے نہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے  
 حُسنِ خود مُنظرِ عشقِ جواں ہوتا ہے  
 عقل بڑھتی ہے، مگر دل کا زیاں ہوتا ہے  
 ختم جب معرکہ لفظ و بیاں ہوتا ہے  
 ہر تبسم پہ جراحت کا گماں ہوتا ہے  
 اکثر اس طرح سے بھی رقصِ فغاں ہوتا ہے

انقلابات سے کیا خوف کہ ہر عزمِ جگر  
 اسی آغوش میں پلتا ہے، جواں ہوتا ہے



مگر اک آن جو پہلے تھی کہاں ہے ساقی  
 لا تو، وہ فتنہ بیدار کہاں ہے ساقی؟  
 دل کو آرام وہاں تھا نہ یہاں ہے ساقی  
 آدمی ہوں، مرے منہ میں بھی زباں ہے ساقی  
 دیر سے آج خدا جانے کہاں ہے ساقی!

زیست ہے یا تری نظروں کے اشاراتِ لطیف  
 موجِ صہبا ہے کہ فردوسِ رواں ہے ساقی!



گوشہ امن بلا خانہ زنجیر میں ہے  
 خاکِ مصروف ابھی خاک کی تعمیر میں ہے  
 ربطِ محکم اسی بے ربطی تحریر میں ہے  
 مجھ کو معلوم ہے، جو کچھ مری تقدیر میں ہے  
 کوئی تو وجہ کششِ نالہ زنجیر میں ہے  
 پاؤں زنجیر سے باہر ہے نہ زنجیر میں ہے

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے، جہاں ہوتا ہے  
 ہائے وہ وقت کہ جب حُسن پہ آتا ہے شباب  
 کبھی اک زندہ حقیقت نظر آتا ہے جہاں  
 دل کو بیدرد محبت میں بتانے والے  
 وقت آتا ہے اک ایسا بھی محبت میں کہ جب  
 ہائے وہ سلسلہ اشک کو جو تیرے حضور  
 عزمِ پیاک اگر ہو تو کہاں کی دُوری؟  
 شرح و تفصیل سے بے گانہ گذر جا، اے دوست!  
 رُوح بن جاتی ہے خود نغمہ بے ساز و صدا  
 وسعتِ فکر و نظر بھی نہ مجھے ماس آئی!  
 ساز و مطرب کے کرشموں پہ نہ جانا کہ یہاں

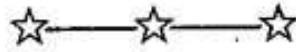
آج بھی یوں تو ہر اک رندِ جواں ہے ساقی  
 زندگی سلسلہ خوابِ گراں ہے ساقی  
 حرم و دیر کا چھٹنا تو گوارا، لیکن  
 طنز و تعریض کی آخر کوئی حد ہوتی ہے!  
 اپنے منصب کا نہ احساس، نہ رندوں کی خبر

ہر حلقہ جو تری کا کل شب گیر میں ہے  
 شہدِ رُوح کہاں، جلوہ گہ ناز کہاں  
 کون سمجھائے یہ قاصد کو دمِ رنہتِ شوق  
 اپنے سر آپ نہ لیں دل شکنی کا الزام!  
 خود چھپے آتے ہیں زنداں کی طرف دیوانے  
 دیکھنا جبرِ مشیت کہ بقیدِ زنداں!

چھپ کے پہروں اُسے دیکھنے والے، یہ بتا  
مجھ میں کیا بات نہیں، جو مری تصویر میں ہے؟



شرما گئے، لجا گئے، دامن چھڑا گئے  
دل پر ہزار طرح کے ادھام چھا گئے  
سب کچھ لٹا کے راہِ محبت میں اہل دل  
صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا  
عقل و جنوں میں سب کی تھیں راہیں جدِ اجداد  
اب کیا کروں میں فطرتِ ناکامِ عشق کو  
جتنے تھے حادثات، مجھے راس آ گئے



یوں تو ہونے کو گلستاں بھی ہے، ویرانہ بھی ہے  
بات سادہ ہی سہی، لیکن حکیمانہ بھی ہے  
ہوشیار، اومستِ صہبائے تغافل، ہوشیار!  
ہوش میں رہتا، تو کیا جانے کہاں رکھتا قدم  
کس جگہ واقع ہوا ہے حضرتِ واعظ کا گھر!  
ملتا جلتا ہے مزاجِ حُسن ہی سے رنگِ عشق  
زندگانی تا کجا صرفِ مئے جام و سبو؟  
خیر ہے زاہد، یہ کیسا انقلاب آیا کہ آج  
حاصلِ ہر جستجو آخر یہی نکلا جگر

دیکھنا یہ ہے کہ ہم میں کوئی دیوانہ بھی ہے  
یعنی ہر انسان بقدرِ ہوش دیوانہ بھی ہے  
عشق کی فطرت میں اک شانِ حریفانہ بھی ہے  
یہ غنیمت ہے، مزاجاً عشقِ دیوانہ بھی ہے  
دور مسجد بھی نہیں، نزدیک میخانہ بھی ہے  
شمع گر بے باک ہے، گستاخ پروانہ بھی ہے  
بے خبر، مے خانہ میں اک اور مے خانہ بھی ہے  
تیرے ہر انداز میں اک کیفِ زندانہ بھی ہے؟  
عشق خود منزل بھی ہے منزل سے بے گانہ بھی ہے

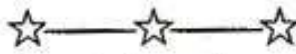


ہر تھکی یہیں نظر آئی  
دل نے لغزش جہاں کوئی کھائی  
یوں تو وہ شکوہِ سنجِ زسوائی  
زندگی تو ہمیں کہاں لائی؟  
مجھ کو شکوہ ہے اپنی آنکھوں سے  
پنچی نظروں سے دیکھنے والے

اُف رے تیری حجابِ آرائی!  
ایک آواز کان میں آئی  
اور در پردہ ہمت افزائی  
اک محبت، ہزار زسوائی  
تم نہ آئے تو نیند کیوں آئی؟  
دیکھنا زخمِ دل کی گہرائی



عشق کی بد حواسیاں توبہ! بار ہا خود مجھے ہنسی آئی  
 عشق میں عشق کی بلا جانے نا پذیرائی و پذیرائی  
 دو دل اس طرح مل گئے ناگاہ جیسے برسوں کی ہو شناسائی  
 پھول بننا تھا، مسکرانا تھا وہ کلی ہی نہ تھی جو مڑھائی  
 کار گاہِ حیات میں، اے دوست! یہ حقیقت نظر آئی  
 ہر اُجالے میں تیرگی دیکھی ہر اندھیرے میں روشنی پائی  
 اب یہ محسوس ہو چلا ہے جگر  
 موت ہے، زندگی کی تنہائی



خود وہ اُٹھے ہیں جام لئے اب وہ کافر ہے جو نہ پئے  
 اُن کی بلا سے، اُن کے لئے کوئی مرے یا کوئی جنے  
 ہم بھی گرے سو بار، مگر  
 اُن کو بھی اپنے ساتھ لئے

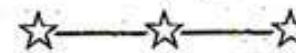


جان کر من جملہ خاصانِ مے خانہ مجھے مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے  
 تنگ مے خانہ تھا میں ساقی نے یہ کیا کر دیا؟ پینے والے کہہ اُٹھے ”یا پیر مے خانہ“ مجھے  
 سبزہ و گل، موج دریا، انجم و خورشید و ماہ اک تعلق سب سے ہے، لیکن رقیبانہ مجھے  
 زندگی میں آ گیا جب کوئی وقت امتحان اُس نے دیکھا ہے جگر بے اختیارانہ مجھے



آپڑا کچھ وقت ایسا گردشِ لیام سے زندگی شرما رہی ہے زندگی کے نام سے  
 جب کبھی بچ کر چلا ہوں جلوہ گاہِ عام سے کچھ گئے ہیں خود مری فکر و نظر کے دام سے  
 کچھ اُنہیں بھی ربط میری حسرتِ ناکام سے اور کچھ میں بھی گریزاں التفاتِ عام سے  
 ہو گیا ہے درہم و برہم نظامِ مے کدہ جب کبھی توبہ مری ٹکرا گئی ہے جام سے  
 اُن کی محفل کا تو کیا کہنا، مگر اے ہم نشیں! رنگِ محفل کہہ رہا ہے، دل میں بے آرام سے

آج کل مے خانہ میں تقسیم ہوتے ہیں جگر  
 زہر کے ساغر، شرابِ زندگی کے نام سے



جہل خرد نے دن یہ دکھائے  
ہائے وہ کیوں کر دل بہلائے  
ضد پر عشق اگر آ جائے  
دل پہ کچھ ایسا وقت پڑا ہے  
کیسا مجاز اور کیسی حقیقت؟  
جھوٹی ہے ہر ایک مسرت  
کارِ زمانہ چتنا چتنا  
ضبطِ محبت، شرطِ محبت  
حُسن وہی ہے حُسن، جو ظالم  
نغمہ وہی ہے نغمہ، کہ جس کو  
راہِ جنوں آسان ہوئی ہے  
زلف و مژہ کے سائے سائے



صحنِ کعبہ نہ سہی، کوئے صنم خانہ سہی  
زندگی تلخ حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں  
آپ سے جس کو ہونست، وہ جوں کیا کم ہے  
اپنی شوریدہ مزاجی کو کہاں لے جاؤں؟  
زندگی فرشِ قدم بن کے بچھی جاتی ہے  
یہ ہوائیں، یہ گھٹائیں، یہ فضائیں، یہ بہار  
حُسن خود پردہ گشائے رُخ مقصود تو ہے  
کون ایسا ہے یہاں، عشق ہے جس کا بے لاگ؟  
زندگی آج بھی دل کش ہے انہیں کے دم سے  
تشنہ لب ہاتھ پہ کیوں ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں؟  
میں نہ زاہد سے ہوں شرمندہ، نہ صوفی سے جگر

خاک اڑانی ہے تو پھر کوئی بھی ویرانہ سہی  
اس میں کچھ چاشنی مشربِ رندانہ سہی  
دونوں عالم نہ سہی، اک دل دیوانہ سہی  
تیرا ایما نہ سہی، تیرا اشارہ نہ سہی  
اے جوں! اور بھی اک لغزشِ مستانہ سہی  
مقتب آج تو شغلِ مے و پیانہ سہی  
عشق کو حوصلہ و عرضِ تمنا نہ سہی  
آپ کی جان سے دُور آپ کا دیوانہ سہی  
حسنِ اک خواب سہی، عشقِ اک افسانہ سہی  
کچھ نہیں ہے تو شکستِ خم و خم خانہ سہی  
مسلکِ عشق مرا، مسلکِ رندانہ سہی

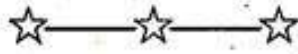


یہ راز ہم پر ہوا نہ افشا، کسی کی خاص اک نظر سے پہلے  
کہ تھی ہماری ہی کم نگاہی، ہمیں تھے کچھ بے خبر سے پہلے



یہ زندگی، خاک زندگی تھی، گدازِ قلب و جگر سے پہلے!  
ہر ایک شے غیر معتبر تھی، ترے غمِ معتبر سے پہلے  
تجھے ہو سیرِ چمن مبارک! مگر یہ رازِ چمن بھی سن لے  
کلی کلی خون ہو چکی تھی، شگفتِ گل ہائے تر سے پہلے  
کہاں کہاں اڑ کے پہنچے شعلے، یہ ہوش کس کو، یہ کون جانے؟  
ہمیں بس اتنا ہے یاد اب تک، لگی تھی آگ اپنے گھر سے پہلے  
قفس کی نازک سی تیلیوں کی بھی کچھ حقیقت ہے، ہم صفیرو!  
مگر اُلجھنا پڑے گا شاید، خود اپنے ہی بال و پر سے پہلے  
کہاں یہ شورش، کہاں یہ مستی، کہاں یہ رنگینیوں کا عالم!  
زمانہ خواب و خیال سا تھا ترے فسوںِ نظر سے پہلے  
خوشا یہ بیماریِ محبت، زہے یہ خود داریِ طبیعت!!  
وہی ہیں مصروفِ دل نوازی، وہی جو تھے بے خبر سے پہلے  
زمانہ مانے نہ مانے، لیکن ہمیں یہی ہے یقینِ کامل  
جہاں اٹھا کوئی تازہ فتنہ، اٹھا تری رہگذر سے پہلے  
اگرچہ ذوقِ نظارہ میں بھی ہزار سر مستیاں بھری تھیں!  
مگر یہ بے باکیاں کہاں تھیں، ترے حجابِ نظر سے پہلے؟  
اٹھا جو چہرے سے پردہ شب، سمٹ کے مرکز پہ آگئے سب  
تمام جلوے جو منتشر تھے طلوعِ حُسنِ بشر سے پہلے  
مری طبیعت کو حُسنِ فطرت سے ربطِ باطن نہ جانے کیا ہے!  
مری نگاہیں کبھی نہ اٹھیں طہارتِ چشم تر سے پہلے  
وہ یادِ آغازِ عشق اب تک ایسے جان و دلِ حزیں ہے  
وہ اک جھجک سی، وہ اک جھپک سی، ہر التفاتِ نظر سے پہلے  
ہمیں تھے کیا جستجو کا حاصل، ہمیں تھے کیا آپ اپنی منزل؟  
وہیں پہ آ کر ٹھہر گیا دل، چلے تھے جس رہگذر سے پہلے  
بس ایک دل اور کیف و لذت، بس ایک ہم اور جمالِ فطرت  
یہ زندگی کس قدر حسین تھی، شعورِ فکر و نظر سے پہلے!  
ہمارے شوقِ جوں ادا کی، ستمِ ظریفی تو کوئی دیکھے!

کہ نامہ بر کو روانہ کر کے پہنچ گئے نامہ بر سے پہلے  
 کہاں تھی یہ رُوح میں لطافت، کہاں تھی کونین میں یہ وسعت؟  
 حیات ہی جیسے سو رہی تھی، کسی کی پہلی نظر سے پہلے  
 یہ نالہ کیوں ہے؟ یہ نغمہ کیوں ہے؟ یہ آہ کیسی؟ یہ واہ کیسی؟  
 یہ پوچھ لے آئینے کے دل سے نہ پوچھ اپنے جگر سے پہلے!



اگر نہ زُہرہ جبینوں کے درمیاں گذرے  
 جو تیرے عارض و گیسو کے درمیاں گذرے  
 مجھے یہ وہم رہا مدتوں کہ جرأتِ شوق  
 ہر اک مقامِ محبت بہت ہی دل کش تھا  
 جنوں کے سخت مراحل بھی تیری یاد کے ساتھ  
 مری نظر سے تری جستجو کے صدقے میں  
 ہجومِ جلوہ میں پروازِ شوق، کیا کہنا!  
 خطا معاف، زمانے سے بدگماں ہو کر  
 مجھے تھا شکوہ ہجران، کہ یہ ہوا محسوس  
 رہ وفا میں اک ایسا مقام بھی آیا  
 خلوص جس میں ہو شامل، وہ دورِ عشق و ہوس  
 اسی کو کہتے ہیں جنت، اسی کو دوزخ بھی  
 بہت حسین مناظر بھی حُسنِ فطرت کے  
 وہ جن کے سائے سے بھی بجلیاں لرزتی تھیں  
 مرا تو فرض چمن بندیٰ جہاں ہے فقط  
 کہاں کا حُسن، کہ خود عشق کو خبر نہ ہوئی  
 بھری بہار میں تارا جی چمن مت پوچھ  
 کوئی نہ دیکھ سکا جن کو، وہ دلوں کے سوا  
 کبھی کبھی تو اسی ایک مشت خاک کے گرد  
 بہت حسین سہی صحبتیں گلوں کی، مگر  
 ابھی سے تجھ کو بہت ناگوار ہیں، ہمد!

تو پھر یہ کیسے کٹے زندگی، کہاں گذرے؟  
 کبھی کبھی وہی لمحے بلائے جاں گذرے  
 کہیں نہ خاطرِ معصوم پر گراں گذرے  
 مگر ہم اہلِ محبت کشاں کشاں گذرے  
 حسین حسین نظر آئے، جواں جواں گذرے  
 یہ اک جہاں ہی نہیں، سینکڑوں جہاں گذرے  
 کہ جیسے رُوح ستاروں کے درمیاں گذرے  
 تری وفا پہ بھی کیا کیا ہمیں گماں گذرے!  
 مرے قریب سے ہو کر وہ ناگہاں گذرے  
 کہ ہم خود اپنی طرف سے بھی بدگماں گذرے  
 نہ رائیگاں کبھی گذرا، نہ رائیگاں گذرے  
 وہ زندگی جو حسینوں کے درمیاں گذرے  
 نہ جانے آج طبیعت پہ کیوں گراں گذرے!  
 مری نظر سے کچھ ایسے بھی آشیاں گذرے  
 مری بلا سے بہار آئے یا خزاں گذرے  
 رہ طلب میں کچھ ایسے بھی امتحاں گذرے  
 خدا کرے، نہ پھر آنکھوں سے وہ سماں گذرے!  
 معاملات کچھ ایسے بھی درمیاں گذرے  
 طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گذرے  
 وہ زندگی ہے جو کانٹوں کے درمیاں گذرے  
 وہ حادثات جواب تک رواں دواں گذرے



جنہیں کہ دیدہ شاعر ہی دیکھ سکتا ہے وہ انقلاب ترے سامنے کہاں گذرے  
 بہت عزیز ہے مجھ کو انہیں کی یاد جگر  
 وہ حادثاتِ محبت جو ناگہاں گذرے



آدمی، آدمی سے ملتا ہے دل مگر کم کسی سے ملتا ہے  
 بھول جاتا ہوں میں ستم اُس کے وہ کچھ اِس سادگی سے ملتا ہے  
 آج کیا بات ہے کے پھولوں کا رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے  
 سلسلہ فتنہ قیامت کا تیری خوشقامتی سے ملتا ہے  
 مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے  
 کاروبار جہاں سنورتے ہیں ہوش جب بیخودی سے ملتا ہے  
 رُوح کو بھی مزا محبت کا!  
 دل کی ہمسائیگی سے ملتا ہے













## افشاں

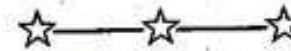
لطیف طبع کو لازم ہے سوزِ غم بھی لطیف چمن میں آتشِ گل کا کبھی دھواں نہ رہا



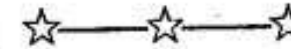
ہم نا مرادِ شوق جنے بھی تو کیا جنے! آنا تھا مفت یہ بھی اک الزام، آ گیا  
کیا کیا نگاہِ دوست ہوئی مجھ سے بدگماں! دم بھر کے واسطے بھی جو آرام آ گیا



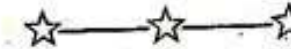
کیا کرے گا وہ کسی اور کا شیدا ہو کر جس نے اپنے کو نہ سمجھا کبھی اپنا ہو کر  
طعن کیا کیا نہ فرشتوں نے کئے تھے جس پر عرشِ پیا ہے وہی، خاک کا پتلا ہو کر  
ہے جو ملنا ہی مقدر، تو برابر سے ملے قطرہ دریا میں سمائے بھی تو دریا ہو کر



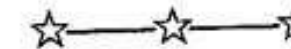
چھپتا ہے کہیں بانی بیدار کا عالم! ہونٹوں پہ تبسم ہے کہ فریاد کا عالم  
دیکھ اے نگہِ شوق، یہیں تک نہ ٹھہرنا اک اور تجھی ہے حسنِ خدا داد کا عالم



بچھے گی سوزِ غم سے رُوح کی پیاس اسی شعلہ کو بن جانا ہے شبنم



اُن کی جفا پہ ترکِ وفا کر رہا ہوں میں سائے کو زندگی سے جدا کر رہا ہوں میں  
میری ادائے شکرِ حضوری تو دیکھنا! صد شکوہِ فراق نما کر رہا ہوں میں



اللہ اللہ، آج حسنِ دوست کی غمازیاں! عشق ہی کو صرف اپنا رازداں سمجھا تھا میں



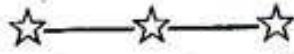
ارے غضب، ارے ستم، وہ اک نگاہِ حریفن جھکے اگر تو بت کدہ، اٹھے اگر تو بت شکن



دیکھا ہے عیش ہی میں یہ عالم بھی بار بار جس کا معاملہ ہو، اُسی کو خبر نہ ہو



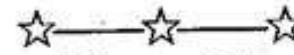
جگر ان حوادث سے گھبرا نہ جانا یہی تو ہے دلچسپیوں کا زمانہ



مجت رہ گئی، بن کر مکمل زندگی اپنی  
زمانہ تھا کبھی اپنا، یہ دُنیا تھی کبھی اپنی  
مبارک بیخودی اپنی، سلامت باخودی اپنی  
مگر اب تو نہ شامِ غم، نہ صبحِ زندگی اپنی  
حقیقت نے حقیقت جان لی، پہچان لی اپنی  
نگاہیں چار ہوتے ہی طلسمِ ظاہری ٹوٹا



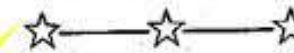
وہ کیا گئے بہارِ گلستاں لئے ہوئے  
دل بھی وہی ہے، غم بھی وہی، پھر یہ کیا آج  
ہر بھول ہے جراثیمِ پنہاں لئے ہوئے  
ہر اشک ہے تبسمِ پنہاں لئے ہوئے؟



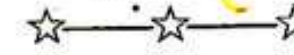
بہ شکلِ ناخدا جس میں ہیں اب تک جعفر و صادق  
وہ کشتی غرق ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے



تو ہلاکِ ہوش و تمکین، میں شہیدِ کیف و مستی  
تری زندگی بھی مستی، مری زندگی بھی مستی



ڈمگانے لگے ہیں پائے طلبِ دل ابھی ابتدائے راہ میں ہے  
میرے پندارِ عشق پر مت جا یہ ادائے نازِ گاہ گاہ میں ہے



## تجدیدِ مُلاقات

مدت میں وہ پھر تازہ مُلاقات کا عالم  
نغموں میں سمویا ہوا وہ رات کا عالم  
اللہ رے، وہ شدتِ جذبات کا عالم!  
چھایا ہوا وہ نشہِ صہبائے محبت  
وہ سادگیِ حسن، وہ محبوبِ نگاہی  
نظروں سے وہ معصومِ محبت کی تراوش  
عارض سے ڈھلکتے ہوئے شبنم کے دو قطرے  
بے شرطِ تکلف و پذیرائیِ الفت

خاموش اداؤں میں وہ جذبات کا عالم  
وہ عطر میں ڈوبے ہوئے لمحات کا عالم  
کچھ کہہ کے وہ بھولی ہوئی ہر بات کا عالم  
جس طرح کسی رندِ خرابات کا عالم  
وہ محشرِ صد شکر و شکایات کا عالم  
چہرے پہ وہ مشکوک خیالات کا عالم  
آنکھوں سے جھلکتا ہوا برسات کا عالم  
بے قیدِ تصنع وہ مدارات کا عالم



ایک ایک نظر شعر و شباب و مے و نغمہ  
 وہ نظروں ہی نظروں میں سوالات کی دنیا  
 نازک سے ترنم میں اشارات کے دفتر  
 پاکیزگی عصمت و جذبات کی دنیا  
 برہم وہ نظامِ دل و دنیائے تمنا  
 وہ عشق کی بربادی زندہ کا مرقع  
 وہ عارض پر نور، وہ کیف نگہ شوق!  
 وہ جرأت بے باک، وہ شوخی، وہ شرارت  
 تھک جانے کے انداز میں وہ دعوتِ جرأت  
 شرمائی لجائی ہوئی وہ حُسن کی دنیا  
 دو پھڑے دلوں کی وہ بہمِ صلح و صفائی  
 وہ عرش سے تافرش برستے ہوئے انوار  
 تا صبح وہ تصدیقِ محبت کے نظارے  
 عالم مری نظروں میں جگر اور ہی کچھ ہے  
 عالم ہے اگرچہ وہی دن رات کا عالم



## یاد

آئی جب اُن کی یاد تو آتی چلی گئی!  
 ہر منظرِ جمال دکھاتی چلی گئی  
 ہر واقعہ قریب تر آتا چلا گیا  
 ویرانہ حیات کے ایک ایک گوشہ میں  
 دل بھٹک رہا تھا آتشِ ضیقِ فراق سے  
 بے حرف و بے حکایت و بے ساز و بے صدا  
 جتنا ہی کچھ سکون سا آتا چلا گیا  
 کیفیتوں کو ہوش سا آتا چلا گیا  
 ہر نقشِ ما سوا کو مٹاتی چلی گئی  
 جیسے انہیں کو سامنے لاتی چلی گئی  
 ہر شے حسین تر نظر آتی چلی گئی  
 جو گن کوئی ستار بجاتی چلی گئی  
 دیکھ کو میگہار بناتی چلی گئی  
 رگ رگ میں نغمہ بن کے ساتی چلی گئی  
 اتنا ہی بے قرار بناتی چلی گئی  
 بے کیفیوں کو نیند سی آتی چلی گئی

کیا کیا نہ حسنِ یار سے شکوے تھے عشق کو  
تفریقِ حُسن و عشق کا جھگڑا نہیں رہا  
کیا کیا نہ شرمسار بناتی چلی گئی  
میں تشنہ کامِ شوق تھا، پیتا چلا گیا  
اُڑتی گئی، مجھے بھی اُڑاتی چلی گئی  
اک حُسنِ بے جہت کی فضائے بسیط میں  
پھر میں ہوں اور عشق کی بے تائیاں جگر  
اچھا ہوا، وہ نیند کی ماتی چلی گئی



## سراپا

وہ حُسنِ کافر، اللہ اکبر!  
وہ قدِ رعنا، وہ رُوئے رنگیں  
گیسو و عارض، شانہ بشانہ  
شرمائیں جن سے ساون کی راتیں  
مینا بدوشے، ساغر بہ چشمے  
وہ مست نظریں جب اٹھ گئی ہیں  
گفتارِ شیریں، رفتارِ نازک  
کشور کشائے دلہائے خوباں  
شہکارِ فطرت، اعجازِ قدرت  
گفتارِ مبہم، اجمالِ ہستی  
وہ بزمِ خلوت، وہ طرفِ گلشن  
وہ حُسنِ رقصاں، وہ جسمِ لرزاں  
جانِ توجہ، رُوحِ تغافل  
وہ امتزاجِ شرم و شرارت  
وہ موسمِ گل، وہ شیشہ و مثل  
نغمہ ہی نغمہ، خوشبو ہی خوشبو

تخریبِ دوراں، آشوبِ محشر  
عالم ہی عالم، منظر ہی منظر  
شامِ معطر، صبحِ متور  
وہ حلقہ ہائے زلفِ معنبر  
بربط بدستے، سے خانہ دربر  
ٹکرا گئے ہیں، ساغر سے ساغر  
خیام و حافظِ تسنیم و کوثر  
فرماں روائے جاہنائے مضطر  
تعبیرِ خوابِ مانی و آذر  
رفتارِ برہم، تفسیرِ محشر  
وہ دستِ سیمیں، وہ جامِ احمر  
وہ عشقِ حیراں، وہ شوقِ مضطر  
عریاں تبسم، پوشیدہ نشتر  
وہ احتیاطِ آداب پرور  
وہ کیف و مستی، وہ رُت، وہ منظر  
صہبا ہی صہبا، ساغر ہی ساغر

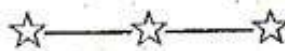


## قحطِ بنگال!

ہر چند کہ ہوں دُور، مگر دیکھ رہا ہوں  
 بے گور و کفن، خاک بہ سر دیکھ رہا ہوں  
 ماں باپ کو مایوس نظر دیکھ رہا ہوں  
 ہے شامتِ اعمال، جدھر دیکھ رہا ہوں  
 دیکھا نہیں جاتا ہے، مگر دیکھ رہا ہوں  
 تخریب بہ عنوانِ دگر دیکھ رہا ہوں  
 اک خیر بھی در پردہ شردیکھ رہا ہوں  
 بیتابی اربابِ نظر دیکھ رہا ہوں  
 جذبات میں طوفانِ شرر دیکھ رہا ہوں  
 میں صاف ان آنکھوں سے مگردیکھ رہا ہوں  
 صیاد کا لٹتے ہوئے گھر دیکھ رہا ہوں  
 اغیار کو مجبور سفر دیکھ رہا ہوں  
 اک ہاتھ پس پردہ در دیکھ رہا ہوں  
 ہونے کو ہے اس شب کو سحر، دیکھ رہا ہوں  
 اک خلد در آغوشِ نظر دیکھ رہا ہوں

بنگال کی میں شام و سحر دیکھ رہا ہوں  
 افلاس کی ماری ہوئی مخلوقِ سرِ راہ  
 بچوں کا تڑپنا، وہ پلکنا، وہ سسکنا  
 بے مہری و بیدردی و افلاس و غلامی  
 انسان کے ہوتے ہوئے انسان کا یہ حشر  
 تعمیر کے پردے میں یہ اندازِ حکومت  
 ہر چند کہ آثار تو کچھ اور ہیں، لیکن  
 بیداریِ احساس ہے ہر سمت نمایاں  
 خاموش نگاہوں میں اُٹتے ہوئے جذبات  
 انجامِ ستم اب کوئی دیکھے کہ نہ دیکھے  
 صیاد نے لوٹا تھا عنادل کا نشیمن  
 اربابِ وطن کو مری جانب سے ہو مودہ  
 اک تیغ کی چشمک سی نظر آتی ہے مجھ کو  
 رحمت کا چمکنے کو ہے پھر نیرِ تاباں  
 بیداری و آزادی و اخلاص و محبت

جو خواب کہ شرمندہ تعبیر تھا اب تک  
 اس خواب کی تعبیر جگر دیکھ رہا ہوں

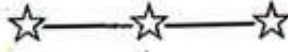


## پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے

لب پر ہیں جو خلوص کا دفتر لئے ہوئے  
 دل میں ہزار دشنہ و نشتر لئے ہوئے  
 سینے خباثوں کا سمندر لئے ہوئے  
 باطن میں لاکھ فتنہ محشر لئے ہوئے

ہندوستان میں خیر سے اُن کی کمی نہیں  
 دیتے ہیں بات بات پر انسانیت کا درس  
 چہرے جنوںِ حب وطن سے دھویں دھویں  
 ظاہر میں اک مجسمہ امن و آشتی

کہتے ہیں، بھائی بھائی ہیں اہل وطن تمام پھرتے ہیں آستیوں میں خنجر لئے ہوئے  
انسان جس میں بستے ہوں اس طرح کے جگر  
بھاگ ایسی سر زمین سے بستر لئے ہوئے



## آج کل

شاعر نہیں ہے وہ جو غزلخواں ہے آج کل  
بزم خیالِ بخت ویراں ہے آج کل  
سینہ تمام گنج شہیداں ہے آج کل  
انساں کے سائے سے بھی گریزاں ہے آج کل  
اور اس کا نام فصلِ بہاراں ہے آج کل  
رنگِ رخ بہار پر افشاں ہے آج کل  
تہذیبِ نفس سر بہ گریباں ہے آج کل  
خود زندگی متاعِ گریزاں ہے آج کل  
کم ظرفی مزاج نمایاں ہے آج کل  
ہر درد کا یہ نسخہ آسان ہے آج کل  
اندازِ حسن بن کے نمایاں ہے آج کل  
انسان کے لباس میں شیطان ہے آج کل  
ہندوستان میں کس قدر ارزاں ہے آج کل!  
انساں ہے اور ماتم انساں ہے آج کل  
ہے داغِ زندگی، جو مسلمان ہے آج کل  
کارِ ثواب و کارِ نمایاں ہے آج کل  
انسان کا شکار خود انساں ہے آج کل  
دراصل ایک پیکر بے جاں ہے آج کل  
کیا خوب اہتمام گلستاں ہے آج کل  
لیکن مفادِ عام کا عنوان ہے آج کل  
اُردو زباں پہ خاص کراہاں ہے آج کل

فکرِ جمیل خوابِ پریشاں ہے آج کل  
سازِ حیات، سازِ شکستہ ہے ان دنوں  
آنکھیں تمام مشہدِ عشق و جمال ہیں!  
انسانیت کہ جس سے عبارت ہے زندگی  
دل کی جراحوں کے کھلے ہیں چمن چمن  
صحنِ چمن میں بُوئے وفا کا پتہ نہیں  
تھکیلِ علم و کسبِ خطابت کے باوجود  
کیسا خلوص، کس کی محبت کہاں کا درد؟  
افسانہ بن گئی ہیں وسیع الخیالیاں  
سازش، دعا، فریب، سخن پروری، دروغ  
اخلاق ایک فن ہے جو عصرِ جدید میں  
شائستگی کے بھیس میں یہ رُوحِ زندگی  
وہ قومیت کہ جس سے ہے انسانیت ذلیل  
دہلی و دہرہ دون، نواکھالی و بہار  
ہے زخمِ کائنات جو ہندو ہے ان دنوں  
تعداد ایک فرقے کی جتنی بھی گھٹ سکے  
وہ دن گئے کہ طائرِ مقصود تھا شکار  
کہتے ہیں جس کو صورتِ آزادیِ وطن!  
کانٹے کسی کے حق میں، کسی کو گل و ثمر  
سرمایہ داریوں کی طرف داریاں ہیں سب  
ہونے کو یوں تو روز نئی ہیں عنایتیں



نسبت اب اس کو شہدِ مستور سے کہاں؟ شاعر ہے اور پیکرِ عریاں ہے آج کل  
کچھ رہبرانِ قوم، جو مخلص ہیں واقعی اُن کا چراغ بھی تہہ داماں ہے آج کل  
لیکن میں دیکھتا ہوں کہ در پردہ شہود فطرت کا انتقام خراماں ہے آج کل

اس سے تو خودکشی ہی غنیمت ہے، اے جگر!  
وہ مصلحت، جو پیشہ مرداں ہے آج کل

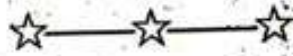


## گاندھی جی کی یاد میں

وہی ہے شور ہائے وہو، وہی ہجومِ مرد و زن  
وہی زمیں، وہی زماں، وہی مکیں، وہی مکاں  
وہی ہے شوقِ نوبہ نو، وہی جمالِ رنگ رنگ  
ترقیوں پہ گرچہ ہیں تمدن و معاشرت  
شرابِ نوکی مستیاں کہ الحفیظ والاماں!!  
یہ نعمتِ حیات ہے، کہ ہے اجل ترانہ سنج  
ہزار دو ہزار ہیں اگرچہ رہبرانِ ملک  
وہی مہاتما، وہی شہیدِ امن و آشتی!

مگر وہ حسنِ زندگی، مگر وہ جنتِ وطن  
مگر سرورِ یکِ دلی، مگر نشاطِ انجمن  
مگر وہ عصمتِ نظر، طہارتِ لب و دہن  
مگر وہ حسنِ سادگی، وہ سادگی کا بانگِ پن  
مگر وہ اک لطیف سا سرورِ بادۂ کہن  
یہ دورِ کائنات ہے، کہ رقص میں ہے اہرمن؟  
مگر وہ پیرِ نوجواں، وہ ایک مردِ صفتِ شکن  
تھا پریم جس کی زندگی، خلوص جس کا پیرِ پن

وہی ستارے ہیں، مگر کہاں وہ ماہتابِ ہند؟  
وہی ہے انجمن، مگر کہاں وہ صدرِ انجمن!؟



## آوازیں

اگرچہ صدیاں گذر چکی ہیں مگر زہے کار و پارِ فطرت!  
وہی خزاں کا ہے رقصِ عریاں، وہی ہے جشنِ بہارِ اب بھی  
چمن کے ماںی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی  
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر، چمن سے رُوٹھی بہار اب بھی  
نسیم ہے آج بھی طربِ زاء، درخت ہیں سایہ دار اب بھی  
مگر وہ انساں کہ جس کے چھونے سے جلتے ہیں برگ و بار اب بھی

انہیں خبر کیا نہیں ہے اس کی، انہیں میں ہیں فتنہ کار اب بھی؟  
 مگر وہ ہیں وقت و مصلحت کے قدیم و تازہ شکار اب بھی  
 مصیبتوں کو پیامِ عشرت، کہ عقل ہے کج روی کی جانب  
 صعوبتوں کو نویدِ راحت، جنوں ہے آہستہ کار اب بھی  
 اگرچہ آزادیِ وطن کو گذر چکا ایک سال کامل  
 مگر خود اہل وطن کے ہاتھوں فضا ہے ناسازگار اب بھی  
 خود اپنی بد نیتی کے ہاتھوں بُرے نتائج بھگت رہے ہیں  
 صداقتوں سے، حقیقتوں سے، وہی ہے لیکن فرار اب بھی  
 زمین بدلی، زمانہ بدلا، مگر نہ بدلے تو وہ نہ بدلے  
 جو تنگ و تاریک ذہنیت تھی، وہی ہے برزوںے کار اب بھی  
 یہ زندگی غیر مطمئن سی، شکوک و شبہات کی یہ دُنیا  
 مگر وہ فرمائے جا رہے ہیں کہ رشتہ ہے استوار اب بھی  
 کوئی یہ چپکے سے اُن سے پوچھے، کہاں گئے آپ کے وہ وعدے؟  
 نچوڑتا ہے لہو غریبوں کا دستِ سرمایہ دار اب بھی!  
 سفارشیں ظالموں کے حق میں پیامِ رحمت بنی ہوئی ہیں!  
 نہیں ہے شائستہ سماعت دُکھے دلوں کی پکار اب بھی  
 اسی کا ہے نام اگر ترقی، تو اس ترقی سے باز آئے  
 کہ خونِ مخلوق سے خدا کی زمین ہے لالہ زار اب بھی  
 ہمیں ملا کر بھی خاک و خون میں نہیں ہیں وہ مطمئن ابھی تک

ہماری خاکِ لحد کے ذرے ہیں اُن کے دامن پہ بار اب بھی  
 جو جو جشنِ نظامِ نو ہیں، پکار کر اُن سے کہہ رہا ہوں  
 یہ جان ہے سوگوار اب تک، یہ دل ہے ماتم گسار اب بھی  
 منافقت کی ہزار باتیں وہ سنتے رہتے ہیں اور خوش ہیں  
 مگر صداقت کی صاف و سادہ سی بات ہے ناگوار اب بھی  
 نہ وہ مرؤت، نہ وہ صداقت، نہ وہ محبت، نہ وہ شرافت  
 رہیں خوف و خطر ہیں یعنی، سکونِ امن و قرار اب بھی



زبان و دل میں نہ ربطِ صادق، نہ باہمی وہ خلوصِ کامل  
جو تھے غلامانہ زندگی میں، وہی ہیں لیل و نہار اب بھی  
غلط یہ جمہوریت کے دعوے دروغ یہ زندگی کے نقشے  
دلیل اس کی یہی ہے کافی کہ ذہن ہے تنگ و تار اب بھی  
یہ جشنِ آزادیِ وطن ہے، مگر اسی جشن و سرخوشی میں  
بہت ہیں سینہ فگار اب بھی، بہت ہیں بے روزگار اب بھی  
یہی جو سادہ سے قہقہے ہیں، یہی جو پھیکے سے ہیں تبسم!  
انہیں کی تہ میں بہت سے اشکوں کے ہیں رواں آبشار اب بھی  
گرانیاں اُس طرف وہ ارزاں، ادھر یہ افلاس و تنگ دستی  
مگر حکومت کا ہے یہ عالم، ذرا نہیں شرمسار اب بھی  
ہزارہا انقلاب دیکھے، ہزارہا تجربوں سے گذرے  
خرو میں تنگی، عمل میں لغزش، جُوں ہے ناچختہ کار اب بھی  
یہ رشوتوں کی، یہ سازشوں کی، یہ نفع اندوزیوں کی لعنت  
وہ خود ہی انصاف سے یہ کہہ دیں نہیں وہ کچھ ذمہ دار اب بھی  
انہیں کے حلقوں سے خود انہیں کی مخالفت عام ہو رہی ہے  
ہماری جانب سے لیکن اُن کی نظر ہے بیگانہ وار اب بھی  
کہاں کی دلداری و محبت، تلافیوں کا تو ذکر ہی کیا؟  
حقوق پامال کر رہے ہیں، حقوق کے پہرہ دار اب بھی  
کبھی ہوئی ہے نہ ہو سکے گی، مسرت آزادیوں کی حاصل  
کہ عام انسانیت کا عالم ہے تشنہ و بے قرار اب بھی

وسیع مسلک، رفیع فطرت، خلوصِ ایماں، خلوصِ نیت  
انہیں فضائل پہ ہے وطن کے وقار کا انحصار اب بھی  
زمانہ کیا کیا نہ کہہ چکا ہے، زمانہ کیا کیا نہ کہہ رہا ہے  
مگر وہ ہیں وضع دار ایسے، ذرا نہیں شرمسار اب بھی  
خلوصِ نیت سے صرف اپنی ہی زندگی پر کریں توجہ  
خلوصِ نیت کی منتظر ہے سعادتِ کردگار اب بھی

کبھی کبھی غور کرتے رہیے، جگر کا مصرع یہ پڑھتے رہیے  
 چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن کی روٹھی بہار اب بھی  
 جگر کی ہے زندگی محبت، نہیں ہے اس کو کسی سے نفرت  
 جگر کے دل میں ہے سب کی عزت، جگر ہے یاروں کا یار اب بھی



## گذر جا!

اس کارگہ مکر و ضلالت سے گذر جا  
 جنت بھی میسر ہو تو جنت سے گذر جا  
 ہمت ہے تو محدود محبت سے گذر جا  
 ہر سادہ و پُر کار عبادت سے گذر جا  
 زورِ قلم و جوشِ خطابت سے گذر جا  
 اظہارِ وفا، جوشِ عقیدت سے گذر جا  
 اٹھ اور اب اس قصرِ مذلت سے گذر جا  
 ہر مرحلہ شکر و شکایت سے گذر جا  
 اٹھ اور ہر آسانی لذت سے گذر جا  
 قسمت کو بنانا ہے تو قسمت سے گذر جا  
 راحت کی تمنا ہے تو راحت سے گذر جا  
 بہتر ہے کہ اس صبر و قناعت سے گذر جا  
 اس فلسفہ دانش و حکمت سے گذر جا  
 ہر قصرِ فلک بوس کی رفعت سے گذر جا  
 کچھ سوچ کے اس منظرِ عبرت سے گذر جا  
 اے تنگِ طلب! وقفہِ راحت سے گذر جا  
 لڑتا ہوا ہر کفر و ضلالت سے گذر جا  
 پُر پیچ گذر گاہِ سیاست سے گذر جا  
 ہر ناقص و محدود جماعت سے گذر جا  
 نفرت سے، عداوت سے، شقاوت سے گذر جا

بازمچہ اربابِ سیاست سے گذر جا  
 ہر عشرتِ بے وقت و محنت سے گذر جا  
 جرات ہے تو ہر نیم صداقت سے گذر جا  
 ہر تنگ نظر اہل صحافت سے گذر جا  
 الفاظ نہیں دام ہیں یہ مکر و دغا کے  
 خود داری بیباک شرافت کا ہے جو ہر  
 تاچند یہ توہینِ حقوقِ رعیت  
 سر تا بقدم پیکرِ ایثار و عمل بن!  
 کرنا ہے اگر کارِ نمایاں کوئی تجھ کو  
 قسمت تری خود ہے ترے کردار میں مضمحل  
 جینا جو ہے منظور تو جینے کی نہ کر فکر  
 جو صبر و قناعت تجھے مفلوج بنا دے  
 پیدا نہ کرے تجھ میں جو پاکیزگیِ روح!!  
 نادار کی مجبوریِ ذہنی کی طرف دیکھ  
 ٹھلے ہوئے اجسام، سسکتی ہوئی رُو میں  
 ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام!  
 دنیا کے ہے رزم گہ شیطنت و حق  
 سیدھی سی بس اک راہِ صداقت پہ چلا چل  
 انسانیتِ عام کے مرکز کی بنا ڈال  
 اوروں کے لئے چھوڑ یہ تاریک مقامات



ہر تازہ غم و رنج و مصیبت سے گذر جا  
 بچ کر نہ اس آشوبِ ہلاکت سے گذر جا  
 کر خدمتِ مخلوق، تجارت سے گذر جا  
 سردے کے تو میدانِ شہادت ہے گذر جا  
 تو صرف اک اندازِ حقارت سے گذر جا  
 ہر واہمہٴ قلت و کثرت سے گذر جا  
 ٹھکرا کے قیامت کو، قیامت سے گذر جا  
 مقصد یہ نہیں فہم و فراست سے گذر جا  
 ہر جزوی و محدود حقیقت سے گذر جا  
 کونین کی ہر وسعت و رفعت سے گذر جا  
 بارعب و دل آویز متانت سے گذر جا  
 ہنتا ہوا ہر جبرِ حکومت سے گذر جا  
 رنگ و وطن و قوم کی لعنت سے گذر جا

لیتا ہوا اک درسِ حیاتِ ابدی کا  
 حق پر ہے اگر تو تو شہادت کا مزہ چکھ  
 ہے خدمتِ مخلوق ہی نعم البدل اپنا  
 ملت کی بقا ہے تری اس موت میں پنہاں  
 سرمایہ و سازش کے یہ مردود عزائم!  
 توحید کی طاقت کو بنا اپنا معاون  
 حائل ہو قیامت بھی اگر راہ میں تیری!  
 بیباک گذر رزم گہ دہر سے، لیکن!  
 تو حُسن کے اک دائرہ گل کی طرف آ  
 کونین تری وسعت و رفعت میں ہے خود نحو  
 تجھ پر جو گروہِ جہلا طنز کرے کچھ!  
 ہوتی ہے یونہی نشوونما فکر و عمل کی  
 انسان بن انسان، یہی ہے تری معراج

تیرے یہ پیامات جگر ہم کو مبارک!  
 تو بھی تو اب اس پستیِ عزلت سے گذر جا



## نوائے وقت!

بڑھو! بڑھو! کہ چار سو پکار ہی پکار ہے  
 وہ وقت ہے کہ آدمی کا آدمی شکار ہے  
 کہ زندگی تمام تر بساطِ کار زار ہے  
 ستم کہ، زد میں آندھیوں کی شمع روزگار ہے  
 بڑھے چلو، بڑھے چلو! یہ وقت کی پکار ہے

اٹھو اٹھو! کہ زندگی ہی زندگی پہ بار ہے  
 وہ وقت ہے کہ علمِ حق ہے علمِ شیطننت میں گم  
 کہاں کے مطرب و غزل، کہاں کے شاہد و چمن  
 غضب کہ چھائی جا رہی ہیں ظلمتوں کی بدلیاں  
 زمیں کو روندتے ہوئے، صفوں کو چیرتے ہوئے



## زمانے کا آقا، غلام زمانہ

کدھر ہے تو اے بُرأتِ باغیانہ  
گھلا بابِ زنداں تو کیا اس سے حاصل  
محبت اڑی جا رہی ہے دلوں سے  
شرافت کا معیار افراطِ دولت  
زیانوں پہ اصلاحِ قومی کے نعرے  
غریبوں پہ جو کچھ گذرتی ہے، گذرے  
جسمِ خود اک پیکرِ مادیت  
دلائل کی ہنگامہ آرائیوں میں  
نتائج سے بھی آنکھ کھلتی نہیں ہے  
بشر کی یہ پستی، ارے توبہ توبہ!

زمانے کا آقا، غلام زمانہ!!



## دل حسین ہے تو محبت بھی حسین پیدا کر!

پہلے تو حسنِ عمل، حسنِ یقین پیدا کر  
یہی دنیا کہ جو بُت خانہ بنی جاتی ہے  
روحِ آدمِ نگراں کب سے ہے تیری جانب  
خس و خاشاک تو ہم کو جلا کر رکھ دے  
غم میتر ہے تو اس کو غمِ کونین بنا  
آسماں مرکبِ خلیل و تصورِ گب تک؟  
دل کے ہر قطرہ میں طوفانِ تجلی بھر دے  
بندگی یوں تو ہے انسان کی فطرت لیکن  
پستی خاک پہ کب تک تری بے بال و پری

پھر اسی خاک سے فردوسِ بریں پیدا کر  
اسی بُت خانے سے کعبے کی زمیں پیدا کر  
اٹھ اور اک جنتِ جاوید یہیں پیدا کر  
یعنی آتشِ کدہ سوزِ یقین پیدا کر  
دل حسین ہے تو محبت بھی حسین پیدا کر  
آسماں جس سے تجل ہو وہ زمیں پیدا کر  
بطنِ ہر ذرہ سے اک مہر میں پیدا کر  
ناز جس پر کریں سجدے وہ جہیں پیدا کر  
پھر مقامِ اپنا سرِ عرشِ بریں پیدا کر



عشق زندہ و پائیدہ حقیقت ہے جگر  
عشق کو عام بنا، ذوقِ یقین پیدا کر!  
☆—☆—☆

## اعلانِ جمہوریت

(۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء)

جو بے قرار ہیں اب تک، انہیں قرار آئے  
کہ پھول ہی نہیں، کانٹوں پہ بھی نکھار آئے  
وہ زندگی ہو کہ خود زندگی کو پیار آئے  
کلی اگر کوئی چٹکے، صدائے یار آئے  
کہیں بہار نہ آئے، کہیں بہار آئے  
کوئی ہو جامِ بکف، کوئی شرمسار آئے  
کہ شاخِ خشک میں بھی پھر سے برگ و بار آئے  
کہ پھر اس اجڑے گلستاں میں بھی بہار آئے  
دلوں تک آئے جو غم بھی، تو خوشگوار آئے  
نگاہِ لطف و محبت بڑھے، سنوار آئے  
یہ فتنہ بن کے نہ آشوبِ روزگار آئے  
نظر ہر ایک بدی کا مالِ کار آئے  
کہ جن کے ذکر سے انسانیت کو عار آئے  
حقیقتہً بھی زمانے کو سازگار آئے  
نہ یہ کہ ذکرِ زباں پر ہی بار بار آئے  
کسی کے آئینہٴ قلب پر غبار آئے  
اگر نہ کور نگاہی بروئے کار آئے  
نہ آئی ہے وہ سیاست، نہ سازگار آئے  
کہ جو زبان کہے، دل کو اعتبار آئے  
مگر جو آج کے انساں کو اعتبار آئے

خدا کرے کہ یہ دستور سازگار آئے  
بہار آئے اور اس شان کی بہار آئے  
وہ سرخوشی ہو کہ خود سرخوشی بھی رقص کرے  
کھلے جو پھول تو دے جسمِ ناز کی خوشبو  
چمن چمن ہی نہیں جس کے گوشے گوشے میں  
یہ میکدے کی، یہ ساقی گری کی ہے توہین  
خلوص و ہمتِ اہل چمن پہ سے موقوف  
جنونِ عشق ہو صالح اگر، تو ممکن ہے  
مذاقِ عشق بدل دے، مزاجِ کون و فساد  
نظامِ خلق و مروت کبھی جو برہم ہو  
دلوں پہ نقش نہ رہ جائے کوئی نفرت کا  
برائی کرنے سے ہی کاش ہر ایک انسان کو  
وہ حادثاتِ زمانے سے محو ہو جائیں  
نمائشی ہی نہ ہو، یہ نظامِ جمہوری  
خلوص و عدل و مساواتِ دل میں گھر کر لیں  
ضمیر صاف ہو اپنا تو غیر ممکن ہے  
محبت آج بھی مشعلِ فروز منزل ہے  
دلوں کی کھوٹ ہو جس کے ضمیر میں شامل  
زبان و دل میں بہم ارتباط ہو ایسا  
بنا دیا ہے محبت نے آگ کو گلزار

نہ ہو جو عام مسرت، مجال ہے، اے دوست  
کہ زندگی کو کسی حال میں قرار آئے



## ساقی سے خطاب

ساقی اور رند دونوں میخانہ روحانیت سے وابستہ ہیں۔ دونوں میں شدید  
محبت ہے۔ جہاں ساقی عظیم المرتبت ہے وہاں رند بھی معمولی رند نہیں، بلکہ ایک  
خاص مرتبہ رکھتا ہے۔ عصر جدید کے حالات سے متاثر ہو کر رند میخانہ کی زندگی  
ترک کرنا اور جدوجہد دنیا میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور ساقی سے اجازت کا طالب  
ہوتا ہے۔ ساقی کو خیال ہوتا ہے کہ عملی دنیا میں خدا جانے رند سے کیا کیا لغزشیں  
ہوں۔ لیکن رند پر ساقی کا احساس منکشف ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہہ کر ساقی کو مطمئن  
کرنا چاہتا ہے۔

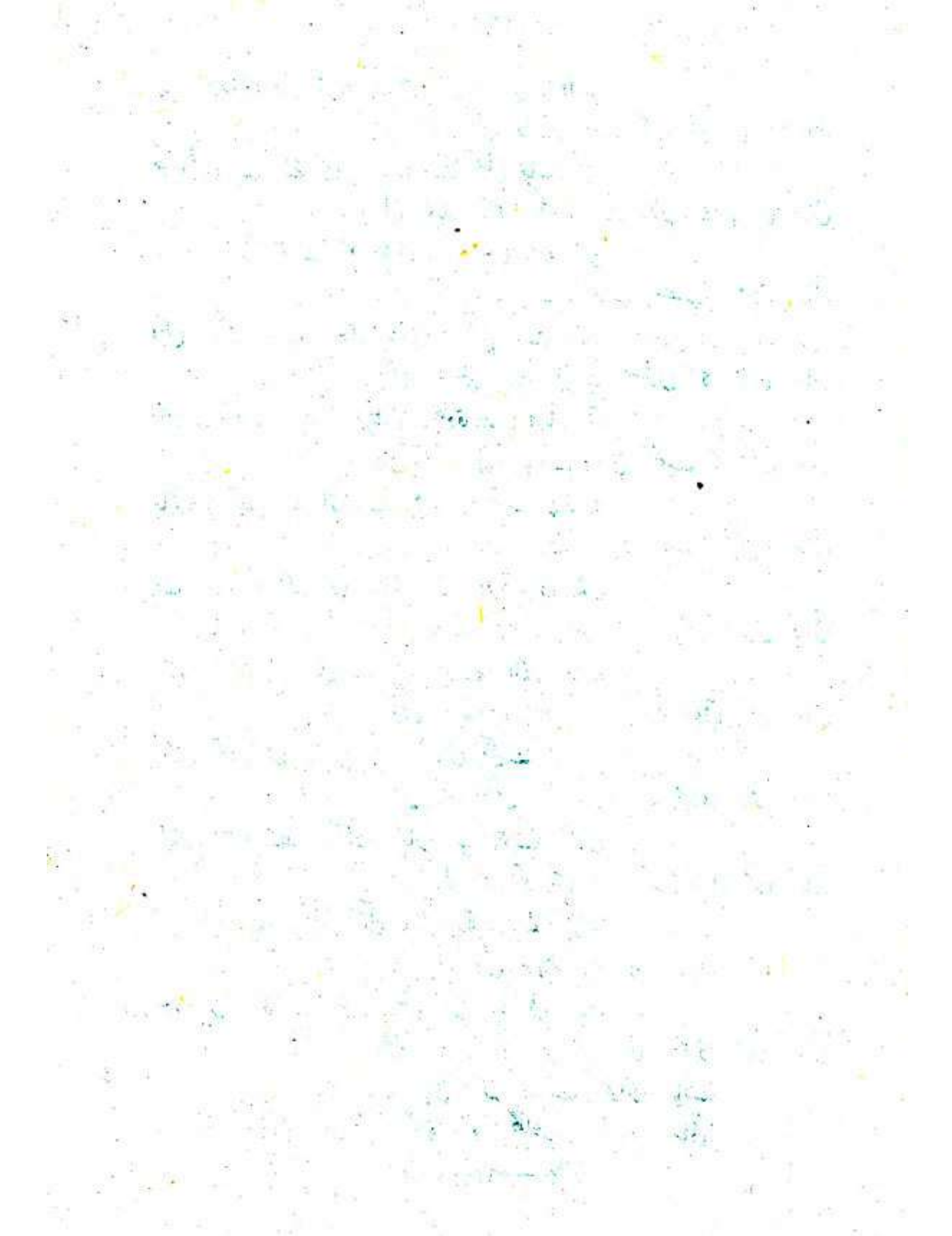
نہ لا و سواس دل میں جو ہیں تیرے دیکھنے والے  
سرِ مقتل بھی دیکھیں گے چمن اندر چمن ساقی  
اسی کے ساتھ نظم میں معیارِ جُوں، تنظیم میخانہ، انسان اور انسانیت، وطن اور وطنیت  
وغیرہ وغیرہ کے متعلق بھی رند یعنی شاعر کے نظریات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔!!



کہاں سے بڑھ کے پہنچے ہیں، کہاں تک علم و فن ساقی!  
مگر آئودہ انساں کا نہ تن ساقی، نہ من ساقی  
یہ سُنتا ہوں کہ پیاسی ہے بہت خاکِ وطن ساقی  
خدا حافظ! چلا میں باندھ کر سر سے کفن ساقی  
سلامت تو، ترا میخانہ، تری انجمن ساقی!  
مجھے کرنی ہے اب کچھ خدمتِ دار و رسن ساقی!  
رگ و پے میں کبھی صہبا ہی صہبا رقص کرتی تھی  
مگر اب زندگی ہی زندگی ہے موج زن ساقی  
کبھی میں بھی تھا شاہد در بغل، تو بہ شکن، مے کش  
مگر بننا ہے اب خنجر بکف، ساغر شکن ساقی



نہ لا دسواں دل میں، جو ہیں تیرے دیکھنے والے  
 سرِ مقتل بھی دیکھیں گے چمن اندر چمن ساقی  
 جو دشمن کے لئے بھی سر سے اپنے کھیل جاتے ہیں  
 دلِ خوابوں میں چُھٹتا ہے انہیں کا بانگین ساقی  
 ترے جوشِ رقابت کا تقاضا کچھ بھی ہو، لیکن  
 تجھے لازم نہیں ہے ترکِ منصبِ دفعۃً ساقی  
 ابھی ناقص ہے معیارِ جُوں، تنظیمِ مے خانہ  
 ابھی نامعتبر ہے تیرے مستوں کا چلن ساقی  
 وہی انسان جسے سرتاجِ مخلوقات ہونا تھا  
 وہی اب سی رہا ہے اپنی عظمت کا کفن ساقی  
 لباسِ حریت کے اڑ رہے ہیں ہر طرف پُرنے  
 بساطِ آدمیت ہے شکن اندر شکن ساقی  
 مجھے ڈر ہے کہ اس ناپاک تر دورِ سیاسی میں  
 بگڑ جائے نہ خود میرا مذاقِ شعر و فن ساقی  
 کہیں ملحد نہ بن جائیں مرے افکارِ سنجیدہ  
 کہیں مُرد نہ ہو جائے مرا ذوقِ سخن ساقی  
 کہیں خودِ حسن رہ جائے نہ قومی ملکیت بن کر  
 کہیں خودِ عشق ہو جائے نہ محذودِ وطن ساقی  
 کہاں ہیں رہِ سرگشتہ، کہاں یہ دعوائے تمکین  
 سمجھ لے اس کو بھی میرا اک اندازِ سخن ساقی  
 عجب کیا ہے، یہ بہکی بہکی باتیں رنگ لے آئیں!  
 بہت بار ہوش رہتا ہے مرا دیوانہ پن ساقی  
 نمودِ صُحیحِ کاذب ہی دلیلِ صُحیحِ صادق ہے  
 افق سے زندگی کی دیکھ وہ ابھری کرن ساقی  
 بدہ جامِ مے باقی کہ درختِ نخواہی یافت  
 سوادِ ساحلِ گنگا و گلکشتِ چمن ساقی!





# شُعْلَهٗ طُور

ہجومِ تجلی سے معمور ہو کر  
نظر رہ گئی شعلہٗ طُور ہو کر

میں اپنی ادبی کاوشوں اور جگر پاروں کو مولائی و  
 آقائی حضرت مولانا اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی قبلہ  
 مرحوم و مغفور کے اسم گرامی پر، جن کے فیضانِ توجہ اور  
 برکات تربیت کا نتیجہ وہ سب کچھ ہے جو ”شعلہ طور“ کی  
 صورت میں حاضر کیا جا رہا ہے..... اور..... مخدوم و محترم  
 صفی الدولہ حسام الملک، شمس العلماء، نواب علی حسن خان  
 صاحب طاہر مرحوم کے نام نامی پر، جن کی سعیِ بلیغ کا یہ  
 کرشمہ تھا کہ ”شعلہ طور“ مکمل تہذیب و ترتیب کے  
 ساتھ پیش کیا جاسکا..... اپنے دل کی تمام گہرائیوں کے  
 ساتھ معنون کرتا ہوں۔

..... جگر مراد آبادی



# نغماتِ جگر

یعنی

انتخابِ داغِ جگر

(دوراؤل)

کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا  
جب اُس رُخ پر نور کا جلوہ نظر آیا  
یہ حسن، یہ شوخی، یہ کرشمہ، یہ ادائیں  
اک سرخوشی عشق ہے، اک بیخودی شوق  
قربان تری شانِ عنایت کے دل و جاں  
جب دیکھ نہ سکتے تھے، تو دریا بھی تھا قطرہ  
ہر رنگ ترے رنگ میں ڈوبا ہوا نکلا  
آنکھوں نے دکھادی جو ترے غم کی حقیقت

جس رنگ میں دیکھا تجھے یکتا نظر آیا  
کعبہ نظر آیا نہ کلیسا نظر آیا  
دنیا نظر آئی مجھے، تو کیا نظر آیا  
آنکھوں کو خدا جانے، مری کیا نظر آیا  
جب آنکھ کھلی، قطرہ بھی دریا نظر آیا  
اس کم نمبھی پر مجھے کیا کیا نظر آیا  
ہر نقش ترا نقشِ کف پا نظر آیا  
عالم مجھے سارا تہہ و بالا نظر آیا

ہر جلوے کو دیکھا ترے جلووں سے منور

ہر بزم میں تو انجمنِ آرا نظر آیا

☆—☆—☆

پیوست دل میں جب تیرا تیر نظر ہوا  
کچھ داغِ دل سے تھی مجھے امید عشق میں  
تھم تھم کے اُن کے کان میں پہنچی صدائے دل  
سینے میں پھر بھڑکنے لگی آتشِ فراق  
رگ رگ نے صدقے کر دیا سرمایہ شکیب  
فریاد کیسی؟ کس کی شکایت؟ کہاں کا حشر؟

کس کس ادا سے شکوہ دردِ جگر ہوا  
سو رفتہ رفتہ وہ بھی چراغِ سحر ہوا  
اُڑ اُڑ کے رنگِ چہرہ مرا نامہ بر ہوا  
دامن سے پھر معاملہ چشم تر ہوا  
اللہ! کس کا خانہ دل میں گذر ہوا  
دُنیا ادھر کو ٹوٹ پڑی وہ جدھر ہوا

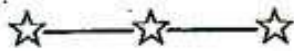
وارثگی شوق کا اللہ رے کمال! جو بے خبر ہوا، وہ بڑا با خبر ہوا  
 حسرت اُس ایک طائرِ بیکس پر، اے جگر  
 جو فصلِ گل کے آتے ہی بے بال و پر ہوا



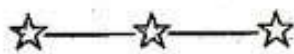
تم مجھ سے چھوٹ کر رہے سب کی نگاہ میں میں تم سے چھوٹ کر کسی قابل نہیں رہا  
 دل کونہ چھیڑ، اے غمِ فرقت! کہ اب یہ دل تیرے بھی التفات کے قابل نہیں رہا  
 اُٹھتے ہیں تیری راہ میں جب سے مرے قدم  
 احساسِ قرب و دوریٰ منزل نہیں رہا



تجھ کو تسلیم حسین ساری جماعت نے کیا دیکھ، کیا کام مرے دردِ محبت نے کیا  
 اللہ اللہ، یہ تاثیرِ فغانِ شبِ ہجر  
 خیرِ مقدم مرے نالوں کا قیامت نے کیا



سُم کا عدو مستحق ہو گیا مرا دل سراپاِ قلق ہو گیا  
 سنانے چلے تھے انہیں حالِ دل نظر ملتے ہی رنگِ فق ہو گیا  
 جو کچھ بچ رہا تھا مرا خونِ دل وہی آسماں پر شفق ہو گیا  
 چھپائے ہوئے تھے ترا رازِ عشق مگر اب تو سینہ بھی شق ہو گیا  
 مری موت سن کر، کیا اُس نے ضبط  
 مگر رنگِ چہرے کا فق ہو گیا



گھڑی بھر میں نا آشنا ہو گیا نہ جانے مرے دل کو کیا ہو گیا  
 ڈھرنکنے لگا دل، نظر جھک گئی کبھی اُن سے جب سامنا ہو گیا  
 مرے سر پر احسان تھا عشق کا مرا رنگ ہی دوسرا ہو گیا  
 نمایاں ہیں چہرے سے آثارِ عشق جگر آج سے با خدا ہو گیا



تری یاد کی اُف یہ سرمستیاں کوئی جیسے پی کے شراب آ گیا  
 مرا ان کا بننا بگڑنا ہی کیا نگاہیں ملیں اور حجاب آ گیا



اداؤں میں شوخی چھلکنے لگی قیامت کو لے کر شباب آ گیا  
 ادھر جوشِ مستی، ادھر چشمِ شوق مصیبت میں بند نقاب آ گیا  
 جگر یہ قیامت کی بے ہوشیاں  
 اٹھو سر پہ اب آفتاب آ گیا

☆—☆—☆

بغور دیکھ لو انداز میرے مٹنے کے یہ سانحہ نہ کبھی پھر نظر سے گزرے گا  
 قریب سرحدِ حرماں، جگر، ٹھہر جاؤ!  
 سنا ہے قافلہٴ غم ادھر سے گزرے گا

☆—☆—☆

تصویرِ امیدوں کی آئینہ ملا لوں کا انساں جسے کہتے ہیں، محشر ہے خیالوں کا  
 کیا خاکِ جواب اُن کو دوں اُن کے سوالوں کا لبِ خشک ہیں زخموں کے، منہ بند ہے چھالوں کا  
 ہاں ٹھیس نہ لگ جائے، اے دردِ غمِ فرقت!  
 دل آئینہ خانہ ہے آئینہ جمالوں کا

☆—☆—☆

دل پہ طاری بے حسی و ضعف کا عالم ہوا گھٹ گئی اتنی ہی طاقت، درد جتنا کم ہوا  
 آہ رو لینے سے بھی کب بوجھِ دل کا کم ہوا  
 جس کسی کی یاد آئی، پھر وہی عالم ہوا

☆—☆—☆

حشر کے دن وہ گنہگار نہ بخشا جائے جس نے دیکھا تری آنکھوں کا پشیمان ہونا  
 پردہ رکھنا تھا جو منظور تو عاشق کے لئے دامنِ یار کو لازم تھا گریباں ہونا  
 سن کے افسانہٴ غمِ باغ میں گملا گئے مھول شاق گذرا مجھے بلبل کا غزل خواں ہونا  
 جس کو نعمت یہ ملے، کیوں وہ رہے آزرده  
 سو خوشی، ایک ترے غم میں پریشاں ہونا

☆—☆—☆

پریشاں ہو کے زلفوں کا وہ اُس رخ پر بکھر جانا وہ سوتے سوتے چونک اٹھنا، وہ لیٹے لیٹے ڈر جانا  
 ہراک لرزش پہ چیخ اٹھنا ہراک جنبش پہ ڈر جانا قفس تک، ہائے میرا اس طرح بے بال و پر جانا

☆—☆—☆

نقشِ وفا کا رنگ مٹایا نہ جائے گا      مل بھی گیا جو زہر، تو کھایا نہ جائے گا  
 سر سے جنونِ عشق کا سایا نہ جائے گا      تم سے بھی یہ طلسم مٹایا نہ جائے گا  
 دل نے اگر چھپا بھی لیا داغِ آرزو      آنکھوں سے تو یہ راز چھپایا نہ جائے گا  
 مجھ ناتوانِ عشق کو سمجھا ہے تم نے کیا      دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا  
 ان کو بلا کے اور پشیمان ہوئے جگر  
 یہ کیا خبر تھی، ہوش میں آیا نہ جائے گا



جان ہے بے قراری، جسم ہے پائمال سا      اب نہ وہ داغ، وہ جگر، صرف ہے اک خیال سا  
 چاہیے عشق میں مجھے آپ ہی کا جمال سا      داغ ہر ایک بدر سا زخم ہر اک ہلال سا  
 جس نے بنا دیا مجھے وحشی و خستہ حال سا      ہائے! وہ شکل چاند سی ہائے وہ قد نہال سا  
 دل پہ مرے گرائی تھیں تم نے ہی بجلیاں، مگر      آؤ نظر کے سامنے، مجھ کو ہے احتمال سا  
 ہائے رے وہ عتاب میں اُن کی ادائیں اُن کی شکل      آنکھیں بھی سُرخ سُرخ سی، چہرہ بھی لال لال سا  
 اُٹھتے ہی پائے یار کے باغِ کُلاخ اُجڑ گیا      بھول بھی ہیں تباہ سے سبزہ بھی پائمال سا  
 حُسن کی سحر کاریاں عشق کے دل سے پوچھئے      وصل کبھی ہے ہجر سا، ہجر کبھی وصال سا  
 گم شدگانِ عشق کے شان بھی کیا عجیب ہے!      آنکھ میں اک سرور سا چہرے پہ اک جلال سا

یاد ہے آج تک مجھے پہلے پہل کی رسم و راہ  
 کچھ انہیں اجتناب سا، کچھ مجھے احتمال سا



ہم اسیرانِ جنوں سے کوئی پوچھے آ کر      جیتے جی قیدِ تعلق سے رہا ہو جانا  
 نالہ دل جو سلامت ہے تو کیا مشکل ہے؟      روز اس کوچے میں ایک حشر پیا ہو جانا  
 خاکِ مجنوں سے یہ آتی ہیں صدائیں اب تک      زندگی ہے غمِ دلبر میں فنا ہو جانا  
 نگہ شوق نے سب کھول دئے بند نقاب      سہل سمجھے تھے وہ پابندِ حیا ہو جانا  
 ہائے وہ ضیضہِ محبت کی جفائیں سر بزم      دل میں گھٹ گھٹ کے وہ آہوں کا فنا ہو جانا

رشک آتا ہے شہیدانِ وفا پر مجھ کو  
 اُن کی قسمت میں تھا کیا جلد شفا ہو جانا





حسرت سے دیکھتا ہوں ہر اک شاخِ گل کی سمت  
جس پر برس گئی کبھی برقِ جمالِ یار  
یہ ضعیف، اور ہائے! یہ عالم بہار کا  
ہر ذرہ آفتاب ہے اُس کے مزار کا



آج کیا حال ہے، یا رب! سرِ محفلِ میرا  
سوزِ غم، دیکھ، نہ برباد ہو حاصلِ میرا  
کہ نکالے لئے جاتا ہے کوئی دلِ میرا  
دل کی تصویر ہے ہر آئینہ دلِ میرا  
صبح تک ہجر، میں کیا جاننے کیا ہوتا ہے  
مل گئی عشق میں ایذا طلبی سے راحت  
غم ہے اب جان مری، درد ہے اب دلِ میرا  
کاش پہلو میں دھڑکتا ہی رہے دلِ میرا  
ہائے! اُس دل کا مقدر جو بنا دلِ میرا  
کچھ کھلتا تو ہے پہلو میں مرے رہ رہ کر

اب خدا جانے، تری یاد ہے یا دلِ میرا



لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا  
ہر چند کر دیا مجھے برباد عشق نے  
جس دل کو تم نے دیکھ لیا، دل بنا دیا!  
لیکن انہیں تو شیفۃ دل بنا دیا  
پہلے کہاں یہ ناز تھے، یہ عشوہ و ادا  
دل کو دعائیں دو، تمہیں قاتل بنا دیا



آنکھوں کا تھا قصور، نہ دل کا قصور تھا  
تاریک مثلِ آہ جو آنکھوں کا نور تھا  
آیا جو میرے سامنے، میرا غرور تھا  
کیا صبح ہی سے شام بلا کا ظہور تھا  
وہ تھے نہ مجھ سے دور، نہ میں اُن سے دور تھا  
ہر وقت اک نماز تھا، ہر دم سرور تھا  
کوئی تو درد مندِ دلِ ناصبور تھا!  
لگتے ہی نہیں ٹوٹ گیا سازِ آرزو  
ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش  
ساقی کی چشمِ مست کا کیا کیجئے بیاں  
پلٹی جو راستہ ہی سے، اے آہِ نامراد!  
جس دل کو تم نے لطف سے اپنا بنا لیا  
اُس چشمِ مے فروش سے کوئی نہ بچ سکا

آیا جو میرے سامنے، میرا غرور تھا  
کیا صبح ہی سے شام بلا کا ظہور تھا  
آتا نہ تھا نظر کا قصور تھا  
بوٹل بغل میں تھی کہ دلِ ناصبور تھا  
مانا کہ تم نہ تھے، کوئی تم سا ضرور تھا  
ملتے ہی آنکھ شیشہ دل پُور پُور تھا  
شامل کسی کا خونِ تمنا ضرور تھا  
اتنا سرور تھا کہ مجھے بھی سرور تھا  
یہ تو بتا کہ بابِ اثر کتنی دور تھا  
اس دل میں اک چھپا ہوا نشتر ضرور تھا  
سب کو بقدرِ حوصلہ دلِ سرور تھا

دیکھا تھا کل جگر کو سرِ راہِ میکدہ  
اس درجہ پی گیا تھا کہ نشے میں پُور تھا



اللہ رے، وارفتگی شوق کا عالم میرا بھی اب پتہ سرِ منزل نہیں ملتا  
کیا قیس کی پُر شوق نگاہوں نے کیا سحر محمل میں بھی اب صاحبِ محمل نہیں ملتا



رگ میں دل تھا، دل میں نہاں سوز و ساز تھا وہ دن بھی کیا تھے، جب میں سراپا گداز تھا  
وہ تھے، بہار تھی، دلِ حسرت طراز تھا پیہم ادھر سے ناز، ادھر سے نیاز تھا  
تاثرِ جذبِ عشق کو لیلے سے پوچھے جو ذرہ خاکِ عشق کا تھا، دل گداز تھا  
پہلے جو ختم ہو گئی یہ داستانِ غم! تو میں کہوں گا عرصہٴ محشر دراز تھا  
کیا کہہ دیا کسی نے؟ کہ ملتے ہی چشمِ شوق دونوں طرف سے دستِ تمزہ دراز تھا

وہ ناز آفریں تھے، انہیں اس پہ تھا غرور

میں تھا نیاز مند، مجھے اس پہ ناز تھا



اس عشق میں پُورا کبھی اُن سا نہیں دیکھا دامن پہ نظر کی تو گریباں نہیں دیکھا  
تازہ اثر، اے جذبہٴ پہاں نہیں دیکھا مدت ہوئی شمشیر کو عریاں نہیں دیکھا  
اللہ ری، مجبوریِ آدابِ محبت گلشن میں رہے اور گلستان نہیں دیکھا  
بے کار گئی سعیِ محبت بھی ہماری حاصل بجز اک دیدہٴ حیراں نہیں دیکھا

اللہ ری! مری تیز روی جوشِ جنوں میں

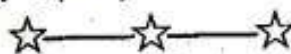
مڑ کر جو نظر کی تو بیاباں نہیں دیکھا



دل نہ تھا، جان نہ تھی، سوز نہ تھا، ساز نہ تھا میں ہی میں تھا مرے ہمراہ کوئی راز نہ تھا  
دم بخود رہ گئی بلبل ہی چمن میں، ورنہ کون سا پھول تھا، جو گوشِ بر آواز نہ تھا  
ہم تھے اور سامنے اک جلوہٴ حیرت افزا پردہ تھا، اور کوئی پردہ بر انداز نہ تھا

حسرت اس طائرِ مایوس کی حالت پہ کہ جو

قید سے پھوٹ کے بھی مائلِ پرواز نہ تھا





شریکِ نالہ میرا بھی جو اندازِ فغاں ہوتا چمن میں ہر لپ خاموش و بلبل کی زباں ہوتا  
دمِ لیکل اگر تم چھیڑ دیتے دل کے زخموں کو لہو کا قطرہ قطرہ دردِ دل کی داستاں ہوتا

بہت روکا تمہارے وعدہ دیدار نے ورنہ

وہاں ہوتی نہ میری بیخودی بھی، میں جہاں ہوتا



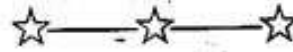
خلوت میں غمِ فرقت اس طرح بیاں ہوتا وہ میری زباں سنتے میں اُن کی زباں ہوتا  
تھی سیر، اگر میں بھی ساتھ اُن کے وہاں ہوتا آنسو بھی رواں ہوتے، دریا بھی رواں ہوتا



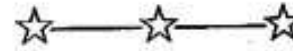
یوں رازِ غمِ اُلفت سینے میں نہاں ہوتا ہم خود بھی عیاں کرتے، تو بھی نہ عیاں ہوتا

اے کاش! نہ ہم اُٹھتے در سے ترے جیتے جی

جینا بھی یہاں ہوتا، مرنا بھی یہاں ہوتا



آنکھوں میں اس طرح سے تراشوقِ دید تھا گویا مری نظر میں دلِ نا امید تھا  
اللہ ری نشترِ غمِ فرقت کی تیزیاں! رگ میں شور و شیونِ قطع و برید تھا



کمالِ عشق بھی کیا کیا فریب دار ہوا کہ اپنے پر مجھے اکثر گمانِ یار ہوا  
جنوں میں سینے کو بیٹھے ہیں جیب کے کلڑے خبر نہیں کہ گریباں بھی تار تار ہوا  
کہاں کے غمزہ و شوخی، کہاں کی ناز و ادا وہ تیرا اور ہی تھا جو جگر کے پار ہوا  
اب اس سے بڑھ کے طلسمِ خیال کیا ہوگا کہ ذرہ ذرہ تو تصویرِ حُسنِ یار ہوا  
خزاں نہ تھی چمنستانِ دہر میں کوئی خود اپنا ضعفِ نظر پردہ بہار ہوا



راز اس حُسن کا ہندو نہ مسلمان سمجھا کچھ جو سمجھا تو مرا دیدہ حیراں سمجھا  
زخم کو مرہمِ دل، درد کو درماں سمجھا چارہ گر خوب علاجِ غمِ پنہاں سمجھا  
عشق کا راز وہی سوختہ ساماں سمجھا جس نے دامن کبھی جانا نہ گریباں سمجھا  
حشر میں بھی نہ اُٹھا آنکھ سے غفلت کا حجاب اس کو بھی سلسلہ خوابِ پریشاں سمجھا



اتنی ہی بڑھی حسرت جتنا ہی ادھر دیکھا  
 ڈوبا ہوا رگ رگ میں وہ تیر نظر دیکھا  
 پروانوں نے کیا جانے، کیا وقت سحر دیکھا  
 اللہ نہ دکھلائے جو وقت سحر دیکھا  
 تھا حاصل صد ناوک، جو زخم جگر دیکھا  
 اُس جانِ تغافل نے جب ایک نظر دیکھا  
 اک زخم ادھر پایا، اک داغ ادھر دیکھا  
 ان کو بھی نہ چین آیا جب تک نہ ادھر دیکھا  
 اُس روئے نگاریں کو فردوسِ نظر دیکھا  
 یا درد نے کروٹ لی، یا تم نے ادھر دیکھا  
 کچھ ہوش جو آیا تو اُجڑا ہوا گھر دیکھا  
 کچھ خیر تو ہے، تم نے کیا حالِ جگر دیکھا

اس عشق کے ہاتھوں سے ہرگز نہ مُفر دیکھا  
 تھا کھیل سا پہلے عشق، لیکن جو کھلیں آنکھیں  
 سب ہو گئے اُٹھ اُٹھ کے اک بار نثارِ شمع  
 وہ اشک بھری آنکھیں اور درد بھرے نالے  
 قرباں ری آنکھوں کے، صدقے تری نظروں کے  
 جاتے رہے دم بھر میں سارے ہی گلے شکوے  
 عہدِ غمِ فرقت میں دل اور جگر کیسے؟  
 تھا باعثِ رسوائی ہر چند جوں میرا  
 اُس چشمِ غزالیں کو میخانہٴ دل پایا  
 یوں دل کے تڑپنے کا کچھ تو ہے سببِ آخر  
 کیا جانے کیا گذری، ہنگامِ جنوں، لیکن  
 ماتھے پہ پسینہ کیوں؟ آنکھوں میں نمی کیسی؟



میرے لئے چمن بھی بیاباں نکل گیا  
 کیا جانے کس طرح سے گریباں نکل گیا  
 مانا کہ چشمِ شوق کا ارماں نکل گیا  
 سو سو جگہ سے آج گریباں نکل گیا

کانٹا تھا چشمِ یاس میں اک ایک برگِ گل  
 دستِ جنوں کا ضعف سے اُٹھنا محال تھا  
 دل میں تو آگ ہے وہی اب تک لگی ہوئی  
 جوشِ جنوں سے کچھ نہ چلی ضبطِ عشق کی



رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی دل ہو گیا  
 میں نے جس دل کی طرف دیکھا، مراد دل ہو گیا  
 گو مجھے اک اک قدم اک ایک منزل ہو گیا  
 انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہو گیا  
 رازِ میخانے سے باہر نہ ہو میخانے کا  
 وہ بھی چھوٹا سا ہے ٹکڑا اسی ویرانے کا  
 شمع کے ساتھ تعلق ہے جو پروانے کا  
 چشمِ مخمور میں گلِ راز ہے میخانے کا  
 شمع منہ دیکھتی ہی رہ گئی پروانے کا

مجھ کو وہ لذت ملی احساسِ مشکل ہو گیا  
 اے نگاہِ یاس! یہ کیا رنگِ محفل ہو گیا  
 لے کے پہنچی بیخودی شوقِ بزمِ یار تک  
 ابتدا وہ تھی کہ تھا جینا محبت میں محال  
 جب نو کچھ ظرف ہے اے دل! ترے پیمانے کا  
 عرصہٴ حشر کہاں، یہ دلِ بریاد کہاں  
 اس کی تصویر کسی طرح نہیں کھینچ سکتی  
 جُرعہٴ مے کی ادائیں نگہِ ناز میں ہیں  
 جذبہٴ شوق نے دم لینے کا موقع نہ دیا



قدم اٹھتے بھلا کیا قیس کے بے چارہ حیراں تھا  
خزاں کا دور، وہ پڑ مردہ غنچے، گل وہ افسردہ  
کہ ہر ذرہ دیارِ نجد کا تصویرِ جاناں تھا  
چمن لٹتا تھا یارب! یا کوئی خواب پریشاں تھا  
انہیں کی اک نگاہ ناز کے سارے کرشمے تھے  
نہ حسرت میری حسرت تھی نہ ارماں میرا ارماں تھا  
وہ حلم اور وہ تواضع اور وہ طرزِ خود فراموشی  
خدا بخشے جگر کو، لاکھ انسانوں کا انساں تھا!

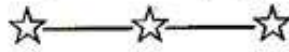


فروغِ حُسنِ رُخِ نکو نے کیا یہ کیا انقلاب پیدا!  
حجاب پر ہے حجابِ طاری، نقاب پر ہے نقاب پیدا  
حیا میں آئے تو رنگِ ہستی، ادا میں ہو تو حجاب پیدا  
وہ آنکھ خود ہی بنے گی ساقی، نظر کرے گی شراب پیدا  
سُنیں تو وہ میرا قصہٴ غم، نہیں تو وہ دردِ دل کے محرم  
کرے گا ایک ایک اشکِ حسرت ہزار چشمِ پر آب پیدا  
کہاں کا میخانہ، کس کا ساقی، کچھ اور بڑھنے دو بخودی کو!  
یہی بنائے گی جام و ساغر، یہی کرے گی شراب پیدا  
نظر کی ناکامیوں نے مجھ پر، یہ رازِ ظاہر کیا بالآخر  
کہ بے حجابی میں بھی ہے تیری ہزار رنگِ حجاب پیدا  
تڑپ یہ دل کی کہ بے حسی بھی ہزار جاں سے نثار جس پر  
سکون ایسا کہ جس کی ہر ہر ادا سے لاکھ اضطراب پیدا



یہی ہے سب سے بڑھ کر محرمِ اسرار ہو جانا  
محبت میں کہاں ممکن ذلیل و خوار ہو جانا  
گھلے گا چارہ گر پر رازِ غم کیا درد کے ہوتے  
ہوا کا اُس طرف اُن کا نقابِ رُخِ اُلٹ دینا  
اثر لینا تھا ہم کو ہر ادائے حسن سے اُن کی  
گریں ہر ہر قدم پر بجلیاں راہِ محبت میں  
ادھر دامن کسی کا جھاڑ کر محفل سے اٹھ جانا  
وصال و ہجر کے جھگڑوں نے فرصت ہی نہ دی، ورنہ  
زباں گوچپ ہوئی، دل میں تلاطم ہے وہی برپا  
میسر ہو اگر اپنا ہمیں دیدار ہو جانا  
کہ پہلی شرط ہے انساں کا خود دار ہو جانا  
کہ آتا ہے اسے خود نبض کی رفتار ہو جانا  
ادھر اک اک لہو کی بوند کا سرشار ہو جانا  
مگر لازم نہ تھا زسوا سرِ بازار ہو جانا  
بڑی مشکل سے آیا طالبِ دیدار ہو جانا  
ادھر نظروں میں ہر ہر چیز کا بے کار ہو جانا  
مالِ عاشقی تھا رُوح کا بیدار ہو جانا  
نہ آیا آج تک محو خیالِ یار ہو جانا

جگر وہ خاک ہی تو سرمہ چشمِ دو عالم ہے      میتر ہو جسے صرفِ جمالِ یار ہو جانا



کہاں ممکن تھا اُس چشمِ عنایت کا ادھر ہونا      مگر کام آگیا میری فغاں کا بے اثر ہونا



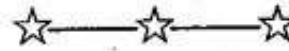
گرتے گرتے ایک طوفاں پھر قیامت زاہوا  
اب تو آنکھیں کھول، اور افتادہ گوئے حبیب!  
دیدہ حق ہیں میں ہے کیا فرق، کیسا امتیاز  
ذرے ذرے میں بھی ساری ایک موجِ انقلاب  
اللہ اللہ! یہ کمالِ جذبہ پہنایا عشق!  
بڑھتے بڑھتے آفتابِ روزِ محشر بن گیا  
لے چلا ہوں میں بھی نذرِ خسنِ جاناں کو، جگر

وہ جو اک آنسو مری مڑگاں پہ تھا ٹھہرا ہوا  
جھانکتا ہے کوئی دروازے سے شرمانا ہوا  
ایک ہی جلوہ کہیں مجنوں، کہیں لیلیا ہوا  
منظرِ فطرت کو میں دیکھا کیا سہا ہوا  
جو گرا آنکھوں سے آنسو خسن کا دریا ہوا  
دل کی خاکستر میں اک شعلہ تھا جو بھڑکا ہوا  
ساتھ دل کے ایک سازِ آرزو ٹوٹا ہوا



صیاد مجھ سے دُور ہے، خوش باغباں ہے اب  
نازک لبوں پہ شکوہ دردِ نہاں ہے اب  
چشمِ طلب میں اور کوئی آشیاں ہے اب

جس شاخ پر نظر میں کروں، آشیاں ہے اب  
اُن کا دہن ہے اور ہماری زباں ہے اب  
میرے لئے قفس مجھے سارا جہاں ہے اب



دل کی کیا تاب کہ پہنچے صفِ مڑگاں کے قریب  
خون ہو ہو کے بے جاتے ہیں سب قلب و جگر  
داغِ فرقت کے دکھتے ہوئے انگارے میں  
تاب دیدارِ رُخِ یار کہاں سے لاؤں؟  
گر نہیں خارِ محبت کی کرم فرمائی  
شوق نے توڑ ہی ڈالے تھے محبت کے قیود  
ہو چکے حسرت و امید و الم سب رخصت  
جب ہمیں مٹ گئے ارمان میں پابوسی کے  
عشق میں سیرِ گلِ دلالہ ہے تمہیدِ جنوں  
میں، جگر، لاکھ ہوں آوارہ و سرگشتہ، مگر

جلوے خود لوٹ رہے ہیں رُخِ تاباں کے قریب  
کوئی نشتر نہ ہو پوشیدہ رگِ جاں کے قریب  
ہاتھ لانا تو مرے سینہ سوزاں کے قریب  
گر پڑی جا کے نظر گوشہ داماں کے قریب  
پھر یہ کیا چیز کھکتی ہے رگِ جاں کے قریب  
ہوش آیا ہے پہنچ کر درِ جاناں کے قریب  
اب نہیں کوئی مریض شبِ ہجران کے قریب  
خاک پہنچی بھی تو کیا گوشہ داماں کے قریب  
چاہیے ایک بیاباں بھی گلستاں کے قریب  
دل ہر اک حال میں ہے حضرتِ احساں کے قریب



اس قدر رحم مرے حال پہ فرمائیں آپ  
باغِ فردوس میں تنہا نہ چلے جائیں آپ  
ظلم ہے ظلم ہے آئینے سے شرمائیں آپ  
اب کسی طرح کی تکلیف نہ فرمائیں آپ  
کہ مری طرح نہ دل تھام کے رہ جائیں آپ

صبر کے ساتھ مرادل بھی لئے جائیں آپ  
دیکھئے میری تمناؤں کا احساس رہے  
میری رگ رگ میں سما کر بھی یہ پردہ مجھ سے  
کر دیا دردِ محبت نے مرا کام تمام  
نالے کرتے ہوئے رہ رہ کے یہ آتا ہے خیال



کچھ عجب طرح سے بے چین تری یاد ہے آج  
کہ نشیمن بھی مجھے خانہٴ صیاد ہے آج  
نالہ بھی نالہ ہے، فریاد بھی فریاد ہے آج  
مژدہ، اے شوق! کہ خالی کفِ صیاد ہے آج  
کل اگر بھول نہ جاؤں، جو مجھے یاد ہے آج

لب پہ نالہ ہے مرے اور نہ فریاد ہے آج  
کیا قیامت نگہِ یاس کی بیداد ہے آج  
بر سرِ رحم وہ شوخِ ستم ایجاد ہے آج  
حسرتِ قید بھی اب دل سے نکل جائے گی  
ایک اک حرفِ غمِ دل کا سُنانا ہے انہیں



اڑ نہ جائے شمع کو لے کر کہیں پروانہ آج  
بھر گیا بے منتِ ساقی مرا پیانہ آج  
تم ادھر دیکھا کئے اور لٹ گیا میخانہ آج

اور ہی کچھ کہہ رہا ہے رنگِ بیتابانہ آج  
کامِ آخر کر گئی وہ نرگسِ مستانہ آج  
جھک گیا اک ایک میکش اُس نگاہِ مست سے



پھرا ہے صحنِ چمن میں جہاں جہاں صیاد  
نہ ہم خیالِ فلک ہے، نہ ہم زباںِ صیاد

نظر بھی ساتھ رہی ہے قدم قدم پہ مری  
سناؤں آہ! کسے سرگزشتِ سیرِ چمن؟



کھل گئیں آنکھیں طلسمِ حُسنِ فطرت دیکھ کر  
اپنی حالت دیکھتا ہوں اُن کی صورت دیکھ کر  
چپ کھڑے ہیں دُور میری خاکِ ثُربت دیکھ کر  
شمع بھی رخصت ہوئی میری مصیبت دیکھ کر  
پاؤں رکھنا میرے گھر، اے شامِ فرقت! دیکھ کر  
ہو چکے مایوس آثارِ طبیعت دیکھ کر

ذڑے ذڑے سے نمایاں شانِ قدرت دیکھ کر  
یہ ہجومِ غم، یہ اندوہ و مصیبت دیکھ کر  
کپکپی سارے بدن میں، زرد چہرہ، دل اُداس  
عمر بھر کا ساتھ رنجِ غم میں دے سکتا ہے کون  
گوشے گوشے میں ہے پنہاں جلوہٴ برقِ جمال  
چارہ سازوں سے مریضِ غم کو فرصت مل گئی



رہ گئے بیخودی میں ہم صورتِ یار دیکھ کر  
اشک بھر آئے آنکھ میں کوچہ یار دیکھ کر  
زور جنوں سوا ہوا جوشِ بہار دیکھ کر  
میری طرف بڑھا ہوا دامنِ یار دیکھ کر  
پائے برہنہ دیکھ کر، جسمِ فگار دیکھ کر  
آنکھیں ہی چوندھیا گئیں جلوہ یار دیکھ کر

لالہ و گل کو دیکھتے کیا یہ بہار دیکھ کر  
ہائے، وہ جوشِ ربط و ضبط، ہائے، یہ بے تعلقی!  
یاد کسی کی آہ، کیا کہہ گئی آکے کان میں  
شوق نے چٹکیاں سی لیں، حسرتِ دل چل گئی  
اُن سے بھی ہوسکا نہ ضبط، اُن کو بھی رحم آ گیا  
تھی یہ ہوس کہ دیکھتے خال و خطِ بہارِ حسن



جس کے گوشے گوشے میں صدہا چمن، صدہا قفس  
بال و پر بکھرے پڑے ہیں آشیاں سے تاقفس  
میں ہی خود اپنا گلستاں ہوں میں خود اپنا قفس  
سارے گلشن کی حقیقت اک مرا تنہا قفس  
حسن کا عالم گلستاں، عشق کی دُنیا قفس  
اس گلستاں کا نظر آتا ہے ہر تنکا قفس  
کیا بیاباں کیا گلستاں، کیا نشیمن کیا قفس  
ورنہ اب سے پہلے کیا میں نے نہیں دیکھا قفس  
اک طرف صدہا گلستاں، اک طرف صدہا قفس  
ہم جہاں بیٹھے وہیں اک کر لیا پیدا قفس  
میرا گل حاصل اسیری، میری گل دُنیا قفس  
اب چمن میرا چمن ہے، اب قفس میرا قفس!  
گل تھا گل عالم گلستاں، آج گل دُنیا قفس  
بُوئے گل آ آ کے ڈھونڈا کی قفس سے تاقفس

وہ چمن میرا چمن ہے، وہ قفس میرا قفس  
ہائے! کس بلبل نے اے صیاد! پھر دیکھا قفس  
عشق میں کیا لالہ و گل، کیا چمن، کیسا قفس  
سو بہاروں کی ہے جاں اک میری چشمِ خونچکاں!  
خاک ہو اپنی رسائی جلوہ گاہِ یار تک  
عشق میں آزاد ہو کر کیا کروں سیر بہار  
اضطرابِ دل کے ہاتھوں سب برابر ہیں مجھے  
کچھ تو ایسی بات ہے جی بیٹھا جاتا ہے مرا  
رکھ دیئے ہیں سامنے لا کر کمالِ عشق نے  
تم جدھر نکلے ادھر اک چھا گئی تازہ بہار  
کیا چمن کا حال مجھ سے پوچھتا ہے ہم نشیں!  
باغبان مجھ سے ہے خوش صیاد مجھ پر مہرباں  
دو ہی دن میں ہو گیا، اے دل یہ کیسا انقلاب  
میں وہ غیرت مند بلبل تھا، دکھایا پھر نہ منہ



وہ مست مانند رند آنکھیں، وہ سُرخ مثلِ گلاب عارض  
جو ہیں مجسم شراب آنکھیں، تو ہے سراپا شباب عارض  
دلوں کو بے چین کر رہی ہے بنی ہوئی برق اُن کی شوخی!  
نظر کو تیرہ بنا رہا ہے لئے ہوئے آفتاب عارض



برس رہا ہے یہ رنگِ مستی کہ ہوش باقی نہیں کسی کو  
نگاہیں اُن کی تھلکی ہوئی ہیں، پلا رہا ہے شرابِ عارض



فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم  
اس درجہ بیقرار تھے دردِ نہاں سے ہم  
کب تک رہیں گے دُور ترے آستاں سے ہم  
اے چارہ ساز! حالتِ دردِ نہاں نہ پوچھ  
تقدیر نے اسے بھی نظر سے چھپا دیا  
سو جانیں ہوں تو لذتِ آزار پر نثار  
بیٹھے ہی بیٹھے آگیا کیا جانے، کیا خیال  
پوچھیں گے سرگزشتِ مصیبت کی ابتدا  
بے تابیوں نے کام دیا دستِ ناز کا  
اللہ ری حسن و عشق کی سحر آفرینیاں  
کس کس پہ جان دیجئے، کس کس کو چلانیے  
اتنے حجابوں پر تو یہ عالم ہے سن کا  
یہ بے دلی کا زور ہے سانی کے ہجر میں  
تاثیرِ جذبِ عشق کا اللہ رے، کمال!



سرور کم نہ کبھی ہو گا اب قیامت تک  
کوئی یہ جا کے درِ پاک پر خبر کر دے  
کہو یہ حضرتِ موسیٰ سے اب تمنّجہل جائیں  
وہ رند ہوں کہ صبحی کے واسطے ہر روز



اے کاش! وہ حسرت زدہ طور کو ملتی!!  
ہر چند کہ تھمتے نہیں آنسو صفتِ شمع!  
پھر آپ نے چھیڑی وہی گیسو کی شکایت  
تا چند کریں ضبط مرے آبلہ پا



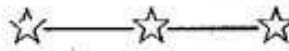
جس آنکھ سے ہم حُسنِ بیتاں دیکھ رہے ہیں  
بارے تری محفل کا سماں دیکھ رہے ہیں  
ہر چند کہ زورِ خفقاں دیکھ رہے ہیں  
سوکھی ہوئی کانٹوں کی زباں دیکھ رہے ہیں

غم سے چھوٹوں، تو ادھر دیکھوں میں  
نگہ یاس اثر دیکھوں میں!  
آشیاں کے جو اٹھالوں تنکے  
داغ ہی داغ نظر آتے ہیں!  
دم گھٹا جاتا ہے، اے دستِ جنوں!  
نہ وہ محفل ہے، نہ وہ پروانے  
نزع میں ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں  
دل دیوانہ، یہ قسمت میری  
چھوٹ جاؤں جو غم ہستی سے



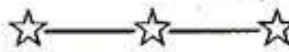
عرش سے ہو کے جو مایوس دعائیں آئیں  
میں نے جب شرم سے محشر میں جھکالی گردن  
کیجئے اور کوئی ظلم، اگر ضد ہے یہی!  
مدتوں یاد دلایا گیا افسانہ غم!  
کسی بیکس کا پڑا صبر کسی پر شاید!  
پوچھو افسانہ غم، شام سے لے کر تا صبح  
میں نے جب مرحلہ عشق کیا ختم، جگر

میں یہ سمجھا کہ مرے گھر میں بلائیں آئیں  
بخشوانے کو مجھے میری خطائیں آئیں  
لیجئے اور مرے لب پہ دعائیں آئیں  
دل اگر خاک ہو دل کی صدائیں آئیں  
آج اس سمت سے ناساز ہوائیں آئیں  
کیا بھیا تک مرے کانوں میں صدائیں آئی  
مرحبا کی مرے کانوں میں صدائیں آئیں



اُس کوچے میں ہوں صورتِ یک نقشِ وفا میں  
بن بن کے مٹاؤ نہ مرا نقشہ ہستی  
اے اہل حقیقت! مجھے آنکھوں پہ بٹھاؤ

دُنیا نے مٹایا مجھے، لیکن نہ مٹا میں  
مٹ مٹ کے بنا ہوں ہمہ تن نقشِ وفا میں  
طے کر کے چلا آتا ہوں میدانِ وفا میں



سر اپا آرزو ہوں، درد ہوں، داغِ تمنا ہوں  
کبھی کیفِ مجسم ہوں، کبھی شوقِ سراپا ہوں  
مجھے جنبش میں کیا لائے گی موجِ صرصرِ عالم  
مجھی میں حُسن کا عالم، مجھی میں عشق کی دُنیا

مجھے دُنیا سے کیا مطلب کہ میں آپ اپنی دُنیا ہوں  
خدا جانے کہ کس کا درد ہوں کس کی تمنا ہوں  
خریمِ قدس کہتے ہیں جسے، میں اُس کا پردہ ہوں  
نثار اپنے پہ ہو جاؤں، اگر سو بار پیدا ہوں





لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں، فریاد نہیں پھر بھی کہتے ہیں کہ تو لائق بیداد نہیں



ضبطِ غم کا متحمل دلِ مہجور نہیں  
طلبِ خلد نہیں، آرزوئے خور نہیں  
اللہ اللہ ری یہ رنگِ حقیقت کی بہار!  
سخت مشکل سے پڑا آج گریبان پہ ہاتھ  
دل کے ہوتے ہوئے جاتے ہو کہاں، اے موسیٰ!  
اب یہ جی سے بھی گزر جائے تو کچھ دُور نہیں  
تم جو مل جاؤ تو پھر کچھ مجھے منظور نہیں  
کون سا خون کا قطرہ ہے جو منظور نہیں؟  
میں سمجھتا تھا کہ یہ فاصلہ کچھ دُور نہیں  
اس میں کچھ جلوے ہیں ایسے کہ سر طُور نہیں



کیا آگیا خیال دلِ بے قرار میں  
محشر میں عرضِ شوق کی اُمید کیا کروں  
دستِ بخونِ عشق کی گلِ کاریاں نہ پوچھ  
صورت دکھا کے پھر مجھے بیتاب کر دیا  
رگِ رگ میں دل ہے، دل میں تڑپِ دردِ عشق کی  
تھم تھم کے دل سے چھیڑ ہو، تیر نگاہِ یار!  
خود آشیاں کو آگ لگا دی بہار میں  
دل ہی تو ہے رہا نہ رہا اختیار میں  
ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک بہار میں  
اک لطف آ چلا تھا غمِ انتظار میں  
محشر بنا ہوا ہوں تمنائے یار میں  
کیا لطف، جب ہمیں نہ رہے اختیار میں



چھوڑا نہ تب عشق نے کچھ بھی کسی گھر میں  
اب شمع بھی بجھتی ہے، مرادم ہے لبوں پر  
پھر برق سے مجھ کو نہ رہے کوئی شکایت  
دل سے جو لگی آگ، بجھی جا کے جگر میں  
کیا دیر ہے، یارب! شبِ فرقت کی سحر میں  
ایسی ہی لگے آگ جو صیاد کے گھر میں



یہی کہہ کے تسلیٰ دلِ ناشاد کرتے ہیں  
بنا کر اپنے ہاتھوں آشیاں برباد کرتے ہیں  
کہ ایسا بھی کبھی ہوتا ہے، وہ خود یاد کرتے ہیں  
جو تیرا کام تھا، وہ بھی ہم اے صیاد کرتے ہیں

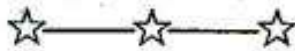


اچھا ہے پاس اگر کوئی غم خوار بھی نہیں  
حسرت سے اب نگہِ طرفِ یار بھی نہیں  
دامان و جیب ہو گئے نذرِ جنوں تمام  
صیاد میرے دم سے ہیں سارے یہ چھپے  
کچھ یہ کہ عرضِ شوق کی طاقت نہیں مجھے  
اب میرا حال لائقِ اظہار بھی نہیں  
یعنی کہ ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں  
باقی کفن کے واسطے اک تار بھی نہیں  
جب میں نہیں تو رونقِ گلزار بھی نہیں  
اور کچھ یہ ہے کہ مصلحتِ یار بھی نہیں

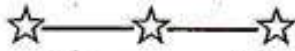
وہ دل کہ جس پر حرفِ تمنا بھی بار تھا  
دل میں ہجومِ شوق کا عالم نہ پوچھئے  
اب صرف شکوہ سنجی اغیار بھی نہیں  
گنجائشِ خیالِ رُخ یار بھی نہیں



خوفِ صیاد سے عالم ہے یہ بیتابی کا  
بیچ رہا ہو جو کوئی جوشِ جنوں کے ہاتھوں  
کہ ابھی ہوں، تو ابھی صحنِ گلستاں میں نہیں  
تار ایسا کوئی اب جیب و گریباں میں نہیں



عنایت کی جس پر نظر دیکھتے ہیں!  
وہی راہِ عشاق چلتے ہیں ان کے  
ہم اُس کا دل، اُس کا جگر دیکھتے ہیں  
کہ جس راہ کو پُر خطر دیکھتے ہیں  
سمنے ہوئے بال و پر دیکھتے ہیں  
فلک کے ستم، آشیاں میں ہم اپنے



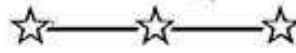
ڈوب کر دل میں وہ نظریں تیر و پیکاں ہو گئیں  
حُسن کی شانیں تھیں جتنی سب نمایاں ہو گئیں  
اور بھی میرے لئے آفت کا ساماں ہو گئیں  
دھجیاں پاتی ہیں جتنی اب مرے کس کام کی  
ہو چلی تھیں عرضِ عم پر وہ نگاہیں تیز تیز  
عرصہ گاہِ عشق میں آزادیاں کس کو نصیب  
اب کہاں دل کی تمناؤں کی بزمِ آریاں  
ان جنوں سامانیوں پر کیا رہائی کی امید  
عشق کی بے تابیاں کب چھوڑ سکتی ہیں مجھے  
دل کی تسکین کے لئے دو پھولِ دامن میں نہیں  
چمنِ اسیرانِ قفس کو یادِ گلشن میں نہیں  
وہ گلوں پر تازگی، رونق وہ گلشن میں نہیں  
پھوٹنا قیدِ قفس سے کیا قیامت ہو گیا  
اُس طرف صیاد کی نظریں، ادھر نالے مرے  
دید کے قابل ہے یہ رنگِ سبکِ رُوحی مرا  
کیوں خزاں میں سر جھکائے مضمحل بیٹھارہوں  
رک گئی گنجِ قفس میں خود بخود میری زباں!





جوش وہ رنگینوں کا اُن کے پیکاں میں نہیں  
 کوئی دیوانہ ہی اس عہد پریشاں میں نہیں  
 فیضِ سوزِ عشق سے، اے دل! سراپا داغ ہوں  
 نالہ پر درد، بُوئے سوزِ دل، داغِ جگر  
 بھرنہ دی ہو روح جس میں وحشتِ دل نے مری

کیا کوئی قطرہ لہو کا اب رگِ جاں میں نہیں  
 ورنہ جو صحرا میں قیدی ہیں، وہ زنداں میں نہیں  
 جو بہار اب مجھ میں ہے، سارے گلستاں میں نہیں  
 یہ بہاریں ہیں قفس کی، جو گلستاں میں نہیں  
 ایک ذرہ بھی کوئی ایسا بیاباں میں نہیں



جو اب اُن کا کہاں سارے جہاں میں  
 لبوں تک جان بھی کھچ آئی، یا رب!  
 جگہ پر اپنی چھوڑ آیا ہوں، صیاد  
 اشارہ ہے کسی کی اک نظر کا  
 بتا دے بے خودیِ عشق! اتنا  
 حقیقت کھول کر اک دن رہیں گے  
 بڑھی جاتی ہے وحشت ہر قدم پر  
 یہ رنگِ اتحاد، اللہ اکبر!  
 جس کے بھی جو اٹھ کر ہوش کھو دیں  
 رہی لرزاں ہمیشہ اُن سے بجلی!  
 کئے جا نالے اے بلبل! کئے جا

دبی ہیں بجلیاں جو آشیاں میں  
 توقف کیا ہے مرگِ ناگہاں میں  
 لہو کے چند قطرے آشیاں میں  
 وگرنہ کیا ہے جانِ ناتواں میں  
 قفس میں ہوں کہ ہوں میں آشیاں میں  
 وہ آنسو، جو ہیں چشمِ راز داں میں  
 پُچھا جاتا ہوں گردِ کارواں میں  
 شبیہ دل ہے ہر اشکِ رواں میں  
 وہ نغمے ہیں مرے سازِ فغاں میں  
 جو تنکے بچ رہے تھے آشیاں میں  
 قفس بھی مل رہے گا آشیاں میں



کسی نے پھر نہ سنا درد کے فسانے کو  
 اب اس میں جان مری جائے یاد ہے، صیاد!  
 چلا نہ پھر کوئی مجھ پر فریب ہستی کا  
 فلک! ذرا مری اس بے بسی کی داد تو دے  
 وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا  
 قفس کی یاد میں پھر جی یہ چاہتا ہے، جگر

مرے نہ ہونے سے راحت ہوئی زمانے کو  
 بہار میں تو نہ چھوڑوں گا آشیانے کو  
 لحد تک آئی اجل بھی مرے منانے کو  
 قفس میں بیٹھ کے روتا ہوں آشیانے کو  
 ترے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو  
 لگا کے آگ نکل جاؤں آشیانے کو



جب کبھی چھیڑا بچوں نے دیدہ خونبار کو  
 ٹھیس لگ جائے نہ اُن کی حسرتِ دیدار کو

بھر دیا پھولوں سے ہم نے دامنِ کہسار کو  
 اے ہجومِ غم! سنبھلنے دے ذرا بیمار کو

فکر ہے زاہد کو حور کوثر و تسنیم کی  
دیکھنے والے نگاہ مست ساقی کی کبھی  
ہر قدم پر، ہر روش پر، ہر ادا پر، ہر جگہ  
لاکھ سمجھایا جگر کو ایک بھی مانی نہ بات

☆—☆—☆

واقف غمِ اُلفت سے نہ دل ہو، نہ جگر ہو  
یہ سر ہو اور اُس شوخِ ستم گار کا در ہو  
اس قہر و غضب پر تو فدا دیدہ و دل ہیں  
سر رکھ ہی دیا سنگِ درِ یار پہ میں نے  
حالتِ دلِ مایوس کی دیکھی نہیں جاتی  
رہ رہ کے تڑپ جاتی ہے سینے میں کوئی چیز

☆—☆—☆

وفورِ کیف سے دل اتنا بے قرار نہ ہو  
شریکِ عشق اگر عقلِ پردہ دار نہ ہو  
نگاہِ یار کا ممکن نہیں کہ وار نہ ہو  
دکھاؤں داغِ محبت جو ہو قصورِ معاف  
کہاں کے سروِ صنوبر، کہاں کے لالہ و گل  
انہیں تو دیکھ کے آئینہ وہم کرتا ہے  
عجب زمانہ ہے، کرتا نہیں اسے تسلیم  
بس اک نگاہِ محبت سے دیکھ لینا ہے  
نصیبِ دل کو ہو یوں محوِ آرزو ہونا  
بھرے ہوئے ہیں نگاہوں میں حُسن کے جلوے  
خیالِ وصل سے کر تو رہا ہوں کچھ باتیں  
میں سُن کے حضرتِ اصغر کے، اے جگرِ اشعار

☆—☆—☆

نہ چھیڑاُن کے تصور میں، اے بہار! مجھے  
تڑپ کے رُوح نکل جائے گی ابھی صیاد

☆—☆—☆  
کہ بُوئے گل بھی ہے اس وقت ناگوار مجھے  
سنا قفس میں نہ کیفیتِ بہار مجھے



نگاہِ یاس! ذرا تو ہی کام کر اپنا  
کسی کا وعدہ دیدار، میرا جذبہ شوق  
ہجوم یاس میں کوشش نہ کوئی کام آئی  
کہیں مرا دل گم گشتہ ہو نہ خاک بر  
جنوں کی خیر ہو، یارب! کہ ضعف کے ہاتھوں



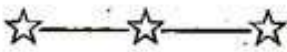
رخ پہ جھونکوں سے جو زلفِ دو تا پھرتی ہے  
پاس جانا، دل بیتاب، سنبھل کر شبِ وصل  
کچھ ہمیں جانتے ہیں لطفِ ترے کوچے کے  
مدد، اے جذبہ دل! حوصلہ اے دردِ فراق!  
بھول سکتا ہوں کہیں اُن کی محبت کے مزے



دل کو مٹا کے داغِ تمنا دیا مجھے  
محشر میں بات بھی نہ زباں سے نکل سکی  
میں اور آرزوئے وصالِ پری رُخاں  
ہر بار یاس ہجر میں دل کی ہوئی شریک  
اللہ رے، تیغِ عشق کی برہم مزاجیاں!  
خوش ہوں کہ حُسنِ یار نے خود اپنے ہاتھ سے  
دنیا سے کھو چکا تھا مرا جوشِ انتظار  
دعویٰ کیا تھا ضبطِ محبت کا، اے جگر!

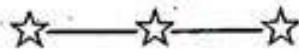


ہم اور ان کے سامنے عرضِ نیازِ عشق  
آئی ہے موت منزلِ مقصود دیکھ کر  
لیکن ہجومِ عشق سے مجبور ہو گئے  
اتنے ہوئے قریب کہ ہم دُور ہو گئے

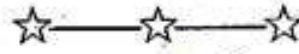


کچھ بات بن پڑی نہ دلِ داد خواہ سے  
کوئی نہ بچ سکا، تری قاتلِ نگاہ سے  
کیا جانے کیا وہ کہہ گئی نیچی نگاہ سے  
ذرے بھی صدقے ہو گئے اٹھ اٹھ کے راہ سے

یہ جانتا ہوں، جانتے ہو، میرا حالِ دل یہ دیکھتا ہوں، دیکھتے ہو کس نگاہ سے



اس درجہ محو لذتِ رنج و محن ہوئے  
ہر وقت تازہ چاہئیں غم کی نشانیاں  
ناوک بھی اس نگاہ کے جزوِ بدن ہوئے  
جو داغ بھی پڑے تھے وہ داغ کہیں ہوئے  
کہتے ہیں میرے بعد غریب الوطن ہوئے  
غریت کا رشک بھی نہ گوارا ہوا، جگر



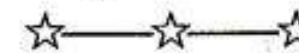
کیا خبر تھی خلشِ ناز نہ جینے دے گی  
قہر کی لاکھ نگاہوں کی ضرورت کیا ہے؟  
یہ تری پیار کی آواز نہ جینے دے گی  
لطف کی اک نگہ ناز نہ جینے دے گی  
کیا مری حسرتِ پرواز نہ جینے دے گی؟  
تیری شوخی، ستمِ ناز! نہ جینے دے گی  
مسکِ عشق مرا مجھ کو نہ مرنے دے گا



کیا چیز تھی، کیا چیز تھی ظالم کی نظر بھی  
ہوتی ہی نہیں کم شبِ فرقت کی سیاہی  
اُف کر کے وہیں بیٹھ گیا دردِ جگر بھی  
رخصت ہوئی کیا شام کے ہمراہ سحر بھی؟  
یہ مجرمِ اُلفت ہے اور وہ مجرمِ دیدار  
کیا دیکھیں گے ہم جلوہٴ محبوب کہ ہم سے  
دل لے کے چلے ہو، تو لئے جاؤ نظر بھی!  
دیکھی نہ گئی دیکھنے والے کی نظر بھی  
اللہ دکھائے گا تو دیکھیں گے سحر بھی  
آنکھوں میں اتر آئے مرا کیفِ نظر بھی  
دیکھی ہے ان آنکھوں نے قیامت کی سحر بھی  
اُس درد کے صدقے، جو ادھر بھی ہو ادھر بھی  
اغیار بھی موجود ہیں، حاضر ہے جگر بھی



گر چشمِ آرزو کی حالت یہی رہے گی  
تم خاک میں ملا دو دل کو، جگر کو، لیکن  
پردے میں بھی کس کی بے پردگی رہے گی  
ارماں یہی رہیں گئے حسرت یہی رہے گی  
تیرے مزاج میں بھی آشفتگی رہے گی  
جا، اے فلک! نہ خوش ہو برباد کر کے مجھ کو



اُداسی طبیعت پہ چھا جائے گی  
شبِ غم کرشمے دکھا جائے گی  
انہیں جب میری یاد آ جائے گی  
کئی آنسوؤں کی زلا جائے گی



میرے بعد ڈھونڈو گے میری وفا  
مجھے اُس کے در پر ہے مرنا ضرور  
مرے ساتھ میری وفا جائے گی  
مری یہ ادا اُس کو بھا جائے گی



چینی ہے کس انداز سے، کس کرب و بلا سے  
انسان کو لازم ہے رہے دُور ریا سے  
جی سیر ہو کس طرح مئے ہوش رُبا سے  
اُٹھے نہ قدم جادۂ تسلیم و رضا سے  
پھر حُسن کے جلوؤں نے بنایا مجھے بے خود  
گزارا ہے دل و جاں سے اسی راہ میں کوئی  
بیٹابی دل تھی وہ مری آہ جنوں خیز



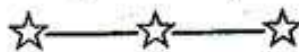
صدموں کی جان، درد کا قالب دیا مجھے  
دی جان بھی تو سوز و الم سے جلی ہوئی  
دیتی تھی میرے دل کو جو شوریدگی عشق

جو کچھ دیا کسی نے، مناسب دیا مجھے  
دل بھی دیا تو جان کا طالب دیا مجھے  
پھر کیوں خیالِ حفظِ مراتب دیا مجھے



اٹھا نہ دیدۂ بلبلیل سے پردۂ غفلت  
ہجومِ شوق میں دل کے بھی ہو گئے ٹکڑے  
خیالِ یار! کہاں تک خموشیاں تیری!

ہلاک ہو گئی کم بخت رنگ و بو کے لئے  
مکان تنگ تھا، دُنیا ئے آرزو کے لئے  
زبان دہن میں ہے بیتاب گفتگو کے لئے



آہ! میری یہ فغاں اب نہ سنی جائے گی!  
پھر گئی اُن کی نظر، پھر گئے دُنیا سے وہ  
یاس بھرا دردِ دل اب نہ کہا جائے گا  
قصہ غم کہہ کے میں لیجئے خاموش ہوں  
بزم سے با چشمِ ترا اُٹھ گئے کہتے ہوئے  
رحم انہیں آگیا میرے دلِ زار پر  
کہہ کے بُرا غیر کو اُن کو خفا کر دیا!

اب نہ سنو داستاں، اب نہ سنی جائے گی  
دوستی جسم و جاں اب نہ سنی جائے گی  
درد بھری داستاں اب نہ سنی جائے گی  
میرے دہن میں زباں اب نہ سنی جائے گی  
”ہم سے تری داستاں اب نہ سنی جائے گی“  
یہ روشِ آسماں، اب نہ سنی جائے گی  
بات جگر کی وہاں اب نہ سنی جائے گی



یہ نہیں، تیری آرزو نہ کرے  
دل مگر خالی ہائے و ہو نہ کرے  
غم ہوا ہوں خیالِ جاناں میں  
بے خودی میری جستجو نہ کرے  
ختم سرمایہٴ شکیب ہوا  
چھیڑ اب تیری آرزو نہ کرے  
ناز کرتے ہیں پھول گلشن میں  
کہیں رسوا یہ رنگ و بو نہ کرے  
خاک ہے جذبِ عشق کی تاثیر  
خامشی بھی جو گفتگو نہ کرے  
ڈر ہے مجھ کو میری حیرانی  
آئینہ اُن کے زور و نہ کرے  
یاد بھی اُن کی اے جگر! صد حیف  
پریش داغ آرزو نہ کرے



برسائی آنسوؤں کی جھری چشمِ یار نے  
کیا اُٹھ کے کہہ دیا مری خاکِ مزار نے  
اے شوقِ مرگ! پھر وہی میں ہوں، وہی قفس  
آسان کر نہ دی مری مشکل بہار نے



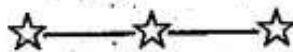
سر میں پھر لہر جنوں کی صفتِ تیر چلی  
اے فلک روک مرے پاؤں سے زنجیر چلی  
صدقے اُن ہاتھوں کے، مجھ کو بھی خبر تک نہ ہوئی  
اس نزاکت سے گلے پر مرے شمشیر چلی  
اب مری لاش پہ کیوں سوگ لئے بیٹھے ہو  
تم نے شمشیر چلائی تھی، تو شمشیر چلی



عاشقی یاس کی محکوم ہوئی جاتی ہے  
بے کسی اب مرا مفہوم ہوئی جاتی ہے  
دل ہوا خاک تپِ غم سے مگر دل کی جگہ  
اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے  
وائے ایذا طلبی! شدتِ غم کے ہاتھوں  
طاقت گر یہ بھی معدوم ہوئی جاتی ہے  
ہم تو سمجھے تھے، غمِ عشق فنا کر دے گی  
اب یہ اُمید بھی موہوم ہوئی جاتی ہے  
وہی دل ہے، جو ٹھننا جاتا ہے دامن سے ترے  
وہی قسمت ہے، جو محروم ہوئی جاتی ہے  
دل دھڑکنا بھی غنیمت ہے تری فرقت میں  
کہ خبر تو مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے  
اے جگر! بات یہ کیا ہے کہ مری نظروں میں  
آج جو چیز ہے، معدوم ہوئی جاتی ہے



نازک ترے مریضِ محبت کا حال ہے  
دن کٹ گیا، تو رات کا کتنا محال ہے  
آنکھوں سے جان جائے فرقت کا ماجرا  
اشکوں سے پوچھ لیجئے، جو دل کا حال ہے





نظر ملتے ہی دل کو وقفِ تسلیم و رضا کر دے  
 وفا پر دل کو صدقے، جان کو نذرِ جفا کر دے  
 چمنِ دُور، آشیاں برباد، یہ ٹوٹے ہوئے بازو  
 پختے ہیں میں نے بھی کچھ بھول تیرے بلغمِ معنی سے  
 تری مجنوں ادائیگی سے جگر یہ خوف آتا ہے  
 جہاں سے ابتدا کی ہے، وہیں پر انتہا کر دے  
 محبت میں یہ لازم ہے کہ جو کچھ ہو، فنا کر دے  
 مرا کیا حال ہو صیاداگر مجھ کو رہا کر دے  
 الہی! تو اگر حُسنِ قبول اُن کو عطا کر دے  
 کہیں ایسا نہ ہو، اُن کو بھی عالم آشنا کر دے



شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی  
 نگاہوں نے سب رازِ دل کہہ دیا  
 بُری چیز ہے طرزِ بیگانگی  
 الہی! بُرا ہو غمِ عشق کا  
 کئے مجھ پہ احساں غمِ یار نے  
 نمایاں ہوئی صبحِ پیری، جگر  
 ذرا آنکھ جھپکی سحر ہو گئی  
 انہیں آج اپنی خبر ہو گئی  
 یہ ترکیب اگر کارگر ہو گئی  
 سنا ہے کہ اُن کو خبر ہو گئی  
 ہمیشہ کو نیچی نظر ہو گئی  
 بس اب داستاں مختصر ہو گئی



کیا لطف پوچھتے ہو پُر شوقِ زندگی کے  
 بے حکمِ عشقِ مر کے، بے اذنِ عشقِ جی کے  
 دیکھا تو اس جگہ پر لاکھوں ہیں زخمِ تازہ  
 فیضِ بہار سے ہے عالم یہ تازگی کا  
 اک اک سے پوچھتے ہیں وہ میری حالتِ دل  
 جی جی اٹھا ہوں مر کے، مر مر گیا ہوں جی کے  
 کرتے ہیں مُفتِ ضائعِ اوقاتِ زندگی کے  
 حاصل ہوئی تھی فرحت جس زخمِ دل کو سی کے  
 گویا برس رہے ہیں انوارِ زندگی کے  
 قُربانِ اس ادا کے، اس بے تعلقی کے



فلک کے جور، زمانے کے غم اٹھائے ہوئے  
 نہ جانے دل میں وہ کیا سوچتے رہے پیہم  
 نگاہِ شوق نے محشر میں صاف تاڑ لیا  
 انہیں میں برازِ محبت کسی کا پنہاں تھا  
 حدودِ کوچہ محبوب ہیں وہیں سے شروع  
 ہمیں بہت نہ ستاؤ کہ ہیں ستائے ہوئے  
 مرے جنازے پہ تادیر سر جھکائے ہوئے  
 کہاں وہ چھپتے کہ آنکھوں میں تھے سمائے ہوئے  
 جو خشک ہو گئے آنسو مژہ تک آئے ہوئے  
 جہاں سے پڑنے لگیں پاؤں ڈگمگائے ہوئے

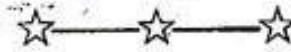


چلے گا کام تمہارا نہ اب گواہوں سے  
 اثر کو بھی نہ رہا ربطِ دل کی آہوں سے  
 کہ ٹپکی پڑتی ہے شرمندگی نگاہوں سے  
 خدا پناہ میں رکھے تری نگاہوں سے

کہیں تمہیں بھی نہ پڑ جائے کام آہوں سے  
 مریض ہجر کے چہرے پر آگئی رونق  
 زمین بھی نہ اٹھائے گی، میری خاک کا بار  
 جگر، بتائے کچھ حال زار، خیر تو ہے  
 بچے ہو تم مری حسرت بھری نگاہوں سے  
 ابھی تو کہہ گئے، کیا جانے کیا نگاہوں سے  
 گرا دیا مجھے تم نے اگر نگاہوں سے  
 یہ کیوں برستی ہیں مایوسیاں نگاہوں سے



دل کی خبر نہ ہوش کسی کو جگر کا ہے  
 اس سمت دیکھتی بھی نہیں، رخ جدھر کا ہے  
 دل رکھ دیا ہے سامنے لا کر خلوص سے  
 سب رفتہ رفتہ داغِ الم دے گئے، مگر  
 میرے دل حزیں میں کہاں تابِ اضطراب  
 کس طرح دیکھوں جلوۂ جاناں کو بے حجاب  
 پیہم ہجومِ یاس سے آتا نہیں یقیں  
 اللہ، اب یہ حال تمہاری نظر کا ہے!  
 سب سے جدا اصول تمہاری نظر کا ہے  
 آگے اب اس کے کام تمہاری نظر کا ہے  
 محفوظ ہے وہ زخم جو پہلی نظر کا ہے  
 جو کچھ کمال ہے وہ تمہاری نظر کا ہے  
 پردہ پڑا ہوا مرے آگے نظر کا ہے  
 تم میرے سامنے ہو کہ دھوکا نظر کا ہے



ہاں چلے دور میں، ساقی، مئے گلغام چلے  
 خاک بیمارِ غمِ عشق کا اب کام چلے  
 جھک گئے سر تری دہلیز پہ سب آپ سے آپ  
 کعبہ دل کی حقیقت سے تو واقف ہی نہیں  
 نقد کچھ پاس نہیں، فکر ہے مے خواری کی  
 پاؤں لٹکائے ہوئے قبر میں بیٹھے ہیں، جگر  
 دن چلے، رات چلے، صبح چلے، شام چلے  
 پاؤں دگھنے لگے، جب اٹھ کے وہ دو گام چلے  
 کچھ کسی کی نہ چلی، چپ ترے احکام چلے  
 باندھ کر شیخ کہاں جامہٴ احرام چلے؟  
 قرض مل جائے کہیں سے تو بڑا کام چلے  
 دیر چلنے میں نہیں، صبح چلے، شام چلے



کیا قیامت تھا کسی کا شکوۂ بیداد بھی  
 پہلے تھی کچھ اس سے تسکین دلِ ناشاد بھی  
 جسم ہے زنداں ہیں، لیکن روح بزمِ یار میں  
 آتے ہی گنجِ قفس میں چپ سی مجھ کو لگ گئی  
 یوں نہ، اے بلبل! تڑپ کر جان دینی تھی تجھے  
 دیکھئے کس کی فغاں میں پہلے آتا ہے اثر  
 یہ ہجومِ یاس و حرماں، یہ دفورِ رنج و غم!  
 لب تک آئی ٹکڑے ہو ہو کر مری فریاد بھی  
 اب کلیجہ کھائے جاتی ہے تمہاری یاد بھی  
 بیڑیاں بھی پاؤں میں ہیں اور ہوں آزاد بھی  
 لے اڑے کیا ہوش تیرے، طاقتِ فریاد بھی  
 چاہیے تھا کچھ تو پاسِ خاطرِ صیاد بھی  
 میں بھی نالے کر رہا ہوں، بلبلِ ناشاد بھی  
 مجھ کو ڈر ہے، دردِ بن جائے، نہ تیری یاد بھی



مجھ سے ہی کچھ واسطہ طلب نہیں اُن کو جگر تیز ہوتا ہے مجھ پر خنجر بیداد بھی

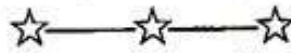


جان سے تنگ ہمارا دل دیوانہ ہے  
گوشہ گوشہ میں نہاں جلوہ جانا نہ ہے  
وہی گل ہے، وہی بلبل، وہی پروانہ ہے  
یہی صہبا، یہی ساغر، یہی پیانہ ہے  
کان ہنگامہ محشر پہ لگے ہیں سب کے  
اللہ اللہ، یہ وارثی عشق مری!  
تم دکھا دو جسے آنکھیں، وہی مخمور بنے  
حشر کہتے ہیں کسے؟ وعدہ دیدار ہے کیا؟  
منزل عشق میں، اللہ رے، یہ عالم شوق!  
اُن سے پوچھے کوئی یہ ہوش کی باتیں میری

☆—☆—☆

داستانِ غمِ دل اُن کو سنائی نہ گئی  
سب کو ہم بھول گئے جوشِ جنوں میں لیکن  
عشق پر کچھ نہ چلا دیدہ تر کا قابو  
پڑ گیا حسنِ رُخ یار کا پرتو جس پر  
کیا اٹھائے گی صبا خاک مری اُس در سے

بات بگڑی تھی ایسی جو بھلائی نہ گئی  
ایک تری یاد تھی ایسی، جو بھلائی نہ گئی  
اس نے جو آگ لگا دی وہ بجھائی نہ گئی  
خاک میں مل کے بھی اس دل کی صفائی نہ گئی  
یہ قیامت تو خود اُن سے بھی اٹھائی نہ گئی



رات کیا دلکش ادائے جلوہ جانا تھی!  
آج رگ رگ میں مری اک شورشِ مستانہ تھی  
صبح تک یہ یادگار عشق بھی افسانہ تھی

شمع جب رُخ کے مقابل آئی خود پروانہ تھی  
کیا نگاہِ مست ساقی شاملِ پیانہ تھی  
شمع اب ہے دُفن جس جاثر بتِ پروانہ تھی



مشغلہ ہجر میں کچھ تو دل ناشاد رہے  
منتشر بعد فنا یوں مری رُو داد رہے  
اک محبت کی نظر بھی دم بیداد رہے  
کس کو معلوم ہے اس جلوہ گہ ناز کا حال

نالہ تھمتا ہوا، رکتی ہوئی فریاد رہے  
دل مرا خاک ہو اور خاک مر بھی برباد رہے  
کیجئے ظلم وہ مجھ پر، جو مجھے یاد رہے  
ہوش ہی جب نہ ٹھکانے ہوں، تو کیا یاد رہے

آپ تو چھپ گئے پردے سے دکھا کر صورت  
 رُوح سے ربطہ نہ چھوٹا ترے کوچہ کا کبھی  
 اب کوئی شادر ہے یا کوئی ناشاد رہے  
 تیرے دیوانے اسیری میں بھی آزاد رہے  
 اب بھی محدود قفس تک مری فریاد رہے؟  
 جان تو آچکی ہونٹوں پہ مری، اے صیادا!



یہ جو دھندلی سی ضیا خانہ زنجیر میں ہے  
 ہر ادا حُسن کی ڈوبی ہوئی تاثیر میں ہے  
 داغ شاید کوئی روشن دلِ دلگیر میں ہے  
 تجھ میں جو ہے وہی عالم تری تصویر میں ہے  
 اک قدم باغ میں، اک خانہ زنجیر میں ہے  
 اب تو راحت ہی مجھے خانہ زنجیر میں ہے  
 پہلے ہوں گے کبھی بیتابی دل کے شکوے



کیا پوچھتے ہو حالت بیمارِ محبت کی  
 ہر نقش ہے سینے پر نقشہ غمِ فرقت کا  
 کچھ اور ابھی گھڑیاں باقی ہیں مصیبت کی  
 ہر اشک ہے آنکھوں میں تصویرِ محبت کی  
 کر ہی گئی کام اپنا تاثیرِ محبت کی  
 دھندلی سی نشانی ہے سوزِ غمِ فرقت کی  
 چھپتی ہے چھپانے سے کب آنکھِ محبت کی  
 لاکھوں میں جگر اُس نے پہچان لیا تم کو



جو دکھایا تُو نے وہ، اے آسماں! دیکھا کئے  
 سب چمن لنتا رہا اور باغباں دیکھا کئے  
 جو رگھوپتیاں و جفائے باغباں دیکھا کئے  
 آج کن آنکھوں سے ہم جو رُخزاں دیکھا کئے  
 اب قفس میں ہوش آیا ہے، تو حیرت ہے ہمیں  
 جی بھر آیا ناتوانی پر جو راہِ شوق میں  
 جب چمن سے لے چلا صیادا کر کے ہم کو قید  
 تھا اسیری میں بھی کچھ ایسا تعلق رُوح کو  
 خاک سیرِ لالہ و گل، باغ میں جب تک رہے  
 دستِ گلچیں، یا نگاہِ باغباں دیکھا کئے



آیا نہ راسِ نالہ دل کا اثر مجھے  
 دل لے کے مجھ سے دیتے ہو داغِ جگر مجھے  
 اب تم ملے، تو کچھ نہیں اپنی خبر مجھے  
 یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے  
 کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے  
 بھولی ہوئی نہ نگہِ فتنہ گر مجھے  
 ہر سُو دکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے  
 ملتی نہیں ہے لذتِ دردِ جگر مجھے



آنکھیں ہیں اور کچھ نہیں آتا نظر مجھے،  
 مل جائے دو کھڑی کو تمہاری نظر مجھے  
 لے جائے جذب شوق مرا اب جدھر مجھے  
 اپنا بنا نہ لے کہیں میری نظر مجھے!  
 اُن کی خبر انہیں ہے نہ میری خبر مجھے!  
 کرنا ہے آج قصہ غم مختصر مجھے  
 سب سے مگر عزیز ہے میری نظر مجھے  
 تم پاس ہو، تو کیوں نہیں آتے نظر مجھے  
 اب تک جو ہیں عزیز مرے بال و پر مجھے

ڈالا ہے بنخودی نے عجب راہ پر مجھے  
 کرنا ہے آج حضرت ناصح سے سامنا  
 مستانہ کر رہا ہوں رہِ عاشقی کو طے  
 ڈرتا ہوں جلوہ رُخ جاناں کو دیکھ کر  
 یکساں ہے حُسن و عشق کی سرمستیوں کا رنگ  
 مرنا ہے اُن کے پاؤں پہ رکھ کر سر نیاز  
 سینے سے دل عزیز ہے دل سے ہو تم عزیز  
 میں دور ہوں، تو رُوئے سخن مجھ سے کس لئے  
 کیا جائے قفس میں رہے کیا معاملہ



یعنی ہمیں میں رہ کے وہ ہم سے نہاں رہے  
 خاموش بھی رہے تو سراپا نغاں رہے  
 تم بھی ہمارے ساتھ رہے ہم جہاں رہے  
 صیاد ہم رہیں نہ رہیں، آشیاں رہے  
 مطلب یہ ہے، کہیں نہ مرا آشیاں رہے

آنکھوں میں نور، جسم میں بن کر وہ جاں رہے  
 ہم ہیں وہ درد مند محبت جہاں رہے  
 ہر چند وقفِ کشمکش دو جہاں رہے  
 باقی چمن میں کچھ تو ہمارا نشاں رہے  
 ہر شاخ پر ہے باغ میں صیاد کی نگاہ



تیر اُن کے ہاتھ میں پیکاں ہمارے دل میں ہے  
 اب نہ جانے تو ہے خود یا درد تیرا دل میں ہے  
 آفتابِ حشر ہے، جو داغ میرے دل میں ہے  
 قیس میرے سینے میں، فرہاد میرے دل میں ہے  
 میں ہوں اس محفل میں اور محفل کی محفل دل میں ہے  
 تھی جو میرے دل میں حسرت اب وہ اُنکے دل میں ہے  
 شکر ہے اتنا اثر تو اضطرابِ دل میں ہے  
 ہائے کیا تصویر کا عالم تری محفل میں ہے

کس قیامت کی کشش اس جذبہِ کامل میں ہے  
 اک تلامذہ سا تو برپا سینہِ نعل میں ہے  
 جلوہ فرما کون اس اجڑی ہوئی منزل میں ہے  
 عشق کا ہر رنگ پنہاں میرے آبِ وطن میں ہے  
 اللہ اللہ، یہ مری مشقِ تصور کا کمال!  
 عشق میں گم گشتگی شوقِ راس آئی مجھے  
 ہر ٹرپ کے ساتھ آجاتی ہے مجھ میں تازہ رُوح  
 شمع چپ، پروانے ششدر، اہل دل سب دم بخود



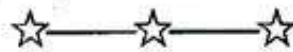
نظر بیگانہ وار اٹھی، حیا مستانہ وار آئی  
 قفس ہی میری قسمت میں لکھا تھا، جب بہار آئی

جوانی آتے ہی اُن پر قیامت کی بہار آئی  
 چمن میں راس کب مجھ کو ہوائے روزگار آئی؟

مری نظروں میں جب سے تازگیِ حُسنِ یار آئی  
 وہ عاشق ہوں کہ میری لاش جب زیرِ مزار آئی  
 کچھ ایسی جوش پر اب کی یہ چشمِ اشکبار آئی  
 شمیمِ عطر بیز آئی، نسیمِ خوشگوار آئی  
 اب آخرِ آشیاں کے ذکر سے صیاد کیا حاصل؟  
 چمن میں جیسی اک بلبل کے دم تک دیکھ لی، ہمد  
 وہ دیوانہ ہوں میں، جب سے بسایا میں نے زنداں کو  
 قفس میں بھی نگاہوں سے جدا ہوتا نہیں دم بھر  
 غضب تھا آج گلشن میں یہ حسرت خیز نظارہ  
 اثر اتنا تو ہونا چاہیے جذبِ محبت میں  
 قفس کا اور یکا یک اس طرح جنبش میں آجانا  
 کہیں ساغر بکف گل ہیں، کہیں نم در بغل غنچے  
 بنا کر جس نے بیخود آشیاں ہم سے چھڑایا تھا  
 مری اس بیخودی کا یاد گل میں کیا ٹھکانہ ہے  
 وہ گھر برباد ہی ہو جائے، تو بہتر ہے، جس گھر میں  
 نگاہِ یاس اور دب کر نگاہِ ناز سے رہتی  
 بہارِ رفتہ میری پھر نہ آئی، اے جگر! واپس



علاجِ کاوشِ غمِ خاک، چارہ جو کرتے!  
 اشارہ خود جو نہ وہ بہرِ جستجو کرتے  
 وہ ہم سے ملتے نہ ملتے، یہ اُن کی تھی مرضی  
 بیان ہو نہ سکی ابتداءِ محبت کی  
 ہزار زخم تھے کس کس جگہ رُو کرتے؟  
 مجال کیا تھی ہماری کہ آرزو کرتے  
 ہمارا کام یہی تھا کہ جستجو کرتے  
 تمام عمر ہوئی شرحِ آرزو کرتے



جلوہ جو ان کے رُخ کا مری چشم تر میں ہے  
 اُمیدِ وصلِ دیدہِ حسرتِ اثر میں ہے  
 ہر ذرہِ رقص میں ہے، جو اس رہگذر میں ہے  
 تاریک ہوتی جاتی ہے رہ رہ کے کل فضا  
 شادابیِ بہار کا عالمِ نظر میں ہے  
 یعنی ہماری رُوح ہماری نظر میں ہے  
 کیا عالمِ حیات کسی کی نظر میں ہے  
 پھر بھی مریضِ ہجر اُمیدِ سحر میں ہے

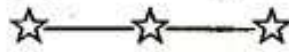


کیا آفتابِ حشر سے جھپکے گی اب یہ آنکھ  
 تنہائیِ فراق کا کیا کیجئے بیاں!  
 اللہ ری، یادِ طاقتِ پرواز کا اثر!  
 واہوں جو گوشِ ہوش، تو عبرت کے واسطے  
 یوں آرہے ہیں آج ہم اک بزمِ ناز سے  
 کیوں کر بہارِ شعر سے ٹپکے نہ، اے جگر!  
 ہر ذرہ کوئے یار کا میری نظر میں ہے  
 اک آہ تھی، سو وہ بھی تلاشِ اثر میں ہے  
 دل میں بھی وہ تڑپ نہیں، جو بال و پر میں ہے  
 اک داستاںِ خموشیِ شمعِ سحر میں ہے  
 چہرہ پہ نور، جلوہ جاناںِ نظر میں ہے  
 رنگِ کلامِ حضرتِ اصغرِ نظر میں ہے

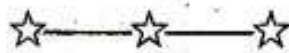


ازل کے دن جنہیں لے کر چلے تھے تیری محفل سے  
 وہ شعلے آج تک لپٹے ہوئے ہیں دامنِ دل سے  
 مجھے اب خوف ہی کیا، ہجر میں تنہائیِ دل سے  
 ہزاروں محفلیں لے کر اٹھا ہوں تیری محفل سے  
 یہ عالم ہے ہجومِ شوق میں بیتابیِ دل سے  
 کہ منزل پر پہنچ کر بھی اڑا جاتا ہوں منزل سے  
 فلک پر ڈوبتے جاتے ہیں تارے بھی شبِ فرقت  
 مگر نسبت کہاں اُن کو مرے ڈوبے ہوئے دل سے  
 نگاہیں قیس کی اٹھتی ہیں جوشِ کیفِ مستی میں  
 ذرا ہشیار رہنا، سارباں، لیلیٰ کی محفل سے  
 وہی سب بن گئیں نقش و نگارِ صفحہ ہستی  
 اڑی تھیں جس قدر چھینٹیں مرے خوبانہ دل سے  
 سمجھ کر پھونکنا اس کو ذرا، اے داغِ ناکامی!  
 بہت سے گھر بھی ہیں آباد اس اُجڑے ہوئے دل سے  
 محبت میں قدم رکھتے ہی گم ہونا پڑا مجھ کو  
 نکل آئیں ہزاروں منزلیں ایک ایک منزل سے  
 قیامت کیا؟ کہاں کا حشر؟ کیا دیر؟ کیا کعبہ؟  
 یہ سب ہنگامے برپا ہیں مرے اک مضطرب دل سے  
 بیاں کیا ہوں یہاں کی مشکلیں، بس مختصر یہ ہے  
 وہی اچھے ہیں کچھ، جو جس قدر ہیں دور منزل سے

ہجومِ یاس ایسا کچھ نظر آتا نہیں مجھ کو  
 وفور شوق میں آگے بڑھا جاتا ہوں منزل سے  
 محبت میں ضرورت ہی تلاشِ غیر کی کیا تھی؟  
 اگر ہم ڈھونڈتے، نشتر بھی مل جاتا رگِ گل سے  
 بدن سے جان بھی ہو جائے گی رخصت، جگر لیکن  
 نہ جائے گا خیالِ حضرت اصغر مرے دل سے



بس اک نظروں کا دھوکا ہے، بس اک آنکھوں کا پردا ہے  
 نہ مجنوں کوئی مجنوں ہے، نہ لیلے کوئی لیلہ ہے  
 ہوسنا کی خیالِ غیریت ہی کا نتیجا ہے  
 جو یہ پردا بھی اٹھ جائے تو سب اپنا ہی اپنا ہے  
 سمجھ میں جو نہ آئے اور بے سمجھے نہ رہنے دے  
 اسی کا نام شاید عشق میں نامِ تمنا ہے  
 یہی تو فرق ہے بس کافر و مومن میں، اے غافل!  
 کہ اُس کے لاکھ کعبے ہیں اور اس کا ایک کعبا ہے



مژدہ، اے شوقِ شہادت! اوج پر تقدیر ہے  
 آج دستِ ناز میں نازک سی اک شمشیر ہے  
 کم نہیں ہوتیں دلِ ایذا طلب کی خواہشیں!  
 آپ دیکھیں تو سہی، ترکش میں کوئی تیر ہے  
 کس ادا پر جان دوں، تُو ہی بتا، اے چشمِ یار!  
 جس ادا کو دیکھتا ہوں حُسن کی تصویر ہے  
 قید خانے میں جو بیٹھا ہوں یہ ہے تیری خوشی  
 تُو اگر کہہ دے، تو دو کلڑے ابھی زنجیر ہے  
 میرے پہلو میں نہیں ہے یہ دلِ خانہ خراب  
 میری بربادی کی جیتی جاگتی تصویر ہے



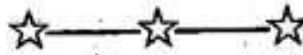
وہ ادھر محو تماشہ، ہم ادھر مرعوبِ حسن  
وصل کی شب دونوں جانب عالمِ تصویر ہے



دل برباد ہی میں عالم اک آباد بھی ہے  
کیا خبر قلبِ ہوسناک کو ہنگامِ سماع  
اسی ویرانے میں مجنوں بھی ہے فرہاد بھی ہے  
کہ انہیں نغموں میں پنہاں کوئی فریاد بھی ہے



دل بہلنے کی شبِ غم یہی صورت ہوگی  
آپ کے درد میں بھی آپ کی سیرت ہوگی  
آتشِ دوزخ ہجراں ہے قیامت، لیکن  
جمع کرتی رہے آمادگیِ ذوقِ فنا!  
آپ کی دی ہوئی تکلیف بھی راحت ہوگی  
بات میں بات، نزاکت میں نزاکت ہوگی  
تم جو چاہو گے تو یہ بھی مجھے جنت ہوگی  
کام آئے گی، اگر دل میں حرارت ہوگی  
کہنے سننے کی غمِ عشق میں حاجت ہی نہیں  
آنکھ سے ٹپکے گی، دل میں جو محبت ہوگی



وہ شکل جانتاں کیا مظہرِ شانِ الہی ہے  
اسی کو ایک دن بننا ہے خالی عارضِ رحمت  
کسی صورت بھی ہم سے بے خبر وہ رہ نہیں سکتے  
خدا جانے، محبت کوئی منزل کو کہتے ہیں  
نظر میں رنگِ مستی، رُخ پہ نورِ صبح گاہی ہے  
ہمارے نامہ اعمال کی جتنی سیاہی ہے  
جو ہم ایسا سمجھتے ہیں، ہماری کم نگاہی ہے  
نہ جس کی ابتدا ہی ہے، نہ جس کی انتہا ہی ہے



## پارہ ہائے جگر

میں ہوا ہشیار جتنا، مجھ سے وہ غافل ہوا      دل سراپا غم بنا، جب میں سراپا دل ہوا



جذبہ دل صرف جتنا بے محل ہوتا گیا      اُس قدر ذوقِ نظر میں مبتدل ہوتا گیا  
تنگ اتنا دامنِ فکر و غم ہوتا گیا      زندگی بھر آج کل ہی آج کل ہوتا گیا



دمِ اخیر بھی اُن کا یہ احترام ہوا      اُٹھے نہ ہاتھ تو آنکھوں ہی سے سلام ہوا



یہ سوزِ نہاں نہیں ہے دل میں جلتا ہے چراغِ بیکسی کا  
حسرت کا لہو بھرا ہے جس میں وہ جامِ ہوں دورِ آخری کا



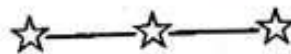
لے کے خط اُن کا کیا ضبط بہت کچھ، لیکن      تھر تھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا



ہر ایک داغِ فرقت کا دھونا پڑے گا      تمہیں بھی میرے ساتھ رونا پڑے گا  
بھلا کر خود کو غافل، رحم کا تو مستحق ہو گا  
کہ گل بوئے بھی بن جائیں گے جب سادہ ورق ہو گا



کہاں وہ دن گئے یارب! کہ تھی شکیبائی!      نظر میں پھرتی ہے صبر و قرار کی صورت  
گئے جو دل سے تو دل کو خزاں بنا کے گئے      جو آئے دل میں، تو آئے بہار کی صورت



کیا کروں گا اب بہارِ گل بداماں دیکھ کر      محو حیرت ہوں خود اپنا حُسنِ پنہاں دیکھ کر





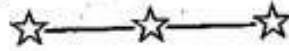
سحر تک شمع محفل! میں نے جل بجھنے کی ٹھانی ہے  
ہمیں یہ دیکھنا ہے، خاک ہو جاتے ہیں ہم کب تک



قیدِ قفس میں یادِ بہار آتی ہے مجھے - نشتر بنے ہوئے ہیں پر وبالِ آج کل



حالِ وحشت میں ہوا یہ ترے دیوانوں کا جیب چھوٹی تو گریباں کو لئے بیٹھے ہیں



بہ رہا کیا کوئی دیوانوں میں خاک اڑتی ہے بیابانوں میں  
رہ گئی آہ، اب افسانوں میں سے نہ شیشوں میں نہ پیانوں میں  
اٹھ گیا کیا جگر نکتہ سرا شور برپا ہے غزل خوانوں میں



لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں، فریاد نہیں پھر بھی فرماتے ہیں تو لائقِ بیداد نہیں



روح کہتی ہوئی نکلی ہے تنِ لاغر سے اب مجھے روکنے والی کوئی زنجیر نہیں



رنگِ حیا ہے یہ تیرے جوشِ شباب میں یا چاندنی کا مہحول کھلا ہے گلاب میں



سینہ عشق اور ناوکِ ناز وار پر وار ہوئے جاتے ہیں  
عشق سے روزِ موا عیدِ وفا چارو ناچار ہوئے جاتے ہیں  
ساقیا، توبہ کئے لیتے ہیں لے، گنہگار ہوئے جاتے ہیں



دے چکا جب دل تو کیسا خوف، شہرت ہو تو ہو  
اب یہ سر جائے تو جائے اور قیامت ہو تو ہو  
دل کہاں پہلو میں، دل تو کر چکے پہلے نذر  
یہ جو کچھ بے چین سا ہے، دردِ فرقت ہو تو ہو



لطفِ تشہیرِ مصور رہے تشہیر کے ساتھ کھینچ دے درد بھی میرا میری تصویر کے ساتھ  
حاصلِ دشتِ نور دی ہیں یہاں دشتِ جنوں! آبلے ٹوٹ نہ جائیں کہیں زنجیر کے ساتھ



ہے مالِ کارِ فنا یہی کہ انہیں کا رنگ عیاں رہے  
نہ نظر ہماری نظر رہے، نہ زباں ہماری زباں رہے  
مرے عشقِ سحر طرازی نے بہت اُن کے جلوے دکھادئے  
مگر ایسے لاکھوں ہی حُسن تھے، جو نظر سے بھی نہاں رہے



آنکھوں میں بند جلوہ جاناں کئے ہوئے جاتا ہوں ذرہ ذرہ کو حیراں کئے ہوئے



مشروط نگاہِ ساقی کی تحریک پہ جس کا پینا ہے بس اُس کا ساغر ساغر ہے، بس اُس کا مینا مینا ہے



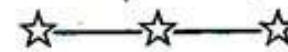
چشمِ اُمید میں ہے جان ابھی تھوڑی سی ابھی دُھندلا سا اُجالا نظر آتا ہے مجھے



تصور میں یہ کس کا جلوہ مستانہ آتا ہے کہ ہر آنسو لئے ہمراہ اک پیمانہ آتا ہے



دمِ اظہارِ سوزِ پنہانی شعلے میری زبان سے آئے



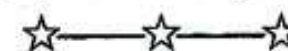
سوزِ غمِ ہجر! مجھ نہ جائے دُھندلا سا چراغِ بے کسی ہے



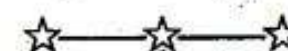
سفاک چتونیں بھی ہیں، قاتل نظر بھی ہے کیا چیز ہو گئے ہو، تمہیں کچھ خبر بھی ہے



اُس سے تو عنایت کی نظر کی نہیں جاتی اور دل کی یہ حالت ہے کہ دیکھی نہیں جاتی



ہستی کے نکات پوچھتا ہے غافل، تجھے اپنی بھی خبر ہے!





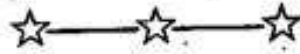
آنسوؤں کی کمی نہیں، لیکن کچھ سبب تھا کہ آنکھ تر نہ ہوئی



پردے الٹ دیئے تھے محبت کے جوش نے کھویا مگر مجھے مرے تمکین و ہوش نے



تاثیر سوزِ عشق سے بچنا مجال ہے ایسی لگے یہ آگ کہ دیکھا کرے کوئی



پیری بھی تمام ہونے آئی دن ڈھل چکا شام ہونے آئی



مسرور وقتِ نزع جو بیمار ہو گئے کیا جانے کیا اشاروں میں اقرار ہو گئے  
ترکِ خودی سے مانگِ پندار ہو گئے آزاد ہوتے ہوتے گرفتار ہو گئے



کیا جانئے کب تک مجھے فرقت میں کل آئے دل کو ابھی روکا تھا کہ آنسو نکل آئے



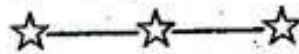
یہ نہ پوچھو دہر میں کب سے میں اسی طرح خانہ خراب ہوں  
جو نہ مٹ سکا وہ طلسم ہوں، جو نہ اٹھ سکا، وہ حجاب ہوں

مجھے غیر سمجھیں نہ اہلِ دل، ہمہ تن اگرچہ حجاب ہوں  
جو نہاں ہے میری نظر سے بھی، میں اسی کے رخ کی نقاب ہوں

تعلقات کی حد کوئی، نہ توقعات کی حد کوئی  
جو کبھی سمجھ میں نہ آسکے، وہ میں ایک فردِ حساب ہوں

نہ صدائے بلبلِ خوش بیاں، نہ سرودِ بزمِ پری زُخاں

جو بھرا ہے نعمتِ درد سے، وہ میں ایک تارِ زباب ہوں



## تخیلاتِ جگر

(دور دوم)

دل کیا ہے نقشِ حُسنِ حقیقت طراز کا  
عالم نہ پوچھ عشق کی شانِ نماز کا  
آخر کھلا یہ رازِ طلسمِ مجاز کا  
دھوکا قدم قدم پہ تری بزمِ ناز کا  
اللہ رے اثر نگہِ مستِ ناز کا!  
چھایا یہ رنگِ ہستی وحدتِ طراز کا  
عالم نہ پوچھ! کشمکشِ ضبطِ راز کا  
کس لطف سے کٹیں شبِ غم کی مُصیبتیں  
نوجو بے خودی ہی رہا، ورنہ بے خبر!  
پیراہنِ جنوں سے تنِ عشق ڈھک لیا  
ناگاہ سامنے نظر آیا جمالِ دوست  
مجھ سے گناہ گار پہ یہ بارشِ کرم!  
صوفی نے جس کو شاید مطلق سمجھ لیا  
تنہائیِ فراق میں کیوں گریہ کیجئے  
تصویرِ یارِ سامنے، سر میں ہوئے شوق  
مجھ کو دُصال و ہجر سے کیا واسطہ جگر!؟  
عاشق ہوں اک تبسمِ دیوانہ ساز کا



فاش اہل بزم پر کل رازِ پنہاں کر دیا  
حُسن کے جلوؤں کو رگ رگ میں خراماں کر دیا  
آئیں وہ جب تک ہمیں نے سب کو حیراں کر دیا  
دل کی اک جُنبش نے کیا کارِ نمایاں کر دیا



جان و دل صدقے، تصدق دین و ایماں کر دیا  
ہائے، یہ کیا قہر تو نے چشمِ گریاں کر دیا!  
بن رہی تھیں میرے اُن کے درمیاں کیا کیا حجاب  
حُسن نے تاشام ہنس کر جو بنایا تھا چمن  
زخمہ حُسن تبسم کی فُسوں کاری نہ پُوچھ  
لے چلا تھاسوئے صحرا کھینچ کر جوشِ جُوں  
اب اسی دستِ جُوں پہ آستیں ہے خندہ زن  
عشق نے لذتِ جو دی تھی، آہ، تو نے عندلیب!  
بے خودی حد سے زیادہ بڑھ چلی جب عشق میں  
عشق نے دردِ زلیخا بھر دیا کوئین میں  
شمع جب فانوس میں تھی، آنکھ تھی محوِ جمال

بُت کدے کو وہ میسر ہے، نہ کعبے کو نصیب

اُس نے جس جلوے کو وقفِ سینہ چاکاں کر دیا



زمین و آسماں ہونا، مکاں و لامکاں ہونا  
فنائے عشق کیا ہے، کارواں درکارواں ہونا  
ترے جلووں میں گم ہو کر، جہاں اندر جہاں ہونا  
نظر صیاد کی کیا، برق بھی ہو تو لرز اٹھے  
تماشہ دیدنی ہے، دیکھ لیں اہل نظر آ کر  
لبو کا قطرہ قطرہ بن گیا کو شمعِ وحدت کی  
زہے صورت، زہے معنی، زہے جلوہ، زہے پردہ  
کسی کے سامنے وہ میری عرضِ شوق کا عالم (قطعہ)  
کبھی دریائے بیتابی کا سینے میں سمٹ آنا  
غرض دل کو کسی صورت محیطِ دو جہاں ہونا  
یہاں تک منتشر ہونا کہ بے نام و نشاں ہونا  
مبارک عمرِ رفتہ کو حیاتِ جاوداں ہونا  
ابھی آیا نہیں تنکوں کو جانِ آشیاں ہونا  
مرے ہمراہ منزل کا بھی گردِ کارواں ہونا  
بجا ہے اب مرا پروانہ عیاں ہونا، نہاں ہونا  
بیک لحظہ، بیک ساعت، عیاں ہونا، نہاں ہونا  
مرے ذراتِ ہستی کا مسلسل داستاں ہونا  
کبھی ہر اشک کے قطرے کا بحرِ بیکراں ہونا

سنا ہے ہر طرف لٹتے ہیں جلوے حُسنِ صورت کے

کبھی تم بھی جگرِ آوارہ کوئے بیتاں ہونا



جادو قلمِ کاتبِ تقدیر میں کیا تھا میں اوّلِ ساعت ہی سے ماہل بہ فنا تھا  
میں اُس کی نظر، اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا اے حیرتِ خاموش! یہ منظر ابھی کیا تھا  
جب تک حدِ ہستی کا تعین نہ ہوا تھا نام اس ستمِ ایجاد کا کیا جائے کیا تھا

پہنچا ہوں اسی راہ سے تا منزلِ عرفاں  
کہتے ہیں جسے ہوش، وہی ہوش رُبا تھا

☆—☆—☆

یہ فصلِ گل، سماں یہ شبِ ماہتاب کا لا ساقیا شراب، مزا ہے شراب کا  
چھوڑا نہ رازِ کوئی، جہانِ خراب کا سب کہہ گیا میں خواب میں افسانہ خواب کا  
بگڑا ہوا ہے رنگِ جہانِ خراب کا بھروں نظر میں حُسن، کسی کے شباب کا  
اپنی نظر کی برقِ دُشی کو بھی دیکھئے مجھ سے ہی پوچھئے نہ مزاجِ اضطراب کا

نکلی تڑپ کے پردہِ خاکی سے رُوحِ پاک  
ٹوٹا طلسمِ جلوہ حُسنِ حجاب کا

☆—☆—☆

آہ یہ عالمِ کثرتِ تری رعنائی کا! ایک مرکز نہ رہا چشمِ تماشائی کا  
کیا ٹھکانا ہے اس آوارہِ سودائی کا حشر اک لمحہ ہے جس کی شبِ تنہائی کا  
نور کہتے ہیں جسے چشمِ تماشائی کا غیر فانی ہے وہ پرتو تری رعنائی کا  
عشق کیا چیز ہے، اک حشرِ در آغوشِ خیال حُسن کیا؟ خواب ہے اک چشمِ تماشائی کا  
منحصرِ جلوت و خلوت پہ نہیں وصلِ حبیب خاص اک وقت ہوا کرتا ہے یک جانی کا

رہ گئیں پردہِ ظاہر میں اُلجھ کر نظریں  
حُسنِ دیکھا نہ کسی نے مری زُنوائی کا

☆—☆—☆

نظر میں ہیج ہے، گلشنِ تمامِ دُنیا کا نہ پوچھ دو صلہ مرغانِ رشتہ برپا کا  
اثر ہے جس میں کہ ہر موجِ کار فرما کا وہ ایک قطرہ ہے حاصلِ تمامِ دریا کا  
نجاتِ رُوح کو ملتی نہیں ہے نفس سے، آہ بنا ہوا ہے یہ مجنوں، حجابِ لیلیا کا  
ہر ایک ذرے سے نکلے تڑپ کے برقِ جمال بے تو کوئی طلبگار حُسنِ معنی کا  
خدا ہی رحم کرے اس کی تشنہ کامی پر سراب پر جسے کامل یقین ہو دریا کا



رواں اگرچہ ہیں اس میں بھی سب وہی موجیں  
مگر ہے قطرے پہ فرض احترام دریا کا



وہ ہجر کے پردے میں جس وقت کہ واصل تھا  
کل دیکھ کے یہ منظر، قابو میں نہ پھر دل تھا  
کیا سیر تھی، میں جب تک آوارہ ساحل تھا!  
حیراں ہوں کہ یہ آخر کیوں بیچ میں حائل تھا  
گل اتنی حقیقت تھی منصورِ انا الحق کی  
کونین کا غم دل نے سب لے لیا اپنے سر  
جب غور کیا دم بھر، سب نقش چمک اٹھے  
دل کے لئے اُلفت کی قیدیں ہی مناسب تھیں  
خود اپنی تجلی میں جب عشق تھا مستغرق

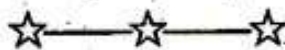
کیا دن تھے جگر وہ دن، جب صحبتِ اصغر میں!  
مسرور طبیعت تھی، محرومِ مرا دل تھا



سینے سے دل اُچھلتے ہی رفعت نشاں ہوا  
دل بتلائے نالہ و آہ و فغاں ہوا  
صیاد! دونوں گھر ہیں بس اک گل کے نام کے  
غفلت کے ساتھ ساتھ ہے یہ قیدِ جسم بھی  
صحرائے جستجو سے نہ آگے بڑھے قدم  
صیاد سے چھپا نہ سکی کوئی شاخِ نخل  
چھوٹا نہ رشتہ طلب دوست ہاتھ سے  
تبدیلی مقام سے بدلی فضائے عشق

یہ ذرہ جب بلند ہوا، آسماں ہوا  
اے شانِ عشق! حُسنِ ترا رائیگاں ہوا  
تیرا قفس ہوا کہ مرا آشیاں ہوا  
پھر میں کہاں، اگر مجھے عرفانِ جاں ہوا؟  
گم اس کی وسعتوں میں ہر اک کارواں ہوا  
پہنچی وہیں نگاہ، جہاں آشیاں ہوا  
میں خاک ہو کے گردِ پسِ کارواں ہوا  
جو درد تھا ابھی، وہی آرامِ جاں ہوا

عالمِ مرا تمام ثنا خواں ہوا، جگر  
میں آپ اپنے شعر کا جب قدرداں ہوا



یہ مزا تھا خلد میں بھی نہ مجھے قرار ہوتا  
میں جنونِ عشق میں یوں ہمہ تن فگار ہوتا  
میرے رہک بے نہایت کونہ پوچھا مرے دل سے  
میری بیقراریاں ہی تو ہیں اس کی وجہ تسکین  
جسے چشمِ شوق میری کسی طرح دیکھ پاتی  
یہ دل اور یہ بیانِ غم عشق بے محابا  
تجسسی یہ ملال، اُس کا نہ دُکھے کسی طرح دل  
مرا حال ہی جگر کیا وہ مریضِ عشق ہوں میں  
کہ وہ زہر بھی جو دیتا مجھے سازگار ہوتا



عشق جب مصروفِ اصلاحاتِ رُوحِ دُن میں تھا  
آشنا قیدِ مکاں سے کب رہی برقِ جمال؟  
ہم نے تکمیلِ جنوں بھی جلوۂ زارِ غم میں کی  
مجھ کو سب معلوم ہے افسانۂ برق و کلیم  
رخصت اے بیگانگی، بس کھل گیا تیرا فریب!  
ورنہ ممکن ہی نہ تھا، نظارۂ برقِ جمال  
تھا جنونِ عشق خود ہی کار فرما، اے جگر!  
تُو عبث دیوانہ، فکرِ وسعتِ دامن میں تھا



دہر کی نیرنگیوں کا خوب عرفاں ہو گیا  
موجِ رنگارنگی صحرائے امکاں ہو گیا  
برق چمکی تھی کہ برپا جوشِ طوفاں ہو گیا  
ہر تڑپ کے ساتھ اک جلوہ نمایاں ہو گیا  
ذوقِ سجدہ ہر بنِ مَو سے نمایاں ہو گیا  
رُوحِ قالب سے نکل کر اصل میں گم ہو گئی  
انتہائے جستجو میں دیکھئے ہوتا ہے کیا؟  
رُوح جب تڑپی، نگاہِ شوقِ عاشق بن گئی  
لا شراب گہنہ ساقی! دل پریشاں ہو گیا  
اپنے جلوؤں میں مقید آپ انساں ہو گیا  
المدد، اے شوق! نظارہ پریشاں ہو گیا  
آج ثابت یار کا، قربِ رگِ جاں ہو گیا  
میں بھی کیا شے ہوں کہ اپنا آپ عنوان ہو گیا  
نے سے ہوتے ہی جُدا نغمہ پریشاں ہو گیا  
ابتدا یہ ہے کہ ہر ذرہ بیاباں ہو گیا  
دل جب اُچھلا، جلوہ گاہِ حُسنِ جاناں ہو گیا

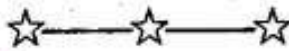


ایک مرکز پر سمٹ آیا جہاں آرزو  
کس کو دیکھا پردہِ خاکی میں اپنے جلوہ گر  
کم نہ تھا یہ عالم ہستی کسی صورت، مگر  
دل کے پرتو بن گئے سب نقش ہائے رنگ رنگ  
غم نے جنبش قلب کو دی، جاگ اٹھی روح شوق  
چشم پر غم، زلف آشفته، نگاہیں بیقرار  
زعم تھا ذوقِ نگاہ و جذب دل پر ناگہاں  
چھوٹ سکتا تھا کہیں اس جسم سے دامانِ روح  
دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار  
ورنہ کیا تھا، صرف ترتیبِ عناصر کے سوا  
یوں بسر کی زندگی میں نے اسیری میں، جگر

ہر طریقہ داخلِ آدابِ زنداں ہو گیا



تری نگاہِ ناز بایں شانِ اضطراب  
اب تک تو تیرے فیض سے اے عشقِ معتبر  
خوگر نہیں ہے تو تو بتا، اے نگاہِ شوق!  
ہر چند نجدِ عشق اٹھے ہزار قیس!  
پھر ہے وہیں، چلا تھا جہاں سے دلِ غریب  
ہم جانِ دردِ عشق و ہم ایمانِ اضطراب  
داغِ سکوں سے پاک ہے، دامانِ اضطراب  
پھر کون ہے یہ سلسلہ جنبانِ اضطراب؟  
نکلا مگر نہ ایک بھی شایانِ اضطراب  
آغاز ہی پہ لے گیا پایانِ اضطراب  
بے وجہ یہ سکونِ محبت نہیں، جگر  
اٹھنے کو ہے مگر کوئی طوفانِ اضطراب



ہو چکا تاملہ صورت و معنائے بہار  
میری نظروں میں ہے وہ منظرِ زیبائے بہار  
تیرا گلشن ہی نہ بن جائے قفس، اے بلبل!  
عکسِ افسردگیِ شوق، سراپائے خزاں!  
باہر آنا ہی نہ تھا پردہ بے رنگی سے  
تو بھی اب سامنے آ، اوچھن آرائے بہار!  
سب بہاریں ہیں جہاں گردِ کفِ پائے بہار  
دیکھ محدود نہ کر وسعتِ دنیائے بہار  
پرتوِ حسنِ نظر، صورتِ زیبائے بہار  
خود خزاں سازِ بنی برقِ تجلّائے بہار

تیرے دیوانے ہیں آزادِ تعین، ورنہ  
یہ خزاں کو بھی جو دیکھیں تو نظر آئے بہار



اپنے ہی جلوے دیکھے اپنی ہی بزمِ ناز میں  
عالمِ خواب جس طرح دیدہ نیم باز میں  
ناز کا اک سبق بھی لے درس گہ نیاز میں  
ذوب سکے نہ جو کبھی مغرب امتیاز میں  
ان کو اٹھا تو ہے ابھی خاص حریمِ ناز میں  
مجھ کو تو اک مزاملا، ہر غم جاں گداز میں  
بالب خشک و آہِ سرد، اس کی حریمِ ناز میں  
تیری بقا کا راز ہے شورشِ جاں گداز میں  
ساز میں نغمے وہ کہاں، جو ہیں شکستِ ساز میں  
مرکزِ اصل بن گیا، دائرہٴ مجاز میں  
ایسا بھی ایک بُتِ بلا بُت کدہٴ مجاز میں  
تم نے جسے مٹا دیا پردہٴ امتیاز میں  
موت کو نیند آگئی غم کی حریمِ ناز میں  
جی میں ہے سب سمیٹ لوں دامنِ امتیاز میں  
عیشِ دوامِ عافیت، غم کدہٴ مجاز میں  
موجِ خرامِ نغمہ ہے، نغمہ نہیں ہے ساز میں  
آپ کی نہ کیجئے اپنے جہونِ ناز میں

کام نہ آئی عقل کی عقدہ کشائیاں، جگر!

اور اضافہ ہو گیا سلسلہ ہائے راز میں



سننے تمام ویراں، آنکھیں تمام تر ہیں  
اے دل! وہی تو جلوے سرمایہٴ نظر ہیں  
ہشیار، اہلِ تمکین! رستے یہ پُر خطر ہیں  
بربادِ جستجو ہیں، پامال رہ گور ہیں

وحدتِ خاصِ عشق میں ذکر ہی غیریت کا کیا  
یوں ہیں مری نگاہ میں نقش و نگارِ کائنات  
حسنِ کمالِ عشق کا کوئی کمال رہ نہ جائے  
مشرقِ غم سے کر طلوع ایک وہ آفتابِ حسن  
دونوں جہاں میں دو قدمِ اول و آخر ہوں  
غیر جو تلخ کام ہے، اُس کے نصیب کی کمی  
توڑ کے سب قیود چل، اے دلِ مدِّ عاطف! طلب!  
جلد سکون و عیش سے ہاتھ اٹھا کہ، بے خبر!  
دل مرا توڑ کر کہا، اس نے زبانِ راز میں  
ہو کے فنائے ذاتِ حق دلِ مرا سوز و ساز میں  
دونوں جہاں تھے غرق و موجِ جس کی نگاہِ ناز میں  
خاک بھی اس غریب کی آہ! کہ پھر نہ اٹھ سکی!  
درد کا دل بڑھائے کون، پردہٴ در اٹھائے کون؟  
پھیلے پڑے ہیں جس قدر حسن کے جلوہٴ لطیف  
اصل سے ہو کے بے خبر، ڈھونڈنا اے دلِ حزیں!  
یہ جو تمام نغمہ ہے، دعوتِ عامِ نغمہ ہے  
میرے نیازِ عشق کا ہو ہی رہے گا فیصلہ

ندرت پسند کتنے عشاقِ خوش نظر ہیں  
رنگینیِ الم میں دیکھا ہے جن کو اکثر  
آساں نہیں گذرنا صحرائے بے خودی سے  
اپنا نشان بتائیں کیا رہروانِ غربت؟



درماندگی کے نالے، بچا رگی کی آپہں! وہ شام کی ہیں رونق، یہ زینتِ سحر ہیں  
 کیوں آسماں سے مل کر اپنا وقار کھوئیں کیا کم ہے یہ کہ تیری ہم خاک رہ گزر ہیں  
 بزمِ مشاعرہ ہے یا گلشنِ خمیل!  
 بلبل چپک رہا ہے، یا حضرت جگر ہیں!



سمجھائے کون، بلبلِ غفلت شعار کو؟ محدود کر لیا ہے چمن تک بہار کو  
 عصیاں کی بھی نہ ہو سکی تکمیل مجھ سے، آہ! کیا منہ دکھاؤں رحمت پروردگار کو؟  
 اے دل، جو راہِ عشق میں رکھا ہے تُو نے پاؤں کرنا نہ تنگ دائرہ اختیار کو  
 پھر دیکھنا بہار بیابانِ عشق کی! گلشن بنا چکوں گا جب اس خار زار کو  
 بھڑکا رہا ہوں آتشِ عصیاں ہر ایک سمت  
 پھیلا رہا ہوں رحمت پروردگار کو



بے خودی کا نہ ہوا شک کسی بیگانے کو فطرتِ عشق سنبھالے رہی دیوانے کو  
 جب سے معلوم کیا دل کے نہاں خانے کو آنکھ اٹھانے کو بھی فرصت نہیں دیوانے کو  
 عشقِ معصوم صفت، حسنِ ثقاہت دشمن مختصر کون کرے شوق کے افسانے کو  
 پی کے اک جام وہ جلوے نظر آئے مجھ کو دیکھتا ہوں کبھی مے کو، کبھی مے خانے کو  
 بجلیاں طورِ تصور پہ گرانے والے! بھونک دے، بھونک دے ہستی کے سیہ خانے کو  
 مے کشو! مژدہ کہ باقی نہ رہی قیدِ مکاں آج اک موج بہا لے گئی مے خانے کو  
 غیر از دوست نہ تھا ہستیِ عاشق کا وجود کم نگاہی نے دیا طول اس افسانے کو  
 قیس و فرہاد ہوں یا سرمد و منصور، جگر  
 ہم نے بے مایہ نہ دیکھا کسی دیوانے کو



نگراں کوئی بجز دیدہ مسخور نہ ہو جلوہ اس طرح دیکھا، برق نہ ہو، طور نہ ہو  
 خود ضیا بار جو اک جلوہ مسخور نہ ہو آئینہ خانہ عالم میں کہیں نور نہ ہو  
 رازِ غم فاش نہ ہو، عشق جو مجبور نہ ہو دیکھنا، کوئی پس پردہ منصور نہ ہو  
 آج ہر زخمِ نظر آتا ہے پیانہ بدست اس میں کچھ شعبدہ نرگسِ محمور نہ ہو  
 کھول کر آنکھ زرا دیکھ تو لے اے غافل! تیری ہستی ہی حجابِ رخ پر نور نہ ہو

دل کا ہر ذرہ اگر برقی سرِ طور نہ ہو  
 جتنے وہ پاس ہیں، اتنا بھی کوئی نہ ہو  
 ہے یہی گفر، اگر دیدہ منصور نہ ہو  
 کیا قیامت کرنے انسان، جو مجبور نہ ہو!  
 آدمی اپنی حقیقت سے اگر دور نہ ہو  
 کوچہ عشق سے باہر نکل جائے، جگر!  
 جیتے جی خاک میں ملنا جسے منظور نہ ہو



ابھی کچھ روز ہی گزرے نہ تھے تخلیق انساں کو  
 ملک اور سجدہ کرتا، ایک مُشتِ خاکِ انساں کو!  
 کسی صورت نہ ہونے دُوں عیاں اسرارِ جاناں کو  
 خدا رکھے سلامت اس دلِ برباد و ویراں کو!  
 خزاں آتے ہی ٹوٹیں جلوہ ظاہر کی سب قیدیں  
 عزادارِ تمنا ہوں، نہ پوچھو میری بربادی  
 یہیں سے روز کر لیتے ہیں سیرِ دو جہاں وحشی  
 نہ پوچھی بات بھی اس شوخ کی کافر نگاہوں نے  
 ابھی اے جوشِ وحشت! کون یہ کہتا ہوا گرز ا؟  
 عطا کردہ مذاقِ عشق، اے بیگانہ عالم!  
 کمالِ لذتِ ذوقِ اسیری، تو کہاں ممکن  
 نہ تھا کوئی حجابِ اک یغزشِ مستانہ کے آگے  
 مزاجِ حُسن و تکلیفِ تجلی، اے معاذ اللہ!  
 نہیں آپے میں کوئی، کس کو ہوا احساسِ نظارہ  
 نکاتِ عشق حل کرتی ہے ہر جنبشِ نگاہوں کی  
 دکھا کر اک جھلکِ سامانِ راحت جس نے لوٹا تھا

تغافل بھی کسی کا وجہ تسکین، اے جگر! کیا ہو

سمجھتا ہے یہ دل کم بخت پر سشہائے پنہاں کو





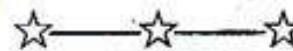
قدرت کی آن والے، رحمت کی شان والے  
دونوں جہاں کی نعمت ہے مٹھیوں میں تیری  
تجھ پر جہاں تصدق، او پاک جان والے  
بوسیدہ کپڑوں والے، ٹوٹے مکان والے  
دم بھر میں بے زباں تھے، ساری زباں والے  
مہجور کب تک آخر ہندوستان والے  
روضہ پہ اے صبا تو جا کر یہ عرض کر دے  
اک جنبش نگہ کے سب منتظر کھڑے ہیں  
پُر درد قلب والے، پُر سوز جان والے



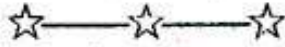
ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانے کی  
چلی کچھ ایسی مخالف ہوا زمانے کی  
یہ شرح سے دل عشاق کے فسانے کی  
اب آگے، دیکھیں، کرے کیا ہوا زمانے کی  
جنہیں سمجھتے ہو نیرنگیاں زمانے کی  
قفس کے سامنے بجلی کچھ اس طرح چمکی  
یہ بزمِ دل، خس و خاشاک پر نہیں موقوف  
خزاں، دیگی شوق نا تمام مری  
تعینات کے ہیں وصل و ہجر دو پہلو  
زبان غیر گجیا؟ انکشاف راز گجیا؟  
کھلی نہ مجھ پہ حقیقت مرے فسانے کی



ہر پردہ ہستی میں جب تو متشکل ہے  
صحرا ہے نہ بستی ہے، دریا ہے نہ ساحل ہے  
کیا چیز ہے کل عالم، کیا چیز مرادل ہے؟  
حیراں ہوں کہ یہ آخر کیوں بچ میں حائل ہے  
خود شورش ہستی ہے تمہید فنا، یعنی  
جس میں کہ ترے جلوے خود تیرے پھرتے ہیں  
حیران ہوں میں جلوہ پھر کون سا باطل ہے  
جو کچھ نظر آتا ہے، اک شعبدہ دل ہے  
حیرت کا اک آئینہ حیرت کے مقابل ہے  
میرا ترا رشتہ تو بے واسطہ دل ہے  
ہنگامہ، محفل ہی برہم زین محفل ہے  
اس خون کا ہر قطرہ، کونین کا حاصل ہے  
وسعت نے نگاہوں کی تاریک کیا منظر  
ایک ایک قدم ورنہ، خود عشق میں منزل ہے



جدھر کو جھوم کے مست شراب دیکھیں گے  
 بغور عالم ہستی پہ جب کریں گے نگاہ  
 تمام زہد ریائی خراب دیکھیں گے  
 ہر ایک موج کو موجِ سراب دیکھیں گے  
 وہ خاکِ محفلِ چنگ و رباب دیکھیں گے؟  
 خبر نہیں کہ کسے کامیاب دیکھیں گے  
 ادب معاملہ داں، شوقِ مصلحت دشمن  
 جگر کی بادہ کشی ان دنوں، معاذ اللہ!  
 جب آپ دیکھیں گے غرقِ شراب دیکھیں گے



چشمِ نظر پرست میں جس کا جہان نام ہے  
 کس کے فروغِ حسن کا آج یہ فیض عام ہے  
 حسن تمام یار کا جلوہ نا تمام ہے  
 شامِ نثارِ صبح ہے، صبحِ نثارِ شام ہے  
 خلوتیانِ راز کا خاص یہ اک پیام ہے  
 کیفِ وصالِ دوست بھی منزلِ نا تمام ہے  
 حسن کی بارگاہ میں رکھے سنبھال کر قدم  
 یہ وہ مقام ہے جہاں خواہشِ دل حرام ہے  
 گرمی سوزِ عشق سے، دل کو جلا تو، بوالہوس!  
 صبح کو بھی نہ بجھ سکے یہ وہ چراغِ شام ہے  
 شوق کی انتہا کہو، یا کہ فریبِ عاشقی  
 شورِ انا الحیب کا خاصہ مقام ہے  
 ایک بلا کی بے خودی، ایک غضب کی بے حسی  
 دورِ حیات کہتے ہیں جس کو وہ دورِ جام ہے  
 بندگیِ جنوں ادا بے خودیِ ادب سرشت  
 حسن کی اصطلاح میں عشق اسی کا نام ہے  
 اک ادائے پُر سکوت، لاکھ نوائے پُر خروش  
 وہ روشِ خاص تھی، یہ روشِ عام ہے  
 شیفۃ صفات کو کوئی سکون ہو تو ہو  
 عاشقِ ذات کو کہاں ایک جگہ قیام ہے  
 اب تو خدا کے واسطے زیت کا دو جگر ثبوت  
 خوابِ گراں وہی ہے اور وقتِ قریبِ شام ہے



سوز میں بھی وہی اک نغمہ ہے جو ساز میں ہے  
 یہ سبب ہے کہ تڑپِ سینہ ہر ساز میں ہے  
 فرقِ نزدیک کی اور دور کی آواز میں ہے  
 مری آواز بھی شامل تری آواز میں ہے  
 جو نہ صورت میں، نہ معنی میں، نہ آواز میں ہے  
 دل کی ہستی بھی اسی سلسلہٴ راز میں ہے  
 ہمہ تن محو دل اک نغمہ بے ساز میں ہے  
 اب نہ مطرب میں کوئی فرق، نہ آواز میں ہے  
 عاشقوں کے دلِ مجروح سے کوئی پوچھے  
 وہ جو اک لطفِ نگاہِ غلط انداز میں ہے  
 گوشِ مشتاق کی کیا بات ہے، اللہ اللہ!  
 سن رہا ہوں میں وہ نغمہ جو ابھی ساز میں ہے  
 حسنِ انجام پر کس طرح تصدق کر دوں  
 وہ جو اک لطفِ ہر اک لغزشِ آغاز میں ہے؟



حرم و دیر نظر آتے ہیں سب سر بہ سجود  
جلوہ گر کون مرے شوقِ جبین ساز میں ہے؟



کیونکر نہ روشن تجھ سے ہوں کون و مکانِ عاشقی  
اللہ رے سوزِ دلِ خون کشتگانِ عاشقی  
لے کر ازل ہی سے چلے، شوریدگانِ عاشقی  
کیا قصہ جوِ فلک، کیا داستانِ عاشقی؟  
ناکام ہی اب تک رہے، بدنام ہی اب تک رہے  
گولب پر آہِ سرد ہے، چہرہ بھی غم سے زرد ہے  
اٹھنے کو ہے اُن کی نظر ہونے کو ہے وہ آنکھ تر  
برہم اُدھر بزمِ جہاں، تاراجِ باغ و آشیاں  
اُن کی نگاہِ لطف ہے اور کشفِ رازِ دلبری!  
آؤ جہاں برہم کریں، پیدا نیا عالم کریں

یہ مصرعِ حسرت جگر نشتر سے بھی ہے تیز تر  
سیرابِ غم کر دے کہیں پیرِ مغانِ عاشقی



وہ بزمِ تماشا بھی کیا بزمِ تماشا ہے!  
یہ حُسنِ طلب ہی کا اک جلوہ رعنا ہے  
دُنیا یہ اُسی کی ہے، عالم یہ اُسی کا ہے  
آغازِ محبت کا انجام بس اتنا ہے  
بے کار ہے، اے مجنوں! یہ پیکرِ آب و گل  
کیا حُسن کا افسانہ محدود ہے لفظوں میں؟  
کہنے کے لئے کہہ لیں سب کچھ اسے اہلِ دل  
اس دَور میں مجنوں ہی کوئی نہ رہا، ورنہ

جو جلوہ ہے پردہ ہے، جو پردہ ہے جلوہ ہے  
کس نے اُسے دیکھا ہے، کس نے اُسے پایا ہے  
جو آپ ہی مجنوں ہے، جو آپ ہی لیلا ہے  
جب دل میں تمنا تھی، اب دل ہی تمنا ہے  
اس چیز کا طالب بن جو اصل میں لیلا ہے  
آنکھیں ہی کہیں اس کو، آنکھوں نے جو دیکھا ہے  
خود ورنہ محبت بھی اک طرح کا پردا ہے  
اب تک وہی مجمل ہے، اب تک وہی لیلا ہے

بھر دو انہیں جلووں سے، یا آگ لگا دو تم!  
آنکھیں بھی تمہاری ہیں، سینہ بھی تمہارا ہے



تاثیرِ محبت کی اللہ رے مجبوری! ہر بعد میں اک قربت، ہر قرب میں اک دُوری  
 یوں محو فنا ہو جا، اے دل رہ اُلفت میں ہر سانس سے پیدا ہو اک نعمتِ مضموری  
 گل ہستی عالم پر طاری ہیں صفات اُس کے سب کہنے کی باتیں ہیں، مختاری و مجبوری  
 خود اپنے لئے بلبلیں، تجویزِ قفس کر لے اُس پر بھی جو کھل جائے صیاد کی مجبوری  
 تُو نے ہی جگر اس کو مٹی میں ملایا ہے  
 ورنہ یہ ترا دل تھا اک آئینہ نوری

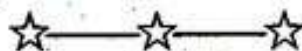


آدمی نشہ غفلت میں بھلا دیتا ہے "تجھ سے میں دُور کسی وقت نہیں ہوں غافل!"  
 بادۂ نابِ عجب چیز ہے، ساقی، لیکن پھر شرابی تری آنکھوں کے نہ چونکے تاحشر  
 جھلملاتے ہوئے تاروں کا یہ، اللہ رے، فیض! تجھ سے وحشی ترے، غافل نہیں رہنے پاتے  
 ہائے کیا چیز گل داغِ محبت ہے، جگر خشک ہونے پہ بھی جو یوئے وفا دیتا ہے!



رند وہ ہوں کہ غزل بھی مری رندانہ ہے اپنی ہستی کے جو انوار سے بیگانہ ہے  
 ہجرِ جاناں میں غضبِ شورشِ مستانہ ہے سلسلہ روئے ازل سے ہے برابر جاری  
 حیرتِ عشق بھی کیا چیز ہے، اللہ اللہ! چھیڑاے مُطربِ غم! تازہ غزل کوئی، مگر  
 کل جہاں گرم تھا ہنگامہِ تاثیر و نظر بت پرستوں پہ عبثِ طعن ہیں، اے شیخِ حرم!  
 روشِ دہر کا ہر نقشِ پُکارے گا مجھے  
 معنی و لفظ نہیں، بادہ و پیمانہ ہے وہ فقط چند حجابات کا دیوانہ ہے  
 رُوحِ قالب میں نہیں، قید میں دیوانہ ہے نہیں معلوم کہاں تک مرا افسانہ ہے  
 نہ یگانہ ہے یہاں کوئی، نہ بیگانہ ہے یہ نہ معلوم ہو مجھ کو، مرا افسانہ ہے  
 آج دیکھا تو بس اک دشت ہے ویرانہ ہے اپنے بُت دیکھ کہ تُو آپ ہی بُت خانہ ہے  
 یہ نہ سمجھو کہ مجھی تک مرا افسانہ ہے  
 واہ کیا مست غزل تُو نے پڑھی آج جگر

ایک اک لفظ چھلکا ہوا پیمانہ ہے





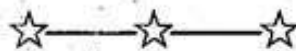
دلِ حزیں کی تمنا دلِ حزیں میں رہی  
 حجاب بن نہ گئی ہوں حقیقتیں باہم  
 سرِ نیاز نہ جب تک کسی کے در پہ ٹھکا!  
 ہوں نے پھریے اس درجہ خواہشات کے بت  
 بقیدِ ظرف مئے بندگی کا جوش رہا  
 عدم میں بھی مری ہستی کی تھی یہ شانِ وجود!

نگاہِ حضرتِ اصغر کی ہر ودیعتِ خاص  
 قرار بن کے جگر کے دلِ حزیں میں رہی



موت پر حیرانی و حیرت ہی کیا؟  
 رُوح ہے اک نغمہ سازِ الست  
 اُن کو اپنی شانِ رحمت پر غرور  
 لفظ و معنی جس کو چھو سکتے نہیں  
 لب تک، اے صیاد، آ سکتی نہیں  
 یوں نہ دیکھے کوئی تو کچھ بھی نہیں  
 ہوشیار، اے طائرِ جان، ہوشیار!  
 سرِ ہستی دو عالم کچھ نہ پوچھ  
 اضطرابِ دل بھی کیا شے ہے کہ اب  
 زندگی کیا ہے، نمودِ عاشقی  
 زندگی جس سے عبارت ہے، جگر

وہ کسی کی اک نگاہِ ناز ہے



مسرور ہوں کیفیتِ دردِ جگری سے  
 کہتے ہیں جسے اہلِ نظر ہوش کی دُنیا  
 وہ بن گئے سب سینہ گردوں کے ستارے  
 پھولوں کا نہ وہ رنگ، نہ بلبل کے وہ انداز  
 ہر چیز پہ پڑتی ہیں تحیر کی نگاہیں  
 کچھ کام اثر سے ہے نہ اب بے اثری سے  
 کچھ کچھ ہے خبردار مری بے خبری سے  
 بھڑکے تھے جو شعلے مرے داغِ جگری سے  
 عالم ہے مبدل مری حرماں نظری سے  
 چھوٹا ہوں جو اب سلسلہ بے خبری سے

جب آہ مری باپ اثر دیکھ چکی سب تب جا کے ہوا ربط کہیں بے اثری سے  
 سمجھا گیا اک جلوۂ بیتاب کسی کا جو راز کہ محبوب تھا فہم بشری سے  
 دل خون ہوا جاتا ہے، لب پر ہے تہنم ہم جان فدا کرتے ہیں کس بے جگری سے  
 لہ جگر! اب تو ذرا ہوش میں آجا!  
 تنگ آ گئے احباب تری بے خبری سے

☆—☆—☆

سنا ہے حشر میں اک حُسن عالمگیر دیکھیں گے خدا جانے تجھے، یا اپنی ہی تصویر دیکھیں گے  
 دل برباد ہی میں حُسن کی تصویر دیکھیں گے اسی برگِ خزاں دیدہ پر اک تصویر دیکھیں گے  
 جدا ہرگز نہ حسن و عشق کی تصویر دیکھیں گے وہ جب دیکھیں گے مری خاک دامن گیر دیکھیں گے  
 اگر فرصت ملی عرفانِ تاثیرِ محبت سے تجھے بھی ایک دن، اے آہ! بے تاثیر دیکھیں گے  
 رہائی ہو نہیں سکتی، کبھی قیدِ تعلق سے جو اک زنجیر ٹوٹی، دوسری زنجیر دیکھیں گے  
 بغور اس ہستیِ خاکی پہ بھی ہم اک نظر کر لیں قیامت تک نہ پھر ایسی کوئی تصویر دیکھیں گے

اب اس صورت سے کیا آئیں ترے آئینہ خانہ میں؟

تری تصویر ہی بن کر تری تصویر دیکھیں گے

☆—☆—☆

کس قدر جامع ہے میرا عالمِ تصویر بھی حُسن کی تشریح بھی ہے، عشق کی تفسیر بھی  
 زوچ کی رنگینیوں سے جسم بھی ہے فیضِ یاب کم نہیں تصویر سے آئینہ تصویر بھی  
 ٹونے نالے عشق میں جتنے کئے، اے بے خبر! ہو گئی اتنی ہی ضائع عشق کی تاثیر بھی  
 اس کی عالی ہمتی کا کیا ٹھکانہ، اے جگر!

تنگ ہو جس کے لئے فریاد بھی تاثیر بھی؟

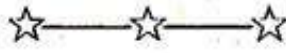
☆—☆—☆

یہ دورِ مستعار خزاں و بہار کے دو سلسلے ہیں اک نگہِ فتنہ کار کے  
 وارفتگانِ عشق، ہوں ہم رنگ کس طرح! عالم جدا جدا ہیں نگہ ہائے یار کے  
 ہونے دیا تعلقِ اصلی نہ منقطع! مجھوریاں بھی ساتھ چلیں اختیار کے  
 دیوانہ جوں کی وہ ہے ایک سیر گاہ تھمتے نہیں ہیں پاؤں جہاں ہوشیار کے  
 آکر قفس میں اب نہ گھلا ہے معاملہ ہم اہل تھے خزاں کے نہ رنگ بہار کے  
 رگ رگ میں آج دوڑ گئی موجِ سرخوشی قربان تیری لغزشِ مستانہ وار کے

! میری نزدیک صبح ہے (جگر)

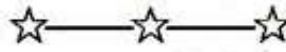


رواں اگرچہ ہیں اس میں بھی سب وہی موجیں  
مگر ہے قطرے پہ فرض احترام دریا کا



وہ ہجر کے پردے میں جس وقت کہ واصل تھا  
کل دیکھ کے یہ منظر، قابو میں نہ پھر دل تھا  
کیا سیر تھی، میں جب تک آوارہ ساحل تھا!  
حیراں ہوں کہ یہ آخر کیوں بیچ میں حائل تھا  
گل اتنی حقیقت تھی منظور انا الحق کی  
کونین کا غم دل نے سب لے لیا اپنے سر  
جب غور کیا دم بھر، سب نقش چمک اٹھے  
دل کے لئے الفت کی قیدیں ہی مناسب تھیں  
خود اپنی تجلی میں جب عشق تھا مستغرق

کیا دن تھے جگر وہ دن، جب صحبت اصغر میں!  
مسرور طبیعت تھی، محروم مرا دل تھا



سینے سے دل اُچھلتے ہی رفعت نشاں ہوا  
دل بتلائے نالہ و آہ و فغاں ہوا  
صیاد! دونوں گھر ہیں بس اک گل کے نام کے  
غفلت کے ساتھ ساتھ ہے یہ قید جسم بھی  
صحرائے جستجو سے نہ آگے بڑھے قدم  
صیاد سے چھپا نہ سکی کوئی شاخِ نخل  
چھوٹا نہ رشتہ طلب دوست ہاتھ سے  
تبدیلی مقام سے بدلی فضائے عشق

یہ ذرہ جب بلند ہوا، آسماں ہوا  
اے شانِ عشق! حُسن ترا رائیگاں ہوا  
تیرا قفس ہوا کہ مرا آشیاں ہوا  
پھر میں کہاں، اگر مجھے عرفانِ جاں ہوا؟  
گم اس کی وسعتوں میں ہر اک کارواں ہوا  
پہنچی وہیں نگاہ، جہاں آشیاں ہوا  
میں خاک ہو کے گردِ پسِ کارواں ہوا  
جو درد تھا ابھی، وہی آرامِ جاں ہوا

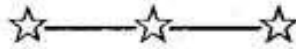
عالم مرا تمام ثنا خواں ہوا، جگر

میں آپ اپنے شعر کا جب قدرداں ہوا



## جگر پارے

مٹایا جس قدر ہستی کو تصویریں ہوئیں پیدا ہوئے ہم جس قدر آزاد زنجیریں ہوئیں پیدا



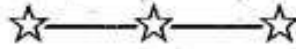
پاسِ ادب سے چھپ نہ سکا رازِ حُسن و عشق جس جا تمہارا نام سنا، سر جھکا دیا



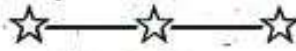
جس میں آباد تھی دُنیا ئے محبت میری ہائے اس اشک کا آنکھوں سے جُدا ہونا



اُمیدِ عفو کو بھی میں نے اب دل سے مٹا ڈالا یہ تھا اک بد نما دھبہ مرے دامنِ عصیاں کا



کیا بلا عشق تماشا ساز ہے اس کا ہر انجام اک آغاز ہے



اس جلوۂ تمام کی ہم کو خبر ہی کیا؟ اک ناتواں سا رشتہ تارِ نظر ہی کیا؟



مرا احساسِ غم، اے کاش! اتنا تیز ہو جاتا جو چھو جاتی ہوا، دل درد سے لبریز ہو جاتا

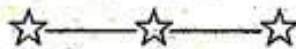
نہ رکھا دل کو احساسِ گنہ نے مشتعل، ورنہ یہ ساری لذتیں ہیں میرے شوقِ نامکمل تک

نشہ صہبائے غفلت جب ذرا کچھ کم ہوا

تیرے اسرارِ حقیقت کا وہی محرم ہوا

رہ کے عالم میں بھی جو بیگانہ عالم ہوا

رُوح مضطر ہی رہی، جب تک نہ پیدا غم ہوا



توڑ کر سینہ و دل یار کا پیکاں نکلا جان نکلی مرے اللہ، کہ ارماں نکلا!





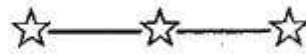
تھی حریم ناز کے پردوں میں بھی جنبش تمام  
مڑ کے پھر میں نے نہ دیکھا میں ہوں ایسا رنورد  
بے دلی پر کیوں ہراساں ہوں کہ ہے مجھ کو خبر  
ایک رنگِ خاص سے جب مضطرب تھا دل مرا  
دیکھتی ہی رہ گئی حسرت سے منہ منزل مرا  
خود نگاہِ ناز ہی اک دن بنے گی دل مرا



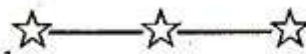
عشق کی دسترس ہو کیا جلوہ بے پناہ تک!  
اٹھ نہ سکی نگاہ بھی، کر نہ سکے اک آہ تک



بیانِ اہلِ دل ہے کب اسیرِ قیل و قال میں  
نظرِ ملی کہ ہو گیا تبادلہ خیال میں



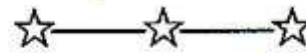
تھی سکونِ یاس میں بھی موجزنِ اکِ برقِ حُسن  
میں یہ سمجھا تھا کہ اب کوئی شریکِ دل نہیں



کس کو رہا ہے پاسِ عشق، کس کو رہے گا پاسِ حُسن  
دیدہ شوق سے ہوئیں آج وہ گلِ فشانیاں  
حُسن میں گم حواسِ عشق، عشق میں گم حواسِ حُسن  
ڈوب گئی بہار میں سادگیِ لباسِ حُسن!



بیکسانِ راہِ اُلفت کو سمجھتے کیا ہو؟  
عرشِ ہل جائے اگر دل سے یہ فریاد گریں



غفلتوں میں قید کب فطرت کے کارِ بار میں  
جمع ہیں اضداد تو قائم ہے شانِ امتیاز  
رُوح کہتی ہے کہ سوئیں آپ، ہم بیدار ہیں  
کلفتیں ہی مٹ گئیں تو راحتیں بیکار ہیں

## قطعہ

مستِ جامِ شراب ہوتا ہوں ہمہ تن آفتاب ہوتا ہوں  
کل دکھایا تھا آپ نے جلوہ آج میں بے نقاب ہوتا ہوں



## قطعہ

ہو گئے مرگ و زیت سے آزاد حُسنِ انجامِ اس کو کہتے ہیں  
بعد مرنے کے بھی قرار نہیں مرگِ ناکامِ اس کو کہتے ہیں



برق گرتی ہے کہیں، چلتی ہیں شمشیریں کہیں وہ کہیں خود عشوہ فرما، اُن کی تصویریں کہیں  
جذبہٴ دل رنگ بن کر مائل پرواز ہے لے کے اڑ جائیں مصوٰر کو نہ تصویریں کہیں



جان اُن پر نثار کرتا ہوں پیار کی طرح پیار کرتا ہوں  
لذتِ گریہِ فراق نہ پوچھا! ہر تبسم نثار کرتا ہوں  
عشق کی بے نیازیاں بن کر حُسن کو بے قرار کرتا ہوں



جو آنسو آنکھ سے ٹپکے وہ نظروں سے نہاں کیوں ہو؟ الہی! حاصلِ دردِ محبت رائیگاں کیوں ہو؟  
یہی منشاءِ جاناں ہے، تو افشارِ رازِ جاں کیوں ہو؟ کمالِ ضبط بھی، اے دل، اک اندازِ بیاں کیوں ہو؟



عقل باریک ہوئی جاتی ہے رُوح تارِ یک ہوئی جاتی ہے



یہ کس سے کلام ہو رہا ہے ہر سانسِ پیام ہو رہا ہے  
ہشیار کو کب خبر ہے اس کی غفلت سے جو کام ہو رہا ہے  
ہر نقشِ جبینِ عاشقی کا مسخوٰرِ انام ہو رہا ہے



بُھپ کے رہ نہیں سکتی، عاشقی وہ مستی ہے دل سے بادل اُٹھتے ہیں، آنکھ سے مئے برستی ہے  
ہوش کا وہ بندہ یہ سجدہ ریوِ مستی ہے آدمی کی فطرت میں یعنی بُت پرستی ہے  
بے خبر! یہی تو ہے دو جہاں کا سرمایہ یہ جو تیرے سینے میں مضطرب سی مستی ہے



ناگوارا ہے یہ شانِ جہدِ آزادی مجھے میں تو مر جاؤں، جو کہہ دے کوئی فریادی مجھے



کیا کیا خیال و وہم نگاہوں پہ چھا گئے جی دھک سے ہو گیا، یہ سنا جب، وہ آگئے



شوقِ محوِ آرائش، عشقِ غرقِ وحدت ہے اک نظر میں مستی ہے، اک نظر میں حیرت ہے  
کیا مزاجِ دل کہئے؟ دل کی اب یہ صورت ہے حال ہے نہ بے حالی، کچھ عجیب حالت ہے





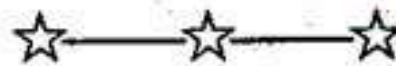
کسی طرف سے شبِ غم صدا نہیں آتی!      پُکارتا ہوں قضا کو، قضا نہیں آتی  
ترے فراق کے غم نے بچا لیا سب سے      مرے قریب کوئی اب بلا نہیں آتی



ہر قدم پر گر گر کر آدمی سنبھلتا ہے      یعنی خضر بھی کوئی ساتھ ساتھ چلتا ہے



گذر سکے تو گذر جا بطرزِ بے خبری      یہ کل جہاں ہے فریب تجلی نظری



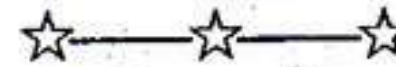
میں بتاؤں تجھ کو یہ راز کیا؟ تو اسیرِ دامِ قیود ہے      میں جہاں ہوں نغمہ سرا، وہاں نہ وجود ہے نہ شہود ہے



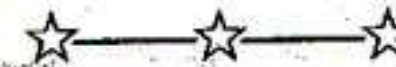
ہوشیار، اے دیدہ گستاخِ عاشق ہوشیار!      اُس کے استغنائے وقتی پہ نہ جانا چاہیے!!  
بزمِ ساقی میں نہیں کچھ کام عقل و ہوش کا      مست جانا چاہیے مدہوش آنا چاہیے



محبت کی پُرے پچ راہوں نے مارا!      تری آڑی ترچھی نگاہوں نے مارا



وہ غریقِ معرفت، یہ محوِ ماومن میں ہے      عینِ قربت پر بھی کتنا بعدِ روح و تن میں ہے  
ہم سے پوچھو، وہ کہاں ہے اور کس مسکن میں ہے      درد کی بیتابیوں میں، قلب کی دھڑکن میں ہے



## جذباتِ جگر

(دورسوم)

اُس کی نگہِ ناز کے قابل نہ سمجھنا  
 بے کار سی اک ہستی باطل نہ سمجھنا  
 دل ہی کو فقط درد کے قابل نہ سمجھنا  
 میں دل سے سہی دُور، مگر اے غمِ جاناں!  
 جو موجِ نظر ہے، وہ ہے اک برقی تجلی  
 ہر جلوے کے پردے میں وہ خود سیر کننا ہے  
 خود دے کے کہا دردِ محبت یہ کسی نے  
 کہتی ہے یہ اب وسعتِ دیوانگی شوق  
 اے قیسِ نظر! حُسنِ حقیقت سے خبردار  
 ہر سانس ہے در پردہ نگہبانِ محبت  
 اے بے خبرو! دل کو کبھی دل نہ سمجھنا  
 نقشِ قدمِ یار ہے یہ، دل نہ سمجھنا  
 اس شوخ سے خالی کوئی محفل نہ سمجھنا  
 دل کو مرے، آوارہٴ منزل نہ سمجھنا  
 آنکھوں کو فقط پردہٴ حائل نہ سمجھنا  
 تنہا اسے ہنگامہٴ محفل نہ سمجھنا  
 ”اب آج سے اپنا اے تم دل نہ سمجھنا“  
 منزل بھی جو آ جائے تو منزل نہ سمجھنا  
 سایہ ہے اسے صاحبِ محفل نہ سمجھنا  
 نہار کبھی، حُسن کو غافل نہ سمجھنا  
 ہر ذرہ سے اک پیکرِ صد حُسنِ حقیقت  
 ہستی کو، جگر! ہستی باطل نہ سمجھنا



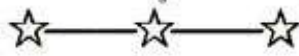
محال تھا کہ میں آزادِ دو جہاں ہوتا  
 نہاں کئے سے کہیں رازِ غم نہاں ہوتا؟  
 یہ سوچتا ہوں، ٹھکانا مرا کہاں ہوتا  
 محال تھا کہ غمِ عشق بے نشاں ہوتا  
 جو میں خود اپنی حقیقت کا راز داں ہوتا  
 یہ سب ہیں فیضِ اسی دمِ قدم کے، اے بلبل!  
 بھلا ہوا کہ نظر حیرتوں میں ڈوب گئی  
 بقیدِ جسم نہ ہوتا، بقیدِ جاں ہوتا  
 زباں دہن میں نہ ہوتی تو دل زباں ہوتا  
 اگر وہ میری طرح مجھ سے بدگماں ہوتا  
 جو میں نہیں تو مری آہ کا دھواں ہوتا  
 تمام منظرِ فطرت مری زباں ہوتا!  
 خزاں نہ تنکے اڑاتی، نہ آشیاں ہوتا  
 کہاں کہاں نہ ترا حُسنِ رائگاں ہوتا!



جبیں پہ سجدہ بُت کا بھی اک نشاں ہوتا  
 میں آج پی جو نہ لیتا، وہ بدگماں ہوتا  
 یہ دردِ ہجر ہی، اے کاش جاوداں ہوتا!  
 کوئی تو باخبرِ جلوۂ بُتاں ہوتا  
 مری جبیں سے جو باہر وہ آستاں ہوتا  
 وہ التفات نہ کرتے تو کچھ بیاں ہوتا  
 یہ جانتا تو نہ شرمندہ فغاں ہوتا  
 وہ مہرباں جو نہ ہوتا، تو مہرباں ہوتا  
 کہاں نصیب، یہ وقتِ وداعِ جاں ہوتا  
 مزا تو جب تھا کہ میں بھی نہ درمیاں ہوتا

صفاتِ عشق کی تکمیل بھی ضروری تھی  
 بہارِ توبہ شکن، چشمِ مستِ یارِ مُصر  
 کہاں فراغِ تلونِ مزاجیوں سے تری؟  
 کمالِ اہلِ حرمِ مستند سہی لیکن!  
 یہ ذوقِ سجدہ کہیں مطمئن نہ رہ سکتا  
 کہاں ہم، اور کہاں اب فسانہِ غمِ عشق  
 وہ حالِ دلِ لبِ خاموش سے بھی سُنتے ہیں  
 گدازِ عشق کی اب شرحِ مختصر یہ ہے  
 نثار ہو گئے، اک جلوۂ تبسم پر  
 تمام اٹھ گئے پردے، تو اس سے کیا حاصل؟

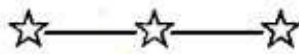
یہ سب نمود و نمائش ہے تیرے چھپنے سے  
 جو تو نہ پردے میں ہوتا، تو میں کہاں ہوتا



حیرت آوارہ نہ تھی، عشق جنوں کوش نہ تھا  
 بادۂ عشق میں نشہ تھا، مگر جوش نہ تھا  
 کون سا اشک تھا، جو ساغرِ سر جوش نہ تھا

یادِ ایام، کہ جلوؤں کا ترے ہوش نہ تھا  
 حُسن بھی بزم میں جب تک کہ قدحِ نوش نہ تھا  
 ہائے آغازِ محبت کا وہ دورِ سرشار

دنِ جوانی کے جگر بے خبری میں گزرے  
 ہوش کا وقت جب آیا، تو مجھے ہوش نہ تھا



گریباں سے پیدا گریبان ہو گا  
 غمِ عشق خود اپنا عنوان ہو گا  
 تصور کسی کا پریشان ہو گا  
 جو وہ دیکھ لے گا، تو حیران ہو گا  
 ”جہاں ہم رہیں گے، یہ سامان ہو گا“  
 تری اک نظر کا جو نقصان ہو گا  
 تری یاد ہو گی، ترا دھیان ہو گا

بچوں میں بھی کیا کم یہ سامان ہو گا؟  
 نہ جاں دل بنے گی، نہ دل جان ہو گا  
 ٹھہر، اے دلِ درد مندِ محبت!  
 مرے دل میں بھی اک وہ صورت ہے پنہاں  
 یہ کہہ کر دیا اُس نے دردِ محبت  
 گوارا نہیں جان دے کر بھی دل کو  
 کئے گی شپِ غم بڑی راحتوں سے

چلو دیکھ آئیں، جگر کا تماشا  
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہو گا



حُسن کے احترام نے مارا      عشق بے ننگ و نام نے مارا  
وعدہ نا تمام نے مارا      روز کی صبح و شام نے مارا  
لرزش دستِ شوق، آہ نہ پُوچھا!      لغزشِ نیم گام نے مارا  
عشق کی سادگی تو ایک طرف      شوق کے اہتمام نے مارا  
اللہ اللہ! نفس کی آمد و شد      اس پیام و سلام نے مارا  
عشق مرتا نہ اپنی موت سے آہ!      عاشقانِ کرام نے مارا  
کاش وہ عمرِ خضر بن جاتے      جن خیالاتِ خام نے مارا  
میں نہیں بسمِ خیاں، جگر  
حافظِ خوش کلام نے مارا



چدھر سے حُسن کا اک گوشہ نقاب اٹھا  
یہ کون جامِ تہی کردہ و خراب اٹھا؟  
نظر کو مست مئے حُسن کر، حجاب اٹھا  
یہ سب جو حُسنِ حقیقت پہ ہیں حجاب، اٹھا  
نشانِ منزلِ جذبِ تمام چھپ نہ سکا  
کہاں مشاہدہٴ رُوح میں ہے پابستہ؟  
نمودِ حُسن کی یہ گرمی مزاج تو دیکھ  
کہیں نہ فتنہ کوئی اٹھ کے تھام لے دامن  
رہ طلب میں نہ کر، خوفِ لغزشِ پاسے  
جہانِ حُسن سے تکمیلِ تشنگی کر لے  
بھری ہوئی ہیں فضائیں جمالِ غم سے تمام  
تمام ذرے پکارے، وہ آفتاب اٹھا  
کہ مے کدے کو لئے شورِ اضطراب اٹھا  
جگر! شراب نہ پی، جہمتِ شراب اٹھا  
نظر کو ہے جو اٹھانا تو کامیاب اٹھا  
ادھر فنا ہوا قطرہٴ ادھر حباب اٹھا  
بہت لطیف سہی، پھر بھی یہ حجاب اٹھا  
ہزار قطرے فنا کر کے، اک حباب اٹھا  
قدم نہ راہِ محبت میں بے حساب اٹھا  
یہاں جو گر کے اٹھا، بس وہ کامیاب اٹھا  
ابھی نظر سے نہ یہ پردہٴ سراب اٹھا  
گناہگارِ نظر! لذتِ عذاب اٹھا

۱۔ ”آفتاب اٹھا“ درحقیقت خلافِ محاورہ ہے، مگر میرا مفہوم بجز اس کے اور کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔ اگر مذاق  
سلیم سے کام لیا جائے، تو یہ ایک اجتہاد ہوگا، جسے راجح ہونا چاہئے۔ (جگر)



سکونِ شوق سے بھی، کیفِ اضطراب اٹھا  
 شکستِ نشہ سے اب لذتِ شراب اٹھا  
 کدھر ہے مطربِ آتشِ نوا، زبابِ اٹھا  
 مگر جو میکہ، عشق سے خراب اٹھا  
 نظر تو اپنی، ارے شوخِ پرِ حجاب، اٹھا  
 کچھ اور دن ابھی تکلیفِ اضطراب اٹھا  
 تڑپ کے موجِ اٹھی، جھوم کر حباب اٹھا  
 جو اٹھ سکے تو مرا ساغرِ شراب اٹھا  
 میں اپنا ساغر اٹھاتا ہوں، تو کتاب اٹھا  
 اٹھا سر، اور جگر خانماں خراب! اٹھا  
 قریبِ ساعتِ وصل آچکی ہے، اب تو، جگر  
 نچوڑ دامنِ تر، دیدہ پر آب اٹھا



جہاں سے چاہنا اُن کا وہیں سے دُور ہو جانا  
 مبارک اپنے ہاتھوں حُسن کو مجبور ہو جانا  
 ترا ملنا ہے خود ہستی سے اپنی دُور ہو جانا  
 جب ایسا وقت آئے، پہلے تو بے نور ہو جانا  
 وہ دیکھیں آج ہر نقشِ قدم کا طور ہو جانا  
 سحر ہونے سے پہلے شمع کا بے نور ہو جانا  
 ترا مجبور کر دینا، مرا مجبور ہو جانا  
 اسی عالم میں، پھر کچھ سوچ کر مسرور ہو جانا  
 مجھے باور نہیں آتا مرا مجبور ہو جانا  
 کہ ہے تنگِ نظر پابندِ برق و جود ہو جانا  
 مجھی پر منحصر کر دو، میرا مجبور ہو جانا

جگر! وہ حُسنِ پکسوئی کا منظر یاد ہے اب تک

نگاہوں کا سمٹنا اور ہجومِ نور ہو جانا



وداعِ ہوش کو پابندِ انحصار نہ کر  
 اٹھا چکا ہے بہت نازِ بادہ و ساغر  
 فضائے عشق ہے ساکت، ہوائے شوق ہے بخ  
 کوئی خرابِ تماشا وہاں پہنچ نہ سکا  
 یہی تھا وعدہٴ تسکین، یہی تھا عہدِ وفا  
 نسیمِ شوق، یہ لائی جوابِ نامہٴ درد  
 جدھر کو مستیِ دریا نے رُخ کیا اپنا  
 مجھے اٹھانے کو آیا ہے، واعظِ ناداں!  
 کدھر سے برق چمکتی ہے، دیکھیں، اے واعظ!  
 کہاں یہ یار، کہاں پائے نازکِ جاناں

ہزاروں قُربتوں پر یوں مرا مجبور ہو جانا  
 نقابِ رونے نادیدہ کا از خود دُور ہو جانا  
 سراپا دید ہو کر غرقِ موجِ نور ہو جانا  
 نہ دکھلائے خُدا، اے دیدہٴ تردل کی بربادی  
 جو کل تک لغزشِ پائے طلب پر مسکراتے تھے  
 ان آنکھوں کا نہ پوچھو ضبط، جن آنکھوں نے دیکھا ہے  
 محبت کیا ہے، تاثیرِ محبت کس کو کہتے ہیں؟  
 یکا یک دل کی حالت دیکھ کر میرا تڑپ اٹھنا  
 محبت عینِ مجبوری سہی، لیکن یہ کیا باعث؟  
 مگر اس رمز سے نا آشنا تھے حضرتِ موسیٰ  
 نگاہِ ناز کو تکلیفِ جنبشِ تا کجا آخر؟

ترا حجاب نہ کرنا بھی اب حجاب ہوا  
 شراب و شیشہ بنا، نغمہ و رباب ہوا  
 مری نظر نہ ہوئی، آپ کا حجاب ہوا  
 اک آفتاب کا سایہ تھا، آفتاب ہوا  
 سنبھالنا مجھے، ساتی! میں بے نقاب ہوا  
 جو بیچ رہا، وہ مرا شوقِ کامیاب ہوا  
 وہ ایک دورِ محبت جو صرف خواب ہوا  
 کمالِ ضبطِ نفس، شرطِ اضطراب ہوا  
 جس آئینے پہ نظر کی، ترا جواب ہوا  
 وہ دل دیا کہ جسے قرب بھی عذاب ہوا  
 جو لاکھ بار بنا، اور پھر خراب ہوا  
 وہ ہر کرم جو پس پردہ عتاب ہوا  
 سمجھ لیا کہ محبت کا گھر خراب ہوا  
 خیالِ دل میں اُترتے ہی اضطراب ہوا  
 بہ حدِ تابِ نظر کوئی بے حجاب ہوا  
 دلیلِ ہستی ہر موجِ اضطراب ہوا

جہانِ شوق کی محرومیاں نہ پوچھ، جگر

سکون تو کیا، کہ میسر نہ اضطراب ہوا!



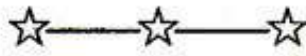
اک پیکرِ حقیقتِ عریاں بنا دیا  
 ڈالی وہ اک نظر کہ مسلمان بنا دیا  
 میں وہ ہوں جس نے حُسن کو حیراں بنا دیا  
 انساں کو دردِ عشق نے انساں بنا دیا  
 ناکامیوں کو حاصلِ عرفاں بنا دیا  
 اک کیفِ مستقل کو رگِ جاں بنا دیا  
 آئینہِ لطافتِ پنہاں بنا دیا  
 ایک ایک موجِ مے کو رگِ جاں بنا دیا

ادب شناسِ محبتِ دل خراب ہوا  
 سکونِ شوق جو مائل بہ اضطراب ہوا  
 اسی سے دل کا ہر اک نقشِ جلوہ تاب ہوا  
 خراب ہو کے بھی دل کب جہاں خراب ہوا  
 فروغِ یادہ ترے حسن کا جواب ہوا  
 مجھی ہیں گم، مرا ہر کیف و اضطراب ہوا  
 کتابِ عشق کا مشکل ترین باب ہوا  
 معاملاتِ محبت یہاں تک اب پہنچے  
 نگاہِ شوق کی جذب و کشش، ارے توبہ!  
 ستمِ ظریفیِ حُسنِ ازل، ارے توبہ!  
 اس ایک دل کی حقیقت کو کوئی کیا جانے؟  
 نگاہِ دل بھی یکا یک اسے سمجھ نہ سکی  
 دلِ تباہ کی کرنی ہی تھی کوئی تاویل  
 نگاہِ خاک پہنچتی جمالی معنی تک  
 بہت ملال ہے دل کو، سنا ہے یہ جب سے  
 سکونِ اصلِ عدم تھا محیطِ قدرت میں

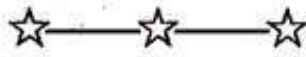
رحمت نے مجھ کو مائلِ عصیاں بنا دیا  
 ساتی نے آج بندہِ احساں بنا دیا  
 دل کو حریفِ جلوہ جاناں بنا دیا  
 تیری ہر ایک شان کے شایاں بنا دیا  
 بربادیوں نے لوٹ کے سامانِ آرزو  
 اس عشقِ ہرزہ کار سے ہوتا ہی کیا، مگر  
 اک اک ادائے عشق کو تاثیرِ حُسن نے  
 ساتی کے فیضِ مست نگاہی کے میں نثار



اس کے لئے تو تنگِ محبت ہی فخر تھا      تیرا کرم کہ جان کو جاناں بنا دیا  
 کس نے غمِ فراق میں بھر کر نشاطِ رُوح      اک محشرِ تبسم پہناں بنا دیا  
 آج اُس نظر نے دل سے کیا یوں معافہ      سمجھا یہ میں کہ درد کو درماں بنا دیا  
 ہم بھی ہیں کلمہ گو اسی کافر نگاہ کے  
 کافر جگر کو جس نے مسلمان بنا دیا



خالی ز ادا ہائے پریشاں نہیں دیکھا      ہم نے کسی آئینے کو حیراں نہیں دیکھا  
 مدت ہوئی چھیڑے ہوئے افسانہ ہستی      اب تک اثر خوابِ پریشاں نہیں دیکھا  
 اللہ ری مجبوریِ آدابِ محبت  
 گلشن میں رہے اور گلستاں نہیں دیکھا



دارنگی شوق میں جد سے نہ گزر جا      ٹھہر، اے جہاںِ مصلحتِ عشق! ٹھہر جا  
 کونین کی ان بھول بھلیوں سے گزر جا      اپنی ہی طرف دیکھ ادھر جا، نہ ادھر جا  
 تقلیدِ صبا اک روشِ عام ہے، اے دل!      تو موجِ فنا بن کے ابھر اور ٹھہر جا  
 مجھ سا کوئی دیوانہ تجھے کون ملے گا؟      آ، اے اجل آ، تو بھی مرے ساتھ ہی مر جا  
 قاتل کی نگاہوں میں ہے، اک معنیٰ پہناں  
 اے جانِ بلب آمدہ! کچھ دیر ٹھہر جا



نہ دیکھا، رُخِ بے نقابِ محبت      محبت ہے شاید حجابِ محبت  
 برستا ہے کیفِ شبابِ محبت      ہر آنسو ہے جامِ شرابِ محبت  
 عجب جوش پر ہے شبابِ محبت      محبت ہے، مستِ شرابِ محبت  
 زہے خواب و تعبیر خوابِ محبت!      محبت ہی نکلی جوابِ محبت  
 مجھے کیا پڑی ہے ترے در سے اٹھوں      ٹھہر نے جو دے، اضطرابِ محبت  
 دلِ ذرہ ذرہ ہے طورِ تجلی      زہے، جلوۂ آفتابِ محبت  
 سبھی اٹھ گئے دیدہ و دل سے پردے      نہ اٹھا، مگر اک حجابِ محبت  
 لہو کی ہر اک بوندِ دل بن گئی ہے      خوشا لذتِ کامیابِ محبت!

حدودِ محبت سے بھی بڑھ گئے ہم  
سلامت رہے اضطرابِ محبت



ترے جلووں میں گم ہو کر، خودی سے بے خبر ہو کر  
نہ چونکے اہلِ دل تا حشر مست و بے خبر ہو کر  
جنونِ بیخودی نے کہہ دیا کیا؟ پردہ در ہو کر  
بہارِ لالہ و گل، شوخی و برق و شرر ہو کر  
نگاہِ اہلِ دل بھی رہ گئی زیر و زبر ہو کر  
بھرم کھونا کہیں، اے دل، نہ عشقِ معتبر ہو کر  
حجابِ اندر حجاب و جلوہ اندر جلوہ کیا کہیں!  
یہاں تک جذبِ کرلوں کاش! تیرے حُسنِ کامل کو  
اب اس رحمت کے آگے حشر میں کیا ہاتھ پھیلائیں  
معاذ اللہ! ان کا کیفِ وجدانی، معاذ اللہ!  
پڑا رہ سبزۂ بیگانہ پر تو صورتِ شبنم  
کہاں جاتی ہے مل کر، او نگاہِ نازِ بے پروا؟  
لطافتِ مانعِ نظارۂ صورتِ سہمی، لیکن  
حریمِ حُسنِ معنی ہے، جگر! کاشانۂ اصغر!  
جو بیٹھو با ادب ہو کر، تو اٹھو با خبر ہو کر



مجھ سے سنو، مآلِ غمِ انتہائے عشق  
اللہ ری یہ شانِ فنا و بقائے عشق!  
وہ جانتا ہے اس کو، جو ہے آشنائے عشق  
اب کوئی سن سکے تو سنئے ماجرائے عشق  
میں سازِ عشق ہوں، مری نظریں صدائے عشق  
اب حُسنِ آپ جلوہ نما ہے بجائے عشق  
ہر ذرہ ہے مقام پر اپنے خدائے عشق  
اک اک نظر ہے مطربِ آفت نوائے عشق  
دُنیائے آب و گل کی ہوا گرم ہو چلی  
کھلنے نہ پائے تھے ابھی بندِ قبائے عشق





ٹپکا پڑتا ہے نگاہوں سے مری عالم کیف  
 بن گیا عالم ہستی، ہمہ تن عالم کیف  
 زائد خشک کو سمجھا تھا میں نا محرم کیف  
 رقص کرتا ہے نگاہوں پہ مری عالم کیف  
 دیکھئے آج برستی ہے کدھر شبنم کیف  
 اب جو دیکھی بھی تو کیا انجمن برہم کیف  
 چھا رہا تھا نگہ شوق پہ جو عالم کیف  
 محرم کیف ہو کوئی کہ ہونا محرم کیف  
 پوچھ، اس مست سے اندازہ نشرو دم کیف  
 تو نہ بنتی اگر، اے جان حزیں محرم کیف  
 انتہا کیف کی خود بن گئی وجہ رم کیف  
 حلقہ ہست زصد سلسلہ برہم کیف

ایک دن منظر فطرت ہی بدل دے نہ کہیں  
 یہ تری مست نگاہی، یہ مرا عالم کیف



یہ تو فریاد کی توہین ہے، فریاد نہیں!  
 دل گذر گاہ تری ہے، تجھے کیا یاد نہیں  
 ہے یہ تیری ہی صدا، درد کی فریاد نہیں  
 دل سے آجائے جو لب تک، مری فریاد نہیں  
 دل ستم ساز ہے خود، تو ستم ایجاد نہیں  
 دل کی آواز ہے یہ درد کی فریاد نہیں  
 بیخودی کا ہے یہ عالم کہ خدا یاد نہیں  
 سچ کہا آپ نے، ہستی تری برباد نہیں!  
 دل سے کیا کہہ کے چلے تھے، ہمیں کچھ یاد نہیں  
 خود میں فریاد ہوں میری کوئی فریاد نہیں  
 سچی برباد ہے جو سعی کہ برباد نہیں  
 ہستی دل کا ہے احساس، تری یاد نہیں

نالہ پابندِ نفس، اے دلِ ناشاد! نہیں  
 اب یہ کیا بات کہ آباد نہیں، شاد نہیں؟  
 عشق محروم اثر او ستم ایجاد نہیں  
 آنکھ کہہ دے جسے وہ عشق کی رُوداد نہیں  
 تجھ سے، اے دوست کوئی شکوہ بیداد نہیں  
 نقش بن کر اسے رہنا ہے، سنو یا نہ سنو  
 دُور ہے منزلِ عرفانِ خودی، اور یہاں  
 غم سلامت ہے تو کر لے گا بہت دل پیدا  
 ہم وہ مدہوشِ ازل ہیں کہ الہی توبہ!  
 مری ہستی ہے مری عرضِ تمنائے دوست!  
 موت ہے ذوقِ طلب کے لئے عرفانِ حصول  
 مستی غم کا ہے ادراک جسے کہتے ہیں درد

پھونک دے قیدِ تعین کو بھی، اے برقِ جمال! دل ہے آزاد نگاہیں ابھی آزاد نہیں  
 آنکھ غافل ہے کہ ہے تشنہ دیدار ہنوز دل ہے آگاہ، کہ تو خود ہے، یہ تری یاد نہیں  
 تم نے کیوں انجمنِ ناز میں تیور بدلے؟ دل دھڑکنے کی صدا ہے، کوئی فریاد نہیں  
 دیکھنا بیخودی عشق کا اعجاز، جگر  
 کہہ رہا ہوں وہ فسانہ، جو مجھے یاد نہیں!



عشق کا پیغامِ مستی، شوق کی روداد ہوں عشق کی روداد ہوں  
 ہر نفس سرمایہ دارِ عشقِ کامل ہے مرا ہر نفس سرمایہ دارِ عشقِ کامل ہے مرا  
 مائلِ فرزانگی ہے اب مرا ذوقِ بخوں عشقِ بے پروا مرا، کافی حقیقت ہے، مری  
 عشقِ بے پروا مرا، کافی حقیقت ہے، مری اور بھی مشقِ فنا سے بڑھ گئی ایذائے فکر  
 میری ہستی جستجو، میری حقیقت احتیاج میری ہستی جستجو، میری حقیقت احتیاج  
 کچھ نہیں کھلتا، جگر! رازِ طلسمِ کائنات کچھ نہیں کھلتا، جگر! رازِ طلسمِ کائنات  
 مجھ میں یہ آباد ہے یا اس میں میں آباد ہوں مجھ میں یہ آباد ہے یا اس میں میں آباد ہوں



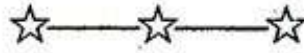
لے کے نکلا ہے مرا جوشِ لطافت مجھ کو لے کے نکلا ہے مرا جوشِ لطافت مجھ کو  
 منزلِ غم میں کہاں، وقفہِ راحت مجھ کو؟ منزلِ غم میں کہاں، وقفہِ راحت مجھ کو؟  
 گر پڑی رُوحِ تعین کدہِ ہستی میں گر پڑی رُوحِ تعین کدہِ ہستی میں  
 عشق نے خدمتِ دشوار وہ کی ہے تفویض عشق نے خدمتِ دشوار وہ کی ہے تفویض  
 علم کے جہل سے بہتر ہے کہیں جہل کا علم علم کے جہل سے بہتر ہے کہیں جہل کا علم  
 برسوں آوارہ پھرا بادِ صبا کے ہمراہ برسوں آوارہ پھرا بادِ صبا کے ہمراہ



گم کئے دیتی ہے میری ہی محبت مجھ کو گم کئے دیتی ہے میری ہی محبت مجھ کو  
 ہر خمِ موج ہے محرابِ عبادت مجھ کو ہر خمِ موج ہے محرابِ عبادت مجھ کو  
 اب جو ممکن ہو تو رو کے مری حیرت مجھ کو اب جو ممکن ہو تو رو کے مری حیرت مجھ کو  
 گرچہ ثابت نہ ہوئی میری ضرورت مجھ کو گرچہ ثابت نہ ہوئی میری ضرورت مجھ کو  
 قلمِ آشامیٰ یک قطرہ بیتاب تو دیکھ قلمِ آشامیٰ یک قطرہ بیتاب تو دیکھ  
 رندِ میخوار وہ ہوں، میکدہِ ہستی میں رندِ میخوار وہ ہوں، میکدہِ ہستی میں  
 اڑ چلا ہوں نگہ یار سے شوخی لے کر اڑ چلا ہوں نگہ یار سے شوخی لے کر  
 لے لیا کام جو لینا تھا غمِ ہستی نے لے لیا کام جو لینا تھا غمِ ہستی نے



گل ویرانہ کو کیا اہل ہوں سے مطلب؟ نگہ ہے، میری پریشانی نکلتی مجھ کو  
 فردِ عصیاں کو مری اے عرقِ شرم نہ دھو اس سے ہوتا ہے کچھ اندازہ رحمت مجھ کو  
 یوں تو ہونے کو جگر اور بھی ہیں اہل کمال  
 خاص ہے حضرتِ اصغر سے ارادت مجھ کو



اے وہ! کہ تجھ سے تازہ گلستانِ آرزو بھر دے گلِ مراد سے دامانِ آرزو  
 اللہ رے، فیضِ جلوۂ تابانِ آرزو! صبحِ ازل ہے شامِ غریبانِ آرزو  
 نکلی تڑپ کے آنکھوں سے اک موجِ بیقرار اب آرزو کہو اسے، یا جانِ آرزو  
 قطرے تمام خونِ شہیداں کے بن گئے نقش و نگارِ پردہِ ایوانِ آرزو  
 جنبش میں ہیں تمام حروفِ خطِ نیاز اللہ رے، فیضِ شوخیِ عنوانِ آرزو!  
 سب کچھ ہوا، مگر نہ کھلا آج تک یہ راز تم جانِ آرزو ہو کہ ہم جانِ آرزو  
 ہاں، اس طرف بھی اک نگہ نیشتر نواز  
 کب سے تڑپ رہی ہے رگِ جانِ آرزو



اندازہ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ! ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خطِ پیمانہ  
 انجام سے بے پروا، آغاز سے بیگانہ پروانے کی دنیا ہے، بیتابی پروانہ  
 شیشے سے نہ رکھ مطلب، اے ساقی میخانہ! ان مست نگاہوں سے بھر دے میرا پیمانہ  
 آجائے اگر اپنی ضد پر کوئی دیوانہ! خود گرد پھرے آکر، کعبہ ہو کہ بت خانہ  
 ادراک ہے ہستی کا، احساس ہے مستی کا ہاں اے نگہ ساقی، اک اور بھی پیمانہ!  
 ٹکرا دیا شیشوں کو، لڑوا دیا رندوں کو  
 نچلی نہ کبھی بٹھی، وہ زکسِ مستانہ



بے نقاب آج تو یوں جلوۂ جاناں ہو جائے جو جہاں پر ہے وہیں بیخود و حیراں ہو جائے  
 واقفِ سرِ حقیقت اگر انساں ہو جائے غم سے نزدیک ہو، راحت سے گریزاں ہو جائے  
 اس کی اک موجِ تبسم جو نمایاں ہو جائے دل کا ہر ذرہ بے کیف خمستاں ہو جائے  
 ایک ذرے کا اگر حُسن نمایاں ہو جائے آدمی شدتِ انوار سے حیراں ہو جائے

حُسنِ خود ہو نگراں، عشقِ جو حیراں ہو جائے  
 کُفر ہی کا اگر انسان کو عرفاں ہو جائے  
 تم سنا دو کسی پردے پے جو اپنی آواز  
 دل ہے گنجینہٴ اسرار، نگاہیں محدود  
 مستیِ عشق کا افسانہ اگر چھیڑ دوں میں  
 عرش تک ہو نہیں سکتی جو رسائی، نہ سہی  
 اس سے بڑھ کر کوئی دل سوز بھی دُنیا میں نہیں  
 یوں بڑھے پائے طلبِ حُسنِ قدم کی جانب  
 عام ہے بیعتِ ساقی، درِ میخانہ ہے باز  
 اللہ اللہ! یہ عرفانِ بچوں کی تاثیر

خام سمجھو طلب و شوق کا اعجاز، جگر

ہر نفسِ عشق میں جب تک نہ رگِ جاں ہو جائے



دل کو کسی کا تابع فرماں بنائیے  
 درماں کو درد، درد کو درماں بنائیے  
 پھر دل کو جو جلوۂ جاناں بنائیے  
 پھر کیجئے اسی رُخِ تاباں سے کسبِ نور  
 پھر لکھئے خطِ شوق میں بیتابیِ فراق  
 پھر پیکرِ حیات میں بھریے فنا کا رنگ  
 منشائے حُسنِ دوست ہے، نکلیں نہ حسرتیں  
 آباد اگر نہ دل ہو، تو برباد کیجئے  
 ایک اک لہو کی بوند میں بھریے دردِ عشق  
 دل کو اسی نگاہ کے دیجئے سپرد  
 اُن کی طرف سے دل پہ جو پڑ جائیں مشکلیں

برقِ جمالِ یار یہ کہتی ہے، اے جگر!

کون اہلِ ہوش ہے، کسے حیراں بنائیے؟





ذرا آنکھیں تو کھول اونقشِ باطل دیکھنے والے!  
مجھے بھی دیکھ، میری ہستی دل دیکھنے والے!  
ارے بیگانہ بن کر جانبِ دل دیکھنے والے!  
کبھی خود کو بھی دیکھا او خود سے غافل دیکھنے والے!  
کہاں میں اتصالِ موج و ساحل دیکھنے والے؟  
زمین سے آسمان تک وسعتِ دل دیکھنے والے  
غم بے حاصلی کا حُسنِ حاصل دیکھنے والے  
تجھبی کو دیکھتے ہیں تیری محفل دیکھنے والے  
سنہلنا، ہاں سنہلنا، رقصِ بسمل دیکھنے والے!  
مراۓ دیکھتے ہیں جذبِ منزل دیکھنے والے  
سا جا تو بھی او گنجائشِ دل دیکھنے والے!  
یہ سب ہیں رقصِ موج و سکرِ ساحل دیکھنے والے  
یہی وہ ہیں، جنہیں کہتے ہیں قاتل دیکھنے والے  
فلک کو یا اس سے منزل بہ منزل دیکھنے والے  
اسی محفل میں ہوں گے نبضِ محفل دیکھنے والے  
مرے اشعار دیکھیں گے، مرادل دیکھنے والے

مجھے آغوشِ طوفاں ہی جگر، آغوشِ مادر ہے

وہ کوئی اور ہوں گے امنِ ساحل دیکھنے والے



اس ہیکرِ خاکی میں یہ کون خراماں ہے؟  
تو چھیڑ تو دے ظالم، ہر تارِ رگ جاں ہے  
راہیں بھی گریزاں ہیں، منزل بھی گریزاں ہے  
پابندیِ انساں ہی آزادیِ انساں ہے  
زاہد، وہی زاہد جو رحمت سے گریزاں ہے  
اک موجِ تبسم میں گلِ رازِ گلستاں ہے

خود اپنے عکس کو اپنے مقابل دیکھنے والے!  
حقیقت کو حقیقت کے مقابل دیکھنے والے!  
یہ محفل ہے، یہاں ہیں رنگِ محفل دیکھنے والے  
نقوشِ پرتو رنگینیِ دل دیکھنے والے!  
تیرے جلووں کو دیکھیں اور مرے دل کی طرف دیکھیں  
ترے کوچے میں آ کر فخر سمجھے ہیں اسیری کو  
نہ دیکھیں آنکھ اٹھا کر بھی جمالِ شاہدِ مقصد  
تری صورت کا مظہر ہے ترا ہر پرتو رنگیں  
شہادتِ انتقامِ عشق کی صورت بدلتی ہے  
مری ہستی کا ہر ذرہ اڑا جاتا ہے منزل سے  
زمین و آسمان کیا ہیں؟ مکان و لامکاں کیا ہے؟  
انہیں تہ کی خبر کیا، گوہرِ مقصد کو کیا جانیں؟  
شہیدانِ محبت سے لڑا آنکھیں نہ، اے ناصح!  
ادھر آ، ہر قدم پر حُسنِ منزل تجھ کو دکھلا دوں  
مری آتشِ نوالی کا بھی کچھ اندازہ فرمائیں  
انہیں میں کھینچ کر رُوحِ محبت میں نے بھردی ہے

اک حُسن کا دریا ہے، اک ٹور کا طوفاں ہے  
اک سازِ محبت ہی کل عالم! امکاں ہے  
پھر عشقِ جُوں پیشہ یوں سلسلہ جنباں ہے  
تو رازِ محبت کو سمجھا ہی نہیں، ورنہ!!  
مجھ کو مری عصیاں سے کیا خاک ڈرائے گا  
صدقے ترے ہونٹوں کے، رنگینی و رعنائی!

اک شہدِ بیتابی، اک پیکرِ محبوبی  
عالم کا تلون کیا، ہستی کا تعین کیا؟  
بے ہوشی و ہشیاری، مجبوری و آزادی  
اللہ تجھے رکھے محفوظ حوادث سے!

یہ ثریت عاشق ہے ٹھکرا کے نہ چل، غافل  
اس خاک کا ہر ذرہ خورشیدِ بداماں ہے



فطرت نے محبت کی اس طرح بنا ڈالی  
ہر ذرے کے پیکر میں اک رُوحِ وفا ڈالی  
اس جلوۂ رنگیں کی دیکھے تو کوئی شوخی!  
بربادِ ستم ہو کر، پامالِ کرم بن کر

ہستی جسے کہتے ہیں اک سادہ حقیقت تھی  
رنگین نگاہوں نے رنگین بنا ڈالی



عشق میں مقصودِ اصلی کو مقدم کیجئے  
ہر طرف بے فائدہ کیوں سعی پیہم کیجئے  
عشق کی عظمت نہ ہرگز جیتے جی کم کیجئے  
اپنی ہستی پر نہ طاری کیجئے کوئی اثر  
آنسوؤں میں کھینچ لیجے جلوۂ حُسنِ ازل  
شرح و تفصیلات پر یعنی نظر کم کیجئے  
تفنگی سے اپنے پیدا بحرِ اعظم کیجئے  
جان دے دیجے مگر آنکھیں نہ پرُغم کیجئے  
دور سے نظارۂ حُسنِ دو عالم کیجئے  
مہر پیدا کیجئے اور غرقِ شبنم کیجئے

بیخودی میں چھیڑ دیجے، نغمہ ہائے سازِ دل  
پھر انہیں موجوں پہ خود ہی رقصِ پیہم کیجئے



احساسِ عاشقی نے بے گانہ کر دیا ہے  
اب کیا اُمید رکھوں، اے حُسنِ یارِ تجھ سے؟  
تجھ سے خُدا ہی سمجھے، تُو نے کسی کو، اے دل!  
پھر اس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں  
یوں بھی کسی نے اکثر دیوانہ کر دیا ہے  
تُو نے مُسکرا کر، دیوانہ کر دیا ہے  
مجھ سے بھی کچھ زیادہ دیوانہ کر دیا ہے  
یادش بخیر! جس نے دیوانہ کر دیا ہے



مجھ کو جنوں سے اپنے شکوہ جو ہے تو یہ ہے  
 اے حُسنِ روز افزوں، عمرتِ دراز باد!  
 میری محبتوں کو افسانہ کر دیا ہے  
 جب دل میں آگیا ہے، اک جنبشِ نظر نے  
 دونوں جہاں سے مجھ کو بیگانہ کر دیا ہے  
 دیوانہ کہہ دیا، دیوانہ کر دیا ہے  
 مجھ ہی سے پوچھتے ہیں، یہ شوخیاں تو دیکھو  
 میرے جگر کو کس نے دیوانہ کر دیا ہے؟



ہم سے رندوں کا زمانے سے جدا میخانہ ہے  
 اک نمودِ مضطرب، اک جوشِ بیتابانہ ہے  
 آسماں خم ہے، فضائے آسماں پیمانہ ہے  
 حیرتِ آبادِ فنا بھی کیا تجلی خانہ ہے  
 عشقِ دیوانہ سہی، کیا حُسن بھی دیوانہ ہے  
 اللہ اللہ! بیخودی شوق کی صورت گری  
 ہر تصورِ شمعِ محفل، ہر نگہ پروانہ ہے  
 ہر قدم پر اس طرف کعبہ، ادھر بت خانہ ہے  
 دیدنی آج اضطرابِ ساقی و پیمانہ ہے  
 کھینچ کر اک آہ کس نے رکھ دیا جامِ شراب؟  
 آج چشمِ شوق کا اندازِ بیباکانہ ہے  
 ہوشیار، اور جان و دل سے چھپنے والے، ہوشیار!  
 کعبہ بھی جس کی نظر میں صورتِ میخانہ ہے  
 اس کے دل سے پوچھو رازِ جلوہ بے رنگِ حُسن  
 ہر نظر جام و سنو ہے، ہر نفسِ میخانہ ہے  
 فیضِ ساقی نے مجھے لبریزِ مستی کر دیا  
 اس تبسم کے تصدق، اس تجاہل کے ثار!  
 خود ہی مجھ سے پوچھتے ہیں کون یہ دیوانہ ہے  
 یہ بہار آئی ہوئی، ایسی گھٹا چھائی ہوئی  
 بچو مے کرتا ہے زاہد، کیا کوئی دیوانہ ہے؟  
 میں ہوں رندِ لم یزل اک ساقی بے نام کا  
 شش جہت میرے لئے ٹوٹا سا اک پیمانہ ہے  
 کوئی قیدِ ہوشیاری ہے نہ شرطِ بیخودی  
 جس کا جتنا ظرف ہے، اس سے سواملتا نہیں  
 تم سمجھ لو جس کو دیوانہ وہی دیوانہ ہے  
 جلوہ ساقی بقدرِ ہمتِ مردانہ ہے  
 آدمی لہتا ہے، لیکن اک ذرا دیوانہ ہے!  
 دیکھتا ہوں جس طرف میخانہ ہی میخانہ ہے  
 اک نظر اپنی ہے کعبہ، اک نظر بت خانہ ہے  
 عشقِ وحدت آشنا و شوقِ صورتِ آفریں

آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرما دیجئے!

سب یہ کہتے ہیں، جگر دیوانہ ہے دیوانہ ہے



حشر کیا شے ہے مذاقِ حشرِ ساماں چاہیے  
مجھ کو اب تیرے سوا سب کچھ پریشاں چاہئے  
دل کی خاطر ایک دلِ سادِ شمنِ جاں چاہئے  
اب بجائے ہر نگہ تصویرِ جاناں چاہئے  
مجھ کو جو کچھ چاہئے بے حد و پایاں چاہئے  
کچھ تو بہر امتیازِ جان و جاناں چاہئے  
ہر نگاہِ مستِ ساقی، ساغرِ ستاں چاہئے  
ذوقِ عصیاں چاہئے، عرفانِ عصیاں چاہئے  
اب ترا جلوہ گلستاں در گلستاں چاہئے  
اب تجھے کیا، اے حیاتِ فتنہِ ساماں، چاہئے  
دیکھنے والی نظرِ گلشنِ بداماں چاہئے  
آنکھ لگ ہی جائے گی، گہوارہِ جنباں چاہئے  
عشق کی تصویر کا ہر رُخ نمایاں چاہئے

حسن بے تابِ تجلی خود ہے، لیکن، اے جگر !

ایک ہلکا سا حجابِ چشمِ حیراں چاہئے



جو پردہ اٹھاتا ہوں، قاتلِ نظر آتا ہے  
بسمل ہے وہی جس کو قاتلِ نظر آتا ہے  
باطل ہے نظر جب تک باطلِ نظر آتا ہے  
ہم خود ہی نہیں رہتے، جب دلِ نظر آتا ہے  
اپنا بھی نظر آیا مشکلِ نظر آتا ہے  
کیا صورتِ بسمل میں قاتلِ نظر آتا ہے  
تصویر کا یہ رُخ بھی باطلِ نظر آتا ہے

پروردہ طوفاں کو کشتی کی نہیں حاجت

موجوں کے تلاطم میں ساحلِ نظر آتا ہے



ہر گھڑی پیشِ نظر اک تازہ طوفاں چاہیے  
ذوقِ برہم چاہئے، شوقِ گریزاں چاہئے  
یہ کرم بھی، الے نگاہِ فتنہِ ساماں چاہئے  
اک جمالِ نو بہ نو طوفاں بہ طوفاں چاہئے  
عشق بے قیدِ تصورِ شوق بے قیدِ نظر!  
لذتِ باقی کو اے ذوقِ فنا رہنے بھی تو دے  
ایک دو چلو میں بکھتی ہے کہیں رندوں کی پیاس؟  
عفو کیسا، جلوہِ رحمت بھی نکلے گا یہیں!  
آرزو و شوق تو ہیں انجمنِ در انجمن!  
حسن کی کافر نگاہیں، عشق کا معصومِ دل  
سیرگاہِ عشق میں کانٹے ہی کانٹے ہوں تو ہوں  
آرزوئے دلِ سلامت، دردِ پیہم برقرار  
منتشر کر دے فضائے حسن میں ذراتِ دل

یہ جذبِ شہادت کا حاصلِ نظر آتا ہے  
عالم مجھے نادیدہ بسملِ نظر آتا ہے!  
تصدیقِ حقیقت بھی محتاجِ حقیقت ہے  
اس جانِ تمنا کا کس طرح پتا پوچھیں!  
اب اس رُخِ رنگیں کے جلووں کو تو کیا کہئے  
ہر سمت سے مقتل میں کیوں ٹوٹ پڑیں نظریں؟  
ہستی کے عدم پر بھی شک ہے ترے مستوں کو



جارہا ہوں، جس طرف لے جا رہا ہے دل مجھے  
 درد بخشا ہے اگر تُو نے بجائے دل مجھے  
 اُس کو قاتل کہنے والے کہہ اٹھے قاتل مجھے  
 ہر طرف سے آج آتی ہے صدائے دل مجھے  
 لے اڑی ہے ایک موج بیقرار دل مجھے  
 ہاں مبارک، فرصتِ نظارہ قاتل مجھے  
 جانتا ہوں، صاف دھوکے دے رہا ہے دل مجھے  
 عشق نے سمجھا دیا ہے عشق کا حاصل مجھے  
 حُسن سمجھا تھا چراغِ کشتہ محفل مجھے  
 بڑھ کے سینے سے نہ لپٹا لے مرا قاتل مجھے  
 تُو جو چاہے تو ڈبو دے خشکی ساحل مجھے  
 اب سمجھتی ہیں وہ نظریں رحم کے قابل مجھے  
 دیکھنا ہے جذبہ بیتابی منزل مجھے  
 تو نے سب سے کر دیا بیگانہ و غافل مجھے  
 اُس نے سمجھا تو بہر صورت کسی قابل مجھے

فکرِ منزل ہے نہ ہوشِ جاوہ منزل مجھے  
 اب زباں بھی دے ادائے شکر کے قابل مجھے  
 یوں تڑپ کر دل نے تڑپایا سر محفل مجھے  
 اب کدھر جاؤں، بتا اے جذبہ کامل، مجھے  
 روک سکتی ہو تو بڑھ کر روک لے منزل مجھے  
 جان دے کر حشر تک میں ہوں، مری تنہائیاں  
 ہر اشارے پر ہے پھر بھی گردنِ تسلیم خم  
 جا بھی اے ناصح! کہاں سود اور کیسا زیاں؟  
 میں ازل سے صبحِ محشر تک فروزاں ہی رہا  
 خونِ دل رگ رگ میں جم کر رہ گیا اس وہم سے  
 کیسا قطرہ؟ کیسا دریا، کس کا طوفان کیسی موج؟  
 مٹھو تک دے لے غیرتِ سوزِ محبت لٹھو تک دے  
 توڑ کر بیٹھا ہوں راہِ شوق میں پائے طلب  
 اے ہجومِ نا اُمیدی! شاد باش و زندہ باش!  
 دردِ محرومی سہی، احساسِ ناکامی سہی

یہ بھی کیا منظر ہے، بڑھتے ہیں نہ ہٹتے ہیں قدم  
 تک رہا ہوں دُور سے منزل کو میں، منزل مجھے



وہ کسی شیشے میں ہے، ساقی، نہ میخانے میں ہے  
 سب اُلٹ دے ساقیا! جتنی بھی میخانے میں ہے  
 وہ بھی تھوڑی سی جوان آنکھوں کے پیمانے میں ہے  
 لطف جس کا کچھ سمجھنے میں نہ سمجھانے میں ہے  
 زندگی اب ہر نفس کے ساتھ مرجانے میں ہے  
 درد کی لذت سراپا درد بن جانے میں ہے  
 کم سے کم اتنی تو ہرے کش کے پیمانے میں ہے  
 اب نہ کعبے میں ہے سناٹا، نہ بت خانے میں ہے

اکے بے نام جو اس دل کے پیمانے میں ہے  
 پوچھنا کیا، کتنی وسعت میرے پیمانے میں ہے  
 یوں تو ساقی، ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے  
 ایک ایسا زار بھی دل کے نہاں خانے میں ہے  
 یاد لیتا ہے کہ جب تھا ہر نفس اک زندگی!  
 ایک کیفِ نا تمام درد کی لذت ہی کیا؟  
 غرق کر دے جھکو زاہد! تیری دُنیا کو خراب  
 پھر نقاب اس نے اُلٹ کر رُوحِ تازہ مٹھو تک دی

منتشر کر دے اسے بھی حُسن بے پایاں کے ساتھ      زندگی شیرازہ دل کے بکھر جانے میں ہے  
 پی بھی جا زاہد! خدا کا نام لے کر پی بھی جا      بادہ کوثر کی بھی اک موج پیمانے میں ہے  
 شیشہ مست و بادہ مست و حسن مست و عشق مست      آج پینے کا مزہ پی کر بہک جانے میں ہے  
 بے تحاشہ پی رہے ہیں کب سے رندانِ الست      آج بھی اتنی ہی مے ہر دل کے پیمانے میں ہے  
 حُسن کی اک اک ادا پر جان و دل صدقے، مگر  
 لطف کچھ دامن بچا کر ہی گزر جانے میں ہے



عشق نے توڑی سر پہ قیامت، روزِ قیامت کیا کہیے؟  
 سننے والا کوئی نہیں، رُودادِ محبت کیا کہیے؟  
 دل ہے کسی کا رازِ حقیقت، رازِ حقیقت کیا کہیے؟  
 حیرتِ جلوہ مُہر بہ لب ہے، جلوہ حیرت کیا کہیے؟  
 جب سے اُس نے پھیر لی نظریں، رنگِ تباہی، آجانہ پوچھ!  
 سینہ خالی، آنکھیں ویراں، دل کی حالت کیا کہیے؟  
 ایک تجلی، ایک تبسم، ایک نگاہ بندہ نواز  
 اس سے زیادہ، اے غمِ جاناں! دل کی قیمت کیا کہیے؟  
 شیشہ دل وہ ہستی نازک ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا  
 اس پہ کسی کے تیرِ ستم کی مشقِ سیاست کیا کہیے



ذرہ ذرہ دیدہ و دل ہے، گوشہ گوشہ بستی ہے  
 عشق ہے جب تک سلسلہ جنباں، دل کی ہستی ہستی ہے  
 جینے تک ہیں ہوش کے جلوے، آگے ہوش کی مستی ہے  
 موت سے ڈرنا کیا معنی، موت بھی جُورِ ہستی ہے  
 معنی صورت، صورتِ معنی، فکر و نظر کے دھوکے ہیں  
 فکر و نظر تک ہی رہ جانا، فکر و نظر کی پستی ہے  
 چشمِ حُسن و عشقِ مبارک، دیدہ و دل خرم و شاد  
 حشر تک اب یہ بحث سلامت کس کی کہاں تک ہستی ہے





نالہ بے قرار کون کرے؟  
 ہوش کی مستیاں، ارے توبہ!  
 عشق سے اعتماد کے قابل  
 ہمیں بن جائیں کیوں نہ صورتِ یار  
 جان و دل پر نہیں رہا قابو  
 حسن کو شرم سار کون کرے؟  
 ہوش کو ہوشیار کون کرے؟  
 حسن کا اعتبار کون کرے؟  
 دل کو پابند یار کون کرے؟  
 جان و دل اب نثار کون کرے؟  
 سوئے صحرا نکل چلے وحشی  
 انتظارِ بہار کون کرے؟



لازم ہے کچھ تو خاطرِ دلدار کے لئے  
 بے ہوش کے لئے ہیں، نہ ہشیار کے لئے  
 ہم سے نہ پوچھ شورشِ در ماندگی کا راز  
 اُن کی حریمِ خاص میں جلوؤں کا ذکر کیا؟  
 دل تک خیالِ غیر بھی لانا روا نہیں  
 آساں نہیں معاملہٴ جلوہ و نظر  
 چشمِ کلیم چاہیے دیدار کے لئے



جو جہنم میں بھی فردوسِ بداماں ہوں گے  
 ایک در پردہ کشاکش سے پریشاں ہوں گے  
 نہیں معلوم وہ کس وضع کے انساں ہوں گے  
 وہ جدھر ناز سے بے پردہ خراماں ہوں گے  
 جمع سب حسن کے اجزائے پریشاں ہوں گے  
 میری حیرت کی قسم! آپ اٹھائیں تو نقاب  
 میں چھپاتا ترے اسرارِ محبتِ ظالم!  
 حسن تک دیکھ لیں سب حسن کے جلوؤں کی بہار  
 نغمہٴ بربطِ غم، کیفِ اثر، شورشِ جاں  
 لطفِ آزادیِ زندانِ بلا کیا کہیے!  
 تجھ کو گلشن کی قسم چھیڑ نہ اے بادِ سحر!

دیکھ لینا وہ ہمیں سوختہ سماں ہوں گے  
 خود کو جتنا وہ چھپائیں گے، نمایاں ہوں گے  
 جن پہ تیرے ستمِ خاص کے احساں ہوں گے  
 ذرے سب جامِ بکف، مست و غزلخواں ہوں گے  
 ہم تو ہم، بت بھی کسی روز مسلمان ہوں گے  
 میرا ذمہ ہے کہ جلوے نہ پریشاں ہوں گے  
 کیا خبر تھی، مری رگ رگ سے نمایاں ہوں گے  
 مجھ تک آئے تو مرا حالِ پریشاں ہوں گے  
 انہیں پردوں سے کسی دن وہ نمایاں ہوں گے  
 اب جو چھوٹے تو اسیرِ غمِ زنداں ہوں گے  
 کھل گئی غنچوں کی آنکھیں تو پریشاں ہوں گے

حُسن بے قید سہی، عشق بھی محذود نہیں مجھ کو پائیں گے، جہاں تک وہ نمایاں ہوں گے  
 شعلہ سامانی غم پر نہ کرو ناز، جگر  
 تم سے کتنے ہی جگر شعلہ بداماں ہوں گے



کوئی نہ گھر ہے اپنا، کوئی نہ آستاں ہے  
 تو سامنے ہے، پھر بھی بتلا کہ تو کہاں ہے  
 میں اپنی اس نظر کی رعنائیوں کے صدقے  
 میں عشق ہوں مکمل میں شوق ہوں مسلسل  
 سب نذر حُسن کر کے بیٹھا ہے عشق رُسوا  
 میں کس کے سامنے اب اپنی جبیں جھکاؤں؟  
 ہر شاخ ہے نشیمن، ہر پھول آشیان ہے  
 کس طرح تجھ کو دیکھوں، نظارہ درمیاں ہے  
 جو شکل ہے حسین ہے، دوشیزہ ہے، جواں ہے  
 گویا تمام عالم میری ہی داستاں ہے  
 کوئی نہ راز ہے اب، کوئی نہ رازداں ہے  
 میری جبیں نہیں ہے، تیرا ہی آستاں ہے

رنگین ہیں فضا میں، جاری ہیں اشکِ خونین  
 افسانہ حُسن کا ہے اور عشق کی زباں ہے





## پارہ ہائے جگر

زبانِ شوق سے شکرِ وصال ہو نہ سکا      وہ حال تھا کہ کچھ احساسِ حال ہو نہ سکا  
نگاہِ شوق نے بدلے ہزارہا منظر      مرے لئے کوئی شایانِ حال ہو نہ سکا



ستمِ کشوں نے نہ سمجھا کمالِ حیرت میں      چھپے ہوئے تھے وہ خود پردہٴ محبت میں  
اگر نہیں پس پردہ کوئی حقیقت میں      یہ کون بول رہا ہے طلسمِ صورت میں؟  
جب آئے محفلِ وحدت سے بزمِ کثرت میں      نظر کا بن گئے پردہ نظر کی صورت میں



آنکھوں کے سامنے اب منزل رہی نہ راہیں      جلوؤں نے ترے مل کر سب لوٹ لی نگاہیں  
سینے سے حُسن نے خور لپٹا لیا تڑپ کر!      فریاد بن کے اُنھیں آج اس طرح نگاہیں  
اک بزمِ ناز میں چل، زاہد، تجھے دکھا دوں      مینا بدوش آنکھیں، ساغر بکف نگاہیں



دوستِ الفت نہ کریں، غیرِ عداوت نہ کریں      میں کہیں کا نہ رہوں وہ جو عنایت نہ کریں  
وقت آئے تو ہمیں جان بھی کر دیں گے فدا      کیا یہ ممکن ہے، تیرے نام کی عزت نہ کریں؟



یہ بھی گر اک جلوۂ جانا نہ ہو!      میری محزومی عجب افسانہ ہو!



یہ حاصلِ سرمایۂ عرفاںِ طلبی ہے      یعنی ہوشِ دید خود اک بے ادبی ہے  
بجھتی ہی نہیں اب کسی ساغر سے مری پیاس      شاید مرا مقصد ہی مری تشنہ لپی ہے



حُسن میں جب تک کہ یہ شانِ خود آرائی نہ تھی عشق میں مستی تھی لیکن خُوئے رسوائی نہ تھی



یہ کس نے منتشر کر دیں جنوں سامانیاں میری؟  
زمیں سے آسمان تک ایک میں ہوں یا فغاں میری



راس آئی مجھ کو حیرانی مری اب وہ کرتے ہیں نگہبانی مری  
ہو گیا سیراب باغِ آرزو اللہ اللہ! شبنم افشانی مری





## وارداتِ جگر

(دورِ چہارم)

تجھی سے ابتدا ہے، تو ہی اک دن انتہا ہوگا  
ہمیں معلوم ہے، ہم سے سنو، محشر میں کیا ہوگا  
سرِ محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا!  
جہنم ہو کہ جنت، جو بھی ہوگا فیصلہ ہوگا  
ازل ہو یا ابد، دونوں اسیرِ زلفِ حضرت ہیں  
یہ نسبتِ عشق کی بے رنگ لائے رہ نہیں سکتی  
اسی امید پر ہم طالبانِ درد جیتے ہیں!  
نگاہِ قہر پر بھی جانِ دوں، سب کھوئے بیٹھا ہے  
یہ مانا بھیج دے گا ہم کو محشر سے جہنم میں  
سمجھتا کیا ہے تو دیوا نگانِ عشق کو، زاہد!

صدائے ساز ہوگی اور نہ سازِ بے صدا ہوگا  
سب اُس کو دیکھتے ہوں گے، وہ ہم کو دیکھتا ہوگا  
درِ جنت نہ وا ہوگا، درِ رحمت تو وا ہوگا  
یہ کیا کم ہے، ہمارا اور اُن کا سامنا ہوگا  
جدھر نظریں اٹھاؤ گے، یہی اک سلسلہ ہوگا  
جو محبوبِ خدا کا ہے، وہ محبوبِ خدا ہوگا  
خوشا دردے کہ تیرا درد، دردِ لادوا ہوگا  
نگاہِ مہرِ عاشق پر اگر ہوگی تو کیا ہوگا  
مگر جو دل پہ گزرے گی، وہ دل ہی جانتا ہوگا  
یہ ہو جائیں گے جس جانب، اسی جانب خدا ہوگا

جگر کا ہاتھ ہوگا حشر میں اور دامنِ حضرت

شکایت ہو کہ شکوہ، جو بھی ہوگا، بر ملا ہوگا



عشق کو بے نقاب ہونا تھا آپ اپنا جواب ہونا تھا  
مستِ جامِ شراب ہونا تھا (قطعہ) بے خود اضطراب ہونا تھا  
تیری آنکھوں کا کچھ قصور نہیں ہاں، مجھ کو خراب ہونا تھا  
آؤ، مل جاؤ، مسکرا کے گلے ہو چکا، جو عتاب ہونا تھا  
کوچہٴ عشق میں نکل آیا! جس کو خانہ خراب ہونا تھا

مست جام شراب خاک ہوئے غرق جام شراب ہونا تھا  
 دل کہ جس پر ہیں نقشِ رنگا رنگ اُس کو سادہ کتاب ہونا تھا  
 ہم نے ناکامیوں کو ڈھونڈ لیا آخرش کامیاب ہونا تھا  
 ہائے وہ لمحے سکوں کہ جسے مٹسّر اضطراب ہونا تھا  
 نگہ یار خود تڑپ اٹھتی شرط اوّل خراب ہونا تھا  
 کیوں نہ ہوتا ستم بھی بے پایاں کرم بے حساب ہونا تھا  
 کیوں نظر حیرتوں میں ڈوب گئی موج صد اضطراب ہونا تھا

ہو چکا روزِ اوّل میں ہی، جگر!  
 جس کو جتنا خراب ہونا تھا



ایک رنگیں نقاب نے مارا حُسن بن کر حجاب نے مارا  
 جلوۂ آفتاب کیا کہئے! سایۂ آفتاب نے مارا  
 اپنے سینے ہی پر پڑا اکثر تیر جو اضطراب نے مارا  
 نگہ شوق و دعویٰ دیدار اس حجاب الحجاب نے مارا  
 ہم نے مرتے تیرے تغافل سے پُرسش بے حساب نے مارا  
 لذت دید بے جمال، نہ پوچھا! درد بے اضطراب نے مارا  
 چھپتے ہیں اور چھپا نہیں جاتا اس ادائے حجاب نے مارا  
 حشر تک ہم نہ مرنے والوں کو مرگ ناکامیاب نے مارا  
 پاتے ہی اک اشارۂ نازک دم نہ پھر اضطراب نے مارا

دل کہ تھا جانِ زیت، آہ! جگر!  
 اسی خانہ خراب نے مارا



ستم کامیاب نے مارا کرم لاجواب نے مارا  
 خود ہوئی گم، ہمیں بھی کھو بیٹھی نگہ بازیاب نے مارا  
 زندگی تھی حجاب کے دم تک برہمی حجاب نے مارا  
 عشق کے ہر سکونِ آخر کو حُسن کے اضطراب نے مارا  
 خود نظر بن گئے حجابِ نظر ہائے اس بے حجاب نے مارا  
 میں تیرا عکس ہوں کہ تو میرا اس سوال و جواب نے مارا



کوئی پوچھے کہ رہ کے پہلو میں تیر کیا اضطراب نے مارا  
 بچ رہا جو تیری تجلی سے اس کو تیرے حجاب نے مارا  
 اب نظر کو کہیں قرار نہیں کاوش انتخاب نے مارا  
 سب کو مارا جگر کے شعروں نے  
 اور جگر کو شراب نے مارا



شورشِ کائنات نے مارا موت بن کر حیات نے مارا  
 پر تو حسنِ ذات نے مارا مجھ کو میری صفات نے مارا  
 ستمِ یار کی دہائی ہے مکہ التفات نے مارا  
 میں تھا رازِ حیات اور مجھے میرے رازِ حیات نے مارا  
 ستمِ زیت آفریں کی قسم! خطرۃ التفات نے مارا  
 موت کیا؟ ایک لفظ بے معنی جس کو مارا، حیات نے مارا  
 جو پڑی دل پہ، سہ گئے، لیکن ایک نازک سی بات نے مارا  
 شکوۃ موت کیا کریں کہ جگر  
 آرزوئے حیات نے مارا



عاشق کو غمِ عشق کے آزار نے مارا ایک یار کو اک یارِ وفا دار نے مارا  
 تو نے نہ اٹھا یا زرخِ نادیدہ سے پردہ دنیا کو تری حسرتِ دیدار نے مارا  
 ہاں اسے لبِ جاں بخش! دہائی ہے دہائی انکار سے بڑھ کر ترے اقرار نے مارا  
 ہونے کو تو ہر مرگِ محبت ہے مبارک اے عشق! خوشا وہ کہ جسے یار نے مارا  
 کیا اُس کی محبت کا ٹھکانا کہ جسے آہ انکارِ محبت کے بھی اقرار نے مارا  
 کچھ کہہ تو گیا، برقی غضب نے جسے بھونکا اُف کر نہ سکا، جس کو ترے پیار نے مارا  
 دونوں ہی جفا جو ہیں، جگر، عشق ہو یا حسن  
 اک یار نے لوٹا، مجھے اک یار نے مارا



عشق کی یہ نمودِ پیہم کیا؟ ہو تمہیں تم اگر، تو پھر ہم کیا؟  
 آہ بیتاب و اشکِ پیہم کیا؟ نقدِ غم ہے تو حاصلِ غم کیا؟

جو ترے کچھ نظر نہیں آتا      آرزو بن گئی مجسم کیا!  
 ترا ملنا، ترا نہیں ملنا      اور جنت ہے کیا؟ جہنم کیا؟  
 میں وہاں ہوں جہاں نہیں میں بھی      عالم ماورائے عالم کیا؟  
 ہم ہیں تیرے، ودیعتیں تیری      شکرِ راحت، شکستِ غم کیا؟  
 ان نگاہوں کے سب کرشمے ہیں      ورنہ یہ اضطراب پیہم کیا؟  
 کر لیا دل نے عیشِ وصل قبول      پا گیا کچھ شہتِ غم کیا!  
 نیتِ شب بخیر، اے سیاقی!      بزمِ جسم کیا ہے، ساغرِ جم کیا؟  
 شوقِ گستاخ کر چکا تقصیر      دیکھتا اب ہے حُسنِ برہم کیا؟  
 موت کی نیند چھائی جاتی ہے      کہہ چکا ہوں فسانہِ غم کیا؟  
 ہمہ تن عشق بر ملا بن جا      درد کی اک صدائے مہم کیا؟  
 اس نظر میں نہیں سماتا کچھ      جانِ بیتاب و چشمِ پرِ نم کیا؟

عشقِ خاموش کے مزے ہیں جگر  
 جوشِ فریاد و شورِ ماتم کیا؟



کام آخر جذبہ بے اختیار آ ہی گیا      دل کچھ اس صورت سے تڑپا، اُن کو پیار آ ہی گیا  
 جب نگاہیں اٹھ گئیں، اللہ رے معراجِ شوق!      دیکھتا کیا ہوں، وہ جانِ انتظار آ ہی گیا  
 ہائے یہ حُسنِ تصور کا فریبِ رنگ و بو      میں یہ سمجھا، جیسے وہ جانِ بہار آ ہی گیا  
 ہاں سزا دے، اے خدائے عشق، اے توفیقِ غم!      پھر زبانِ بے ادب پر ذکرِ یار آ ہی گیا  
 اس طرح خوش ہوں کسی کے وعدہِ فردا پہ میں      در حقیقت جیسے مجھ کو اعتبار آ ہی گیا  
 ہائے، کافر دل کی یہ کافر جُوں انگیزیاں!      تم کو پیار آئے نہ آئے، مجھ کو پیار آ ہی گیا  
 درد نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ دل کی آڑ سے      دفعتاً پردہ اٹھا اور پردہ دار آ ہی گیا  
 دل نے اک نالہ کیا آج اس طرح دیوانہ وار      بال بکھرائے کوئی مستانہ وار آ ہی گیا

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر  
 عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا





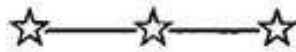
کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا  
 حُسن سے بھی دل کو بے پروا کیا  
 تُو نے سو سو رنگ سے پردا کیا  
 وہ بھی نکلی اک شعاعِ برقِ حُسن  
 لذتِ ناکامیابی، الاماں!  
 اب نظر کو بھی نہیں دم بھر قرار  
 اُن کے جاتے ہی پہ حیرت چھا گئی  
 دل میرا ڈوبا کیا، اُچھلا کیا  
 کیا کیا اے عشق! تُو نے کیا کیا؟  
 دیکھنے والا تجھے دیکھا کیا!  
 میں جسے اپنی نظر سمجھا کیا  
 تُو نے ہر امروز کو فردا کیا  
 اس نے بھی اندازِ دل پیدا کیا  
 جس طرف دیکھا کیا، دیکھا کیا  
 مجھ سے قائم ہیں جنوں کی عظمتیں  
 میں نے صحرا کو جگر صحرا کیا



دل نے سینے میں تڑپ کر نہیں جب یاد کیا  
 وصل سے شاد کیا، ہجر سے ناشاد کیا  
 تم میرے رونے پہ روئے، ستم ایجاد کیا  
 صبر دو دن نہ ہوا، روئے، بہت یاد کیا  
 لاکھ جانیں ہوں تو پھر اُن پہ تصدق کر دوں  
 کیا طریقہ ہے یہ صیاد کا، اللہ اللہ!  
 ہم کو دیکھ او غمِ فرقت کے نہ سننے والے  
 اور کیا چاہئے سرمایہ تسکین، اے دوست!  
 شرحِ نیرنگی اسباب کہاں تک کیجئے؟  
 پردہ شوق سے اک برقِ تڑپ کر نکلی  
 مہرباں ہم پہ رہی چشمِ سخن گو اُن کی  
 دل کا کیا حال کہوں، جوشِ جنوں کے ہاتھوں  
 اب سے پہلے تو نہ تھا ذوقِ محبت رسوا  
 عشق کیوں سوگ مناتا، یہ خوشی کیا کم ہے؟  
 بد دُعا تھی کہ دُعا، کچھ نہیں گھلتا، لیکن  
 در و دیوار کو آمادہ فریاد کیا  
 اُس نے جس طرح سے چاہا، مجھے برباد کیا  
 عشق کی رُوح کو آمادہ فریاد کیا  
 اب نہ کہنا یہ زباں سے، تجھے آزاد کیا  
 وہ یہ فرمائیں کہ ہم نے اسے برباد کیا  
 ایک کو قید کیا، ایک کو آزاد کیا  
 اس بُرے حال میں بھی ہم نے تجھے یاد کیا  
 اک نظروں ڈ کی طرف دیکھ لیا، شاد کیا  
 مختصر یہ کہ ہمیں آپ نے برباد کیا  
 یاد کرنے کی طرح سے انہیں جب یاد کیا  
 جب ملی آنکھ، نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا  
 اک گھروند سا بنایا، کبھی، برباد کیا  
 شاید ان مست نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا  
 دل یہ جس کا تھا، اُسی نے اُسے برباد کیا  
 چپکے چپکے لبِ نازک سے کچھ ارشاد کیا



اس کی نظروں میں انتخاب ہوا  
 عشق کا سحر کامیاب ہوا  
 ہر نفس موج اضطراب ہوا  
 جذبہ شوق کامیاب ہوا  
 میں بنوں کس لئے نہ مست شراب  
 نگہ ناز! لے خبر، ورنہ  
 میری بربادیاں درست، مگر  
 عین قربت بھی، عین فرقت بھی  
 مستیاں ہر طرف ہیں آوارہ  
 دل کو چھونا نہ اسے نسیم کرم!  
 عشق بے امتیاز کے ہاتھوں  
 جب وہ آئے تو پیشتر سب سے  
 دل کی ہر چیز جگمگا اٹھی!  
 دور ہنگامہ نشاط نہ پوچھ  
 تو نے جس اشک پر نظر ڈالی  
 ستم خاص یار ہی کی قسم  
 کرم یار بے حساب ہوا



عرض نیازِ غم کو لب آشنا نہ کرنا  
 جب یاد آ گیا ہے، پہروں زلا گیا ہے  
 میں خوگرِ ستم ہوں، پروردہ الم ہوں  
 دل جب سے مر مٹا ہے، کچھ اور ہی فضا ہے  
 کوئی سمجھ سکے تو کم بخت دل سے سمجھے  
 دل سے خطا ہوئی تو اب دل ہے اور میں ہوں  
 یہ رازِ عشق اے دل! ہے رازِ خاص اُن کا  
 یا تَرْب! غمِ محبت سب بخش دے مجھی کو  
 جتنی ضدیں ہیں اے دل! تو شوق سے کئے جا

یہ بھی اک التجا ہے، کچھ التجا نہ کرنا  
 دل کا وہ مجھ سے کہنا، مجھ کو جدا نہ کرنا  
 جور و جفا کے مالک، مہر و وفا نہ کرنا  
 میری یہ التجا ہے، تم سامنا نہ کرنا  
 دل میں بھی اس کے رہنا، پھر دل میں جانہ کرنا  
 نازک معاملہ ہے، تم فیصلہ نہ کرنا  
 وہ بھی جو تجھ سے پوچھیں، تو اعتنا نہ کرنا  
 میرے سوا کسی کو اب مُبْتَلا نہ کرنا  
 مجھ کو بھی تاقیامت تیرا کہا نہ کرنا

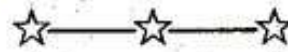


تیرے جگر کی تجھ سے اک التجا یہی ہے  
اپنے جگر کو اپنے دل سے جدا نہ کرنا



میرا جو حال ہو سو ہو، برق نظر گرائے جا  
دل کے ہر ایک گوشہ میں آگ سی اک لگائے جا  
لحظہ بہ لحظہ، دم بدم، جلوہ بہ جلوہ آئے جا  
جتنی بھی آج پی سکوں، عذر نہ کر، پلائے جا  
لطف سے ہو کہ قہر سے، ہو گا کبھی تو زور و  
میں یونہی نالہ کش رہوں، تو یونہی مسکرائے جا  
مطرب آتشیں نوا، ہاں اسی دُھن میں گائے جا  
تشنہ حسن ذات ہوں، تشنہ لبی بڑھائے جا  
مست نظر کا واسطہ، مست نظر بنائے جا  
اس کا جہاں پتہ چلے، شور وہیں مچائے جا

عشق کو مطمئن نہ رکھ حسن کے اعتماد پر  
وہ تجھے آزما چکا، تو اُسے آزمائے جا



کیا کر گیا اک جلوہ مستانہ کسی کا  
کہتا ہے سر حشر یہ دیوانہ کسی کا  
آپ میں اُلجھتے ہیں عبث شیخ و برہمن  
جس کی نگہ سادہ کے ہم مارے ہوئے ہیں  
بے ساختہ آج اُن کے بھی آنسو نکل آئے  
ہر دل میں غم عشق ہے، اقرار در اقرار  
یوں عام نہ کر کیفِ غم عشق کو، اے دل!

رکتا نہیں زنجیر سے دیوانہ کسی کا  
بخت سے الگ چاہیے ویرانہ کسی کا  
کعبہ نہ کسی کا ہے، نہ بُت خانہ کسی کا  
وہ شوخ یگانہ ہے نہ بے گانہ کسی کا  
دیکھا نہ گیا حالِ فقیرانہ کسی کا  
ہر لب پہ ہے افسانہ در افسانہ کسی کا  
کم بخت! یہ میخانہ ہے میخانہ کسی کا

اس کو بھی جگر دیکھ لیا خاک میں ملتے  
وہ اشک جو تھا گوہر یک دانہ کسی کا



جو اب بھی نہ تکلیف فرمائیے گا  
نگاہوں سے چھپ کر کہاں جائیے گا؟  
مرا جب بُرا حال سن پائیے گا  
مٹا کر ہمیں آپ پچھائیے گا  
نہیں کھیل ناصح! جنوں کی حقیقت  
ہمیں بھی یہ اب دیکھنا ہے کہ ہم پر  
تو بس ہاتھ ملتے ہی رہ جائیے گا  
جہاں جائیے گا، ہمیں پائیے گا  
خراماں خراماں چلے آئیے گا  
کمی کوئی محسوس فرمائیے گا  
سمجھ لیجئے گا تو سمجھائیے گا  
کہاں تک توجہ نہ فرمائیے گا؟

ستم عشق میں آپ آساں نہ سمجھیں  
یہ دل ہے، اسے دل ہی بس رہنے دیجئے  
کہیں چپ رہی ہے زبانِ محبت  
بھلانا ہمارا مبارک مبارک!  
ہمیں بھی نہ اب چین آئے گا جب تک  
ترا جذبہ شوق ہے بے حقیقت  
ہمیں جب نہ ہوں گے تو کیا رنگِ محفل  
یہ مانا کہ دے کر ہمیں رنجِ فرقت (قطعہ) مداوائے فرقت نہ فرمائیے گا  
محبت محبت ہی رہتی ہے، لیکن کہاں تک طبیعت کو بہلائیے گا؟  
نہ ہو گا ہمارا ہی آغوشِ خالی کچھ اپنا بھی پہلو تہی پائیے گا  
جنوں کی جگر! کوئی حد بھی ہے آخر

کہاں تک کسی پر ستم ڈھائیے گا؟

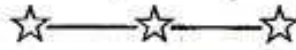


نظر ملا کے، مرے پاس آ کے لوٹ لیا  
شکستِ حُسن کا جلوہ دکھا کے لوٹ لیا  
دُہائی ہے، میرے اللہ کی دُہائی ہے  
سلام اس پہ کہ جس نے اٹھا کے پردہ دل  
انہیں کے دل سے کوئی اس کی عظمتیں پوچھے  
یہاں تو خود تری ہستی ہے عشق کو درکار  
خوشا، وہ جان، جسے دی گئی امانتِ عشق!  
نگاہ ڈال دی جس پر حسین آنکھوں نے  
بڑے وہ آئے دل و جاں کے لوٹنے والے  
رہا خرابِ محبت ہی وہ جسے تُو نے  
کہوئی یہ لوٹ تو دیکھے کہ اُس نے جب چاہا  
کرشمہ سازی، حُسنِ ازل، ارے توبہ

نظر ہٹی تھی کہ پھر مُسکرا کے لوٹ لیا  
نگاہ نیچی کئے، سر اٹھکا کے لوٹ لیا  
کسی نے مجھ سے بھی مجھ کو بچھپا کے لوٹ لیا  
مجھی میں رہ کے، مجھی میں سما کے لوٹ لیا  
وہ اک دل، جسے سب کچھ لٹا کے لوٹ لیا  
وہ اور ہوں گے، جنہیں مُسکرا کے لوٹ لیا  
زہے وہ دل، جسے اپنا بنا کے لوٹ لیا  
اسے بھی حسنِ مجسم بنا کے لوٹ لیا  
نظر سے چھیڑ دیا، گدگدا کے لوٹ لیا  
خود اپنا دردِ محبت بنا کے لوٹ لیا  
تمام ہستی دل کو جگا کے لوٹ لیا  
مرا ہی آئینہ مجھ کو دکھا کے لوٹ لیا



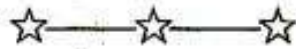
نہ لٹتے ہم، مگر ان مست آنکھریوں نے، جگر  
نظر بچاتے ہوئے، ڈبڈبا کے لوٹ لیا



نہ راہزن، نہ کسی رہنما نے لوٹ لیا  
نگاہِ لطف کی اک اک ادا نے لوٹ لیا  
نہ پوچھ شومی تقدیرِ خانہ بربادی!  
کسی بہارِ جسم کا آہ کیا شکوہ  
قسم ہے، تیری پشیمان نگاہیوں کی قسم!  
وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن کہ انہیں  
قریبِ دل ہی یکا یک اٹھے تھے کچھ فتنے  
وہ ایک قطرہٴ نون، بچ رہا تھا جو دل میں  
وہی ہے لے وہی انداز ہے، وہی آواز  
یہی وہ حضرتِ دل ہیں، یہی وہ خضرِ جنہیں  
دلِ تباہ کی زوداد، اور کیا کہیے!  
زباںِ خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق

نہ اب خودی کا پتہ ہے، نہ بے خودی کا جگر

ہر ایک لطف کو لطفِ خدا نے لوٹ لیا



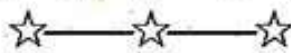
اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس!  
عشق جب تک نہ کر چکے رسوا  
لوٹ پڑتا ہے دفعتاً جو عشق  
وہ بھی ہوتا ہے ایک وقت کہ جب  
ہائے کیا ہو گیا طبیعت کو؟  
دل ہمارا ہے، یا تمہارا ہے  
جس پہ تیری نظر نہیں ہوتی  
میں کہ بیزارِ عمر بھر کے لئے  
وہ ہمارے قریب ہوتے ہیں  
دل کو کیا کیا سکون ہوتا ہے!

درد ہوتا ہے، یا نہیں ہوتا  
آدمی کام کا نہیں ہوتا  
بیشتر دیرپا نہیں ہوتا  
ماسوا، ماسوا نہیں ہوتا  
غم بھی راحت فرا نہیں ہوتا  
ہم سے یہ فیصلہ نہیں ہوتا  
اس کی جانب خدا نہیں ہوتا  
دل کہ دم بھر خدا نہیں ہوتا  
جب ہمارا پتہ نہیں ہوتا  
جب کوئی آسرا نہیں ہوتا

ہو کے اک بار سامنا اُن سے  
پھر کبھی سامنا نہیں ہوتا!



شبابِ حُسن کا، حُسنِ شباب دیکھ لیا  
کہاں تک اب تری باتوں پہ اعتماد کریں  
جو ہم نہیں، نہ سہی، کامیابِ غم، غم یار  
کہیں نہ ہم، تو یہ ہے اپنی مصلحت، ورنہ  
یہی بہت ہے کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے  
اچھال اچھال کے جامِ شراب دیکھ لیا  
بہت تو اے دل خانہ خراب دیکھ لیا  
تجھے تو اپنی جگہ کامیاب دیکھ لیا  
ہزار بار تجھے بے نقاب دیکھ لیا  
خرابِ عشق کو اپنے خراب دیکھ لیا  
غمِ نشاط و سرورِ الم، نہ پوچھ جگر  
کبھی جب اُس نے بہ چشمِ پر آب دیکھ لیا



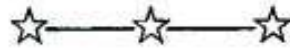
ہر دم دہائیں دینا، ہر لحظہ آہیں بھرنا  
ہاں کس کو ہے میسر، یہ کام کر گذرنا  
تیری عنایتوں سے مجھ کو بھی آچلا ہے  
ساحل کے لب سے پوچھو، دریا کے دل سے پوچھو  
جو زیست کونہ سمجھیں، جو موت کونہ جانیں  
اے شوق تیرے صدقے پہنچا دیا کہاں تک  
ہر ذرہ آہ جس کا لبریز تشنگی ہے  
دریا کی زندگی پر صدقے ہزار جانیں  
رنگینیاں نہیں تو رعنائیاں بھی کیسی؟  
اشکوں کو بھی یہ جرات، اللہ رے تیری قدرت!  
اے جانِ ناز! آجا آنکھوں کی رہ سے دل میں  
ہم بیخودانِ غم سے یہ راز کوئی سیکھے  
کچھ آچلی ہے آہٹ اس پائے ناز کی سی

خونِ جگر کا حاصل اک شعرِ ترکی صورت  
اپنا ہی عکس، جس میں اپنا ہی رنگ بھرنا





شمیرِ حُسن و عشق کا بسمل بنا دیا  
 ہر جہت نگاہ پہ ماہل بنا دیا  
 آج اک حسیں نے رشک کے قابل بنا دیا  
 قاتل نگاہِ ناز نے بسمل بنا دیا  
 نازک مزاجِ عشق کی اللہ ری خاطریں!  
 ان شاعرانِ دہر پہ ہو عشق کی ہی مار!  
 دکھلا کے ایک جلوہ سراپائے حُسن کا  
 دونوں جہاں تو اپنی جگہ پر ہیں برقرار  
 کیا چیز تھی کہ جس کو مرا دل بنا دیا



اس چشمِ مست نے مجھ مخمور کر دیا  
 میں ان کا ہو گیا، انہیں مسرور کر دیا  
 سرشار و مست، بے خود و مسحور کر دیا  
 اک وہم اعتبار سہی دو جہاں، مگر  
 ہشیار، او نگاہِ ستم آشنائے دوست!  
 وہ اور نازِ عشق گوارا کریں، مگر  
 اب حُسن کو بھی آنچ سے اس کی مفر نہیں  
 یہ عشق وہ بلا ہے کہ حُسنِ ازل کو بھی  
 اُن کو بھی نازِ فتح اگر ہو، تو بات ہے  
 فیضِ جمالِ دوست کے قربان جائیے  
 مدت کے بعد آج تو موجِ نسیم نے  
 حُسنِ ازل تو آج بھی بے پردہ ہے، مگر  
 توبہ تو کر چکا تھا، مگر اس کا کیا علاج  
 واعظ کی ضد نے پھر مجھے مجبور کر دیا

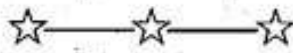


اب کہاں زمانے میں دوسرا جواب اُن کا؟  
 فصلِ حُسن ہے اُن کی، موسمِ شباب اُن کا  
 اوج پر جمال اُن کا، جوش پر شباب اُن کا  
 عہدِ ماہتاب اُن کا، دورِ آفتاب اُن کا

خاص اک ادا کے ساتھ اُف وہ پھر حجاب اُن کا  
 عشق فرش بزم اُن کا حُسن فرش خواب اُن کا  
 ہم نے چھپ کے دیکھا ہے عالم پر آب اُن کا  
 ہائے وہ رُخ خنداں، اُف رے وہ شباب اُن کا  
 اک نفس سوال اپنا، اک نفس جواب اُن کا  
 شوقِ نارسا اپنا، نازِ کامیاب اُن کا  
 جاں کہ ہے صدا اُن کی، دل کہ ہے رُباب اُن کا  
 چھپ سکا چھپائے سے کیا کہیں شباب اُن کا  
 ہم نے حال دیکھا ہے بیشتر خراب اُن کا  
 عشق آپ آڑ اپنی، حُسن خود حجاب اُن کا  
 ہر سکون کے پردے میں حشرِ اضطراب اُن کا  
 ورنہ چیز ہی کیا ہے گوشہ نقاب اُن کا  
 نیمِ واسی آنکھوں میں اُف وہ کیفِ خواب اُن کا  
 رہ گئے وہ تو ”اُونھ“ کر کے، سن لیا جواب اُن کا  
 نام تو نہ کر رُسوا، خانماں خراب، اُن کا

تو جگر سے مستوں پر طعن نہ کراے واعظ!

تو غریب کیا جانے مسلکِ شراب اُن کا



اپنا نہ رہا جو، وہ کسی کا نہ رہے گا  
 دنیا میں ترا نقشِ کفِ پا نہ رہے گا  
 پردہ جو گرا دوں گے تو پردا نہ رہے گا  
 کہتے ہیں جسے دل، کبھی تنہا نہ رہے گا  
 آنکھوں سے بھی کیا کوئی اشارا نہ رہے گا  
 کیا آج بھی شغلِ مے و مینا نہ رہے گا

تم اس دلِ وحشی کی وفاؤں پہ نہ جانا  
 مٹ جائے گی جس دن مرے سجدوں کی حقیقت  
 بے پردگی حُسن سے ہیں سب یہ حجابات  
 وہ لاکھ مٹاتے رہیں دُنیاے تمنا  
 مانا لبِ نازک کو وہ تکلیف نہ دیں گے  
 اللہ! یہ ساون کی گھٹائیں، یہ ہوائیں

۱۔ میں تشبیہات و استعارات کو بالطبع پسند نہیں کرتا اور ان چیزوں کی بہتات کو عجزِ طبع کی دلیل سمجھتا ہوں۔ تاہم کہیں کہیں بے اختیارانہ اس طرح کے اشعار بھی کہہ گیا ہوں۔ لیکن اکثر خاص قسم کی ندرت اور جدت کے ساتھ۔ (جگر)



یہیں کہیں کوئی سادہ سا آشیانہ تھا  
 کہ آج اس کا ہر انداز والہانہ تھا  
 خبر نہیں کہ حقیقت تھی یا فسانہ تھا  
 نہ دشت و درتھے، نہ گلشن، نہ آشیانہ تھا  
 وہی شباب، وہی دل، وہی زمانہ تھا  
 شرار و برق کے سائے میں آشیانہ تھا  
 بس ایک سحر جوانی تھا اور زمانہ تھا  
 بجھا بجھا سہی، پھر بھی چراغ خانہ تھا  
 لدا ہوا کبھی پھولوں سے آشیانہ تھا  
 نگاہ مل کے ہٹی تھی کہ دل نشانہ تھا  
 کہ ربطِ خاصِ محبت تو غائبانہ تھا  
 غرورِ عشق نہ تھا، نازِ عاشقانہ تھا  
 ہمیں بھی تیری محبت کو بھول جانا تھا

سمندِ عشق کہاں، سیر گاہِ شوق کہاں

کہ ہر نفس رہ منزل میں تازیانہ تھا



محبت کی بستی بساتا چلا جا  
 یونہی لوثا چل، لٹاتا چلا جا  
 جدھر سے گذر، مسکراتا چلا جا  
 محبت کی ہر چوٹ کھاتا چلا جا  
 زلاتا اٹھا ہے، ہنساتا چلا جا  
 شبابِ محبت لٹاتا چلا جا  
 انہیں آندھیوں کو اٹھاتا چلا جا  
 خس و خار کو بھی بہاتا چلا جا  
 حدودِ محبت بڑھاتا چلا جا  
 زمانے کو پیچھے ہٹاتا چلا جا

ہر اک جان و تن میں سماتا چلا جا  
 مئے شوق پیتا، پلاتا چلا جا  
 قدم والہانہ بڑھاتا چلا جا  
 نہیں یہ کہ بچتا بچاتا چلا جا  
 مبارک یہ عزمِ سفر تجھ کو، لیکن  
 شبابِ محبت کو خود لوثا چل  
 ترے ہر نفس میں ہزار آندھیاں ہیں  
 محبت کے دریا کا طوفان بن کر  
 قیودِ دو عالم سے آزاد ہو کر  
 زمانہ کے ہم دوش و ہم راہ کب تک

یہ سب کہہ کے در پردہ رازِ حقیقت  
جگر یوں نہ دامن بچاتا چلا جا



عشق بن کے محشر میں حسن کامیاب آیا  
یہ بھی کیا محبت میں دور انقلاب آیا  
حسن کی حقیقت میں اس طرح شباب آیا  
حشر در جلو آیا، نثر در رکاب آیا  
گودیوں میں عصمت کی کھیلتا شباب آیا  
اک لفاظہ رنگیں، ایک پرچہ سادہ  
تم سے میں اگر کہہ دوں، کیا ہی تم کو رشک آئے  
تو وہ نغمہ چھیڑاے دل، سب کہیں کہ گلشن میں  
وہ جھکی جھکی پلکیں، وہ عرق عرق عارض

دھیان ترا کیا آیا، جان صد بہار آئی  
یاد تیری کیا آئی، حاصل شراب آیا



خدایا اس مرض کی ہے دوا کیا  
جنونِ عشق میں اچھا، بُرا کیا  
سراپا حسن کا آئینہ بن کر  
محبت خود برس پڑتی ہے اکثر  
بجسم ساز بے آواز بن جا  
جدھر دیکھو، ہمیں ہم ہیں، وہی وہ

کہ ہم کیا ہیں، ہمارا مدعا کیا  
روا کہتے ہیں کس کو، ناروا کیا  
ہمیں ہم ہیں، ہمارا پوچھنا کیا  
بیانِ شوق و عرضِ التجا کیا  
کسی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا کیا  
اب ان کا اور ہمارا پوچھنا کیا



ہاں نگاہِ شوق، وہ اٹھی نقاب  
شوق بے پایاں و جوش بے حساب  
دستِ رنگین و جمال بے حجاب  
”آفتاب آمد دلیلِ آفتاب“  
عشق کیا ہے، اک مسلسل اضطراب  
اے خوش آنِ دقت و خوش جامِ شراب



لکھ چکے خط، جا چکا خط کا جواب  
 آج کچھ اپنا پتا ملتا نہیں  
 کچھ کہوں، تو کیا کہوں، کس سے کہوں؟  
 میری ہستی ہے، غبارِ گوئے دوست  
 پوچھنا کیا؟ چشمِ بینا ہو تو دیکھ  
 ہوش ہے پھر مانگِ فرزاگی  
 میرے جام و بادہ کی رنگینیاں  
 غرقِ موجِ بادہ کردے ساقیا!  
 جاں سراپا، کچھ ہے راحت، کچھ خلش  
 عشق کیا ہے؟ پر تو حُسنِ تمام  
 ان لبوں کی جاں نوازی دیکھنا  
 منہ بول اٹھنے کو ہے جامِ شراب

مختصر ہے شرحِ ہستی، اے جگر  
 زندگی ہے خواب، اجلِ تعبیرِ خواب



میرا جنونِ شوق، وہ عرضِ وفا کے بعد  
 تیری خبر نہیں، مگر اتنی تو ہے خبر!  
 شاید اسی کا نام مقامِ فنا نہ ہو  
 گودل سے تنگ ہوں، مگر آتا ہے یہ خیال  
 وہ شانِ احتیاط تری ہر ادا کے بعد  
 تو ابتدا سے پہلے ہے، تو انتہا کے بعد  
 نازک سا ہوتا جاتا ہے دل ہر صدا کے بعد  
 پھر جی کے کیا کروں گا دلِ مبتلا کے بعد

ہاں پھر انہیں حسین نگاہوں کا واسطہ  
 تھوڑا سا زہر بھی مری خاطرِ دوا کے بعد



کبھی شان و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر  
 میں چمن میں چاہے جہاں ہوں، مراحق ہے فصلِ بہار پر  
 مجھے دیں نہ غیظ میں دھمکیاں، گریں لاکھ بار یہ بجلیاں  
 میری سلطنت یہی آشیاں، مری ملکیت یہی چار پر  
 جنہیں کہئے عشق کی وسعتیں، جو ہیں خاصِ حُسن کی عظمتیں  
 یہ اسی کے قلب سے پوچھئے، جسے فخر ہو غم یار پر

مرے اشکِ خوں کی بہار ہے کہ مرقعِ غمِ یار ہے  
مری شاعری بھی نثار ہے، مری چشمِ سحر نگار پر

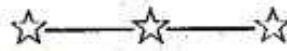
عجب انقلابِ زمانہ ہے، مرا مختصر سا فسانہ ہے  
یہ ہی اب جو بار ہے دوش پر، یہی سر تھا زانوائے یار پر  
یہ کمالِ عشق کی سازشیں، یہ جمالِ حسن کی نازشیں

یہ عنایتیں، یہ نوازشیں، مری ایک مُشتِ غبار پر  
مری سمت سے اُسے اے صبا! یہ پیامِ آخرِ غم سنا

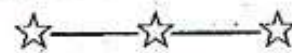
ابھی دیکھنا ہو تو دیکھ جا کہ خزاں ہے اپنی بہار پر  
یہ فریبِ جلوہ ہے سر بسر، مجھے ڈر یہ ہے، دل بے خبر

کہیں جم نہ جائے تری نظر، انہیں چند نقش و نگار پر  
میں رہیں درد سہی مگر، مجھے اور چاہیے کیا جگر؟

غمِ یار ہے مرا شیفۃ، میں فریفتہ غمِ یار پر



ہجومِ تجلی سے معمور ہو کر  
مجھی میں رہے مجھ سے مستور ہو کر  
بس اک نشہِ عشق میں پُور ہو کر  
کہیں اُن کے روکے سے رکتے ہیں وحشی!  
وفا پر ہزار ایسی جانیں تصدق  
تمہیں بھی خبر ہے جو تم کہہ گئے ہو؟  
نظر رہ گئی شعلہ طور ہو کر  
بہت پاس نکلے، بہت دور ہو کر  
پڑے رہیے اس در پہ مجبور ہو کر  
نہ مجبور کر دیں، جو مجبور ہو کر  
اگر رہ نہ جائے یہ دستور ہو کر  
خود اپنی اداؤں سے مسخور ہو کر



شبِ غم بھی تیری توجہ کے صدقے  
سنانے چلے ہیں انہیں قصۂ غم  
سنجھل جائیں آسودگانِ محبت  
نظرِ عیشِ فانی پہ کیا خاک ڈالیں  
خبر بھی ہے، تم کیا سے کیا ہو گئے ہو  
وہی نور میں ہے، وہی نار میں ہے  
نمایاں ہوئی، مطلعِ نور ہو کر  
بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر  
نگاہیں اٹھیں شورِ منصور ہو کر  
ترے دردِ مندانِ مجبور ہو کر؟  
زسرتا قدمِ حُسنِ مجبور ہو کر  
کبھی نار ہو کر، کبھی نور ہو کر



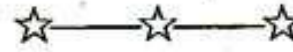
تجاہل، تغافل، تبسم، تکلم یہاں تک تو پہنچے وہ مجبور ہو کر  
 ترے حسنِ مغزور سے نسبتیں ہیں کہیں ہم نہ رہ جائیں مغزور ہو کر  
 جگر کی اداؤں کا اب پوچھنا کیا  
 تری مست نظروں سے مخمور ہو کر



نوید بخششِ عصیاں سے شرمسار نہ کر گناہ گار کو یا رب! گناہ گار نہ کر  
 نظر ملی ہے، تو اس کو بہار ساز بنا نظر کو مائل رنگینی بہار نہ کر  
 کہاں کی قربت و فرقت، گذر بھی جائے دل! یہ راہ عام ہے، تو اس کو اختیار نہ کر  
 بہار اپنی جگہ پر، سدا بہار رہے  
 یہ چاہتا ہے تو تجزیہ بہار نہ کر



عشق میں لاجواب ہیں ہم لوگ ماہتاب، آفتاب ہیں ہم لوگ  
 گرچہ اہل شراب ہیں ہم لوگ (قطعہ) یہ نہ سمجھو، خراب ہیں ہم لوگ  
 شام سے آگے جو پینے پر صبح تک آفتاب ہیں ہم لوگ



ہم کو دعائے عشق بازی ہے مستحق عذاب ہیں ہم لوگ  
 ناز کرتی ہے خانہ ویرانی ایسے خانہ خراب ہیں ہم لوگ  
 ہم نہیں جانتے خزاں کیا ہے کشتگانِ شباب ہیں ہم لوگ  
 تو ہمارا جواب ہے تھا! (قطعہ) اور تیرا جواب ہیں ہم لوگ  
 تو ہے دریائے حسن و مجبوبی شکل موج جناب ہیں ہم لوگ  
 گو سراپا حجاب ہیں، پھر بھی تیرے زرخ کی نقاب ہیں ہم لوگ  
 خوب ہم جانتے ہیں اپنی قدر تیرے ناکامیاب ہیں ہم لوگ  
 ہم سے غفلت نہ ہو تو پھر کیا ہو؟ رہو ملکِ خواب ہیں ہم لوگ  
 جانتا بھی ہے اُس کو تو، واعظ! جس کے مست و خراب ہیں ہم لوگ

۱۔ اس لفظ کو یقیناً مشدہ طریقہ پر کہنا درست نہیں لیکن محض اس مکتبی غلطی کی خاطر اپنے لطیف شعر کو ضائع  
 نہیں کر سکتا (جگر)

ہم پہ نازل ہوا صحیفۂ عشق! صاحبانِ کتاب ہیں ہم لوگ  
 ہر حقیقت سے جو گزر جائیں وہ صداقت مآب ہیں ہم لوگ  
 جب ملی آنکھ، ہوش کھو بیٹھے کتنے حاضر جواب ہیں ہم لوگ  
 ہم سے پوچھ جگر کی سرمستی  
 محرم آں جناب ہیں ہم لوگ



تو بھی او نا آشنائے دردِ دل! کاش ہوتا بتلائے دردِ دل  
 اللہ اللہ! انتہائے دردِ دل! اب تمہیں تو ہو بجائے دردِ دل  
 اس نظر کی بے قراری، آہ آہ! باش اوگستاخ ادائے دردِ دل  
 دردِ دل میرے لئے گر ہے، تو ہو میں نہیں ہرگز برائے دردِ دل  
 ذرہ ذرہ ہے قیامت گاہِ عشق صاف سنتا ہوں صدائے دردِ دل  
 جس طرف وہ شوخ نظریں اٹھ گئیں لے اڑی موج ہوائے دردِ دل  
 مجھ سے شاید رہ نہ جائے کچھ کی! آپ ہی دے لیں سزائے دردِ دل  
 کچھ تغافل، کچھ توجہ، کچھ غرور دیکھنا شان عطاءے دردِ دل  
 دردِ دل! غیرت تری کیا ہو گئی؟  
 ان لبوں پر، اور ہائے دردِ دل!



اب تو نامِ عشق سے بھی سخت گھبراتا ہے دل اے مرے اللہ! کیا سے کیا ہوا جاتا ہے دل  
 کیا بتائیں، دل سے مل کر کیا غضب ڈھاتا ہے دل جس طرح آندھی کوئی آتی ہے، یوں آتا ہے دل  
 رہ گیا ہے اب تو بس اتنا ہی ربط اک شوخ سے سامنا جس وقت ہو جاتا ہے، بھر آتا ہے دل  
 دل تو سینے ہی میں رہتا ہے، مگر اُس کے حضور جیسے اب جاتا ہے دل سینے سے، اب جاتا ہے دل  
 جب ستم ہی مدعا ٹھہرا، ستم بھی کیا ضرور کچھ نہ کچھ تسکین سی یوں بھی تو پا جاتا ہے دل  
 سامنے اُن کے ہمیں سے اس کی ظالم شوخیاں وہ نہیں ہوتے، تو کیا نادان بن جاتا ہے دل  
 رحم بھی، غصہ بھی، کیا کیا آہ آتا ہے جگر! خود تڑپ کر عشق میں جب مجھ کو تڑپاتا ہے دل



حسنِ معنی کی قسم، جلوۂ صورت کی قسم تو ہی فردوس ہے، فردوسِ محبت کی قسم  
 حسن کے معجزہ وحدت و کثرت کی قسم چشمِ حیرت میں ہے سب کچھ، میری حیرت کی قسم



اپنی کم مائیگی جرات و ہمت کی قسم  
 حسنِ کافر! تیری معصوم شرارت کی قسم  
 تیری اس اشکِ بھیر چشمِ ندامت کی قسم  
 ناوکِ غم کی قسم، سینہ حسرت کی قسم  
 نگہِ ناز کے اقرارِ محبت کی قسم  
 تیری غیرت کی قسم، اپنی حمیت کی قسم  
 میں محبت ہی محبت ہوں، محبت کی قسم  
 مذہبِ عشق کی پاکیزہ شریعت کی قسم  
 کون کھائے گا تری چشمِ مروت کی قسم  
 شبنمِ اشک و گلِ داغِ محبت کی قسم  
 نگہِ شوق کی بیتاب طبیعت کی قسم  
 اپنی محبوبہِ شامِ شبِ فرقت کی قسم  
 میں نہ کھاؤں گا ترے دردِ محبت کی قسم  
 سینہِ عشق کی پوشیدہ امانت کی قسم  
 خلشِ درد! ترے حسنِ نزاکت کی قسم  
 غمِ عشرت کی قسم، اشکِ مسرت کی قسم  
 تیری آنکھوں کے پیامِ دمِ رخصت کی قسم  
 اپنے اُجڑے ہوئے آغوشِ محبت کی قسم

خلوتِ خاص کو اک دن تو بنا دے جلوت  
 تجھ کو اپنے جگرِ شوخِ طبیعت کی قسم



آ، اے غمِ محبت! تجھ کو گلے لگائیں  
 کانوں میں آرہی ہیں بھولی ہوئی صدائیں  
 اشکوں کی آرزوئیں، آنکھوں کی التجائیں

تجھ کو دیکھا، مگر اس طرح کہ دیکھا ہی نہیں  
 مجھ سے کچھ دل نے کہا تھا ابھی سچ ہو کہ نہ ہو  
 ظلم کیا، اب تو کرم بھی ہے گوارا مجھ کو  
 اک نظر دیکھ تو لے، پھول کھلے ہیں کیا کیا!  
 دل کی دنیا پہ ہے اک اور ہی عالمِ طاری  
 تو بھی اب سامنے آئے تو لٹا دوں تجھ پر  
 مجھ سے چھپنا تجھے زیبا نہیں، اے پیکرِ حسن!  
 نگہِ حسن ہی سے حسن کو ہم دیکھتے ہیں!  
 تیرا احسان مٹانا ہے، مٹا دے مجھ کو  
 اک ترے واسطے خود عشق ہے جنتِ بکنار  
 اب ترے حسن کے جلوے نہیں روکے رکتے  
 صبحِ عشرت بھی جواب آئے تو دیکھوں نہ اُسے  
 اب تجھے میری محبت کا یقین ہو کہ نہ ہو  
 تو بھی اب وہ نہیں جو خود کو نظر آتا ہے  
 نگہِ ناز میں سب کچھ تو ہے، یہ بات کہاں؟  
 اب تجھے دیکھ کے مرنا بھی گوارا ہے مجھے  
 تیرے ہمراہ ہیں جان و دل و ایماں سب کچھ  
 اب بھی ہیں تیرے تصور سے وہی راز و نیاز

اب اُن کا کیا بھروسہ، وہ آئیں یا نہ آئیں  
 بیٹھا ہوں مست و بیخود خاموش ہیں فضائیں  
 سب اُن پہ ہیں تصدق وہ سامنے تو آئیں

۱۔ ایک شخص نے آغوش کی تذکیر پر اعتراض کیا تھا۔ مگر اُن کا اعتراض غلط ہے۔ تذکیر و تائید دونوں طرح

جائز ہے اور کہا جاتا ہے (جگر)

عشاق پا رہے ہیں ہر جرم پر سزائیں  
 اس سے بھی شوخ تر ہیں اس شوخ کی ادا میں  
 مسجد میں معکف ہیں بے کاری ہی تو زاہد  
 اس حسنِ برق و ش کے دل سوختہ وہی ہیں  
 عاشق خراب ہستی، زاہد خراب تمکین  
 جیسا وہ چاتے ہیں، جو کچھ وہ چاہتے ہیں  
 اک جامِ آخری تو پینا ہے اور، ساقی  
 اب ہاتھ مل رہے ہیں، وہ خاکِ عاشقاں پر  
 آلودہ خاک ہی تو رہنے دے اس کو ناصح  
 بیتابی محبت وجہ سکونِ غم سے

اشعار بن کے نکلیں جو سینہ جگر سے  
 سب حسنِ یار کی تھیں، بے ساختہ ادا میں

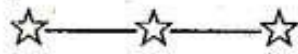


کدھر ہے تیرا خیال اے دل! یہ وہم کیا کیا سا رہے ہیں!  
 نظر اٹھا کر تو دیکھ، ظالم! کھڑے وہ کیا مسکرا رہے ہیں!  
 تمام ہستی پہ چھا رہے ہیں، وہ جیسے خود ہیں، بنا رہے ہیں  
 نظر نظر میں سا چکے ہیں، نفس نفس میں سا رہے ہیں  
 کرشمے، ذات و صفات کے ہیں، جمالِ قدرت دکھا رہے ہیں  
 کہ ہر تصور سے دُور رہ کر، وہ ہر تصور میں آ رہے ہیں  
 کہاں کا دیدار، کس کا عرفاں، حواسِ گم ہیں، نظر پریشاں  
 جو ایک پردہ اٹھا رہے ہیں، تو لاکھ پردے گرا رہے ہیں  
 یہ حادثاتِ زمانہ کیا ہیں، اسی کے حسنِ طلب کے جلوے  
 دلوں کو ٹھوکر لگا لگا کر، دلوں کی دُنیا جگا رہے ہیں  
 کرشمے ہیں حسنِ بے جہت کے، فسوں میں چشمِ مناسبت کے  
 ادھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں، ادھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں  
 نفسِ نفس میں صفاتِ تازہ، مہمتِ تازہ، حیاتِ تازہ  
 انہیں میسر ہے ذاتِ تازہ، جو خود کو تجھ میں مٹا رہے ہیں



## (قطعہ)

ہماری ہستی تمام آفت، تمام زحمت، تمام کلفت  
 اگر یہ سچ ہے تو فی الحقیقت ہمیں خود اُن کو ستا رہے ہیں  
 ہوا کچھ ایسی ہی تپل گئی ہے، دلوں کی دُنیا بدل گئی ہے  
 وہ ہم کو مطلوب کہہ رہے ہیں، ہم اُن کو طالب بتا رہے ہیں!  
 ذرا سا اک وقفہٴ محبت، اٹھا گیا اور ہی قیامت  
 ابھی ہم آنسو بہا رہے تھے، ابھی وہ آنسو بہا رہے ہیں!  
 خوشا یہ پندارِ عشق اپنا، زہے شکستِ غرور اُن کا  
 وہ ہم سے نظریں ملتا رہے ہیں، ہم اُن سے نظریں ہٹا رہے ہیں  
 نظر نظر التجائے پیہم، ادا ادا شکوۂ جسم!  
 ذرا جو بن کر بگڑ رہے ہیں، ہمیں وہ کیا کیا منا رہے ہیں  
 گلوں سے مستی چھلک رہی ہے، سر اپنا بلبل پٹک رہی ہے  
 حکر کسی گوشہٴ چمن میں، غزل کوئی اپنی گا رہے ہیں

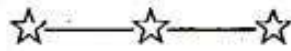


کرم کوشیاں ہیں، ستم کاریاں ہیں  
 چمن سوز گلشن کی گلکاریاں ہیں  
 نہ بے ہوشیاں، اب نہ ہشیاریاں ہیں  
 نہ وہ مستیاں ہیں، نہ سرشاریاں ہیں  
 محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے  
 نگاہ تجسس نے دیکھا جہاں تک  
 تجلی سے کہہ دو، ذرا ہاتھ روکے  
 نہ آزاد دل ہیں، نہ بے قید نظریں  
 نہ ذوقِ تخیل، نہ ذوقِ تماشا  
 تغافل ہے اک شانِ محبوب، لیکن  
 کہاں ہیں، کہاں تازہ اشعارِ رنگیں  
 ازل سے ہے صرف دُعا ذرہ ذرہ  
 بس اک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں  
 یہ کس سوختہ دل کی چنگاریاں ہیں  
 محبت کی تنہا فسوں کاریاں ہیں  
 خودی کا ہے احساس، خود داریاں ہیں  
 محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں  
 پرستاریاں ہی پرستاریاں ہیں  
 بہت عام اب دل کی بیماریاں ہیں  
 گرفتاریاں ہی گرفتاریاں ہیں  
 محبت ہے اب اور بیزاریاں ہیں  
 تغافل میں پنہاں خبرداریاں ہیں  
 تری اک توجہ کی گلکاریاں ہیں  
 خدا جانے کیا کچھ طلب گاریاں ہیں

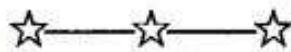
بچھے جا رہے ہیں سبھی دیدہ و دل تری آمد آمد کی تئاریاں ہیں  
 قدم ڈگمگائے، نظر بہکی بہکی! جوانی کا عالم ہے، سرشاریاں ہیں  
 جگر زندگی لطف سے کٹ رہی ہے غم آزاریاں ہیں، جنوں کاریاں ہیں  
 کہاں پھر یہ مستی، کہاں ایسی ہستی؟  
 جگر کی جگر تک ہی سے خواریاں ہیں



خطاؤں سے پہلے پشیمائیاں ہیں محبت کی معصوم نادانیاں ہیں  
 قیامت، تری جلوہ سامانیاں ہیں جدھر دیکھتا ہوں، پریشانیاں ہیں  
 دل و جان و حسرت ہیں، قربانیاں ہیں خوشا وہ کہ جس کی یہ مہمانیاں ہیں  
 مسلسل غم کی غریبانیاں ہیں نگاہیں نہیں ہیں، پریشانیاں ہیں  
 سنا کر غم و درد پچھتا رہا ہوں پشیمانوں کی پشیمائیاں ہیں  
 ازل سے جو دل کے مقدر پڑی تھیں! وہی آج تک شعلہ سامانیاں ہیں  
 دلوں پر حکومت، نگاہوں سے پردے (قطعہ) جہانبنائیاں ہیں، ستم رانیاں ہیں  
 تجسس میں شامل، تحیر میں پنہاں نظر سوزیاں ہیں، نگہبنائیاں ہیں



وہ دشواریاں عش کی حل ہوں کیونکر؟ جو دشواریاں ہیں نہ آسانیاں ہیں  
 محبت کے جلوے نہیں حسن سے کم انہیں بھی میرے ساتھ حیرانیاں ہیں  
 ترے جلوہ جُورِ کل کے تصدق پریشانیوں کو پریشانیاں ہیں  
 غضب میں پھنسی ہیں مرا ساتھ دے کر نہ اب حسرتیں ہیں، نہ حیرانیاں ہیں  
 درِ بُت کدہ اور سجدوں پہ سجدے  
 جگر! واہ، کیا گھر سامانیاں ہیں!



نیاز و ناز کے جھگڑے مٹائے جاتے ہیں ہم اُن میں اور وہ ہم میں مٹائے جاتے ہیں  
 شروع راہِ محبت، ارے معاذ اللہ! یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں  
 یہ نازِ حسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر! نظر ملاتے نہیں، مسکرائے جاتے ہیں  
 مرے جنونِ تمنا کا کچھ خیال نہیں لجائے جاتے ہیں، دامن چھڑائے جاتے ہیں  
 جو دل سے اُٹھتے ہیں شعلے وہ رنگ بن بن کر تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہیں



میں اپنی آہ کے صدقے کہ میری آہ میں بھی تری نگاہ کے انداز پائے جاتے ہیں  
 رواں دواں لئے جاتی ہے آرزوئے وصال کشاں کشاں ترے نزدیک آئے جاتے ہیں  
 کہاں منازل ہستی، کہاں ہم اہل فنا! ابھی کچھ اور یہ تہمت اٹھائے جاتے ہیں  
 مری طلب بھی، اسی کے کرم کا صدقہ ہے قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں  
 الہی ترک محبت بھی کیا محبت ہے! بھلاتے ہیں انہیں، وہ یاد آئے جاتے ہیں

سنائے تھے لب نئے سے کسی نے جو نغے  
 لب جگر سے مکرر سنائے جاتے ہیں



نیازِ عاشقی کو ناز کے قابل سمجھتے ہیں ہم اپنے دل کو بھی اب آپ ہی کا دل سمجھتے ہیں  
 عدم کی راہ میں رکھا ہے پہلا ہی قدم میں نے مگر احباب اس کو آخری منزل سمجھتے ہیں  
 قریب آ آ کے منزل تک پلٹ جاتے ہیں منزل سے نہ جانے دل میں کیا آوارہ منزل سمجھتے ہیں  
 الہی! ایک دل ہے، تو ہی اس کا فیصلہ کر دے  
 وہ اپنا دل بتاتے ہیں، ہم اپنا دل سمجھتے ہیں



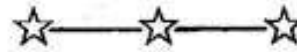
کیا غرض مجھ کو ترے دل پہ اثر ہے کہ نہیں میں پرستارِ محبت ہوں، خبر ہے کہ نہیں؟  
 نہیں معلوم محبت میں اثر ہے کہ نہیں جو ادھر سے مری حالت وہ ادھر ہے کہ نہیں؟  
 میں نہ کھاؤں گا کبھی حسنِ تغافل کے فریب مری جانب تری در پردہ نظر ہے کہ نہیں؟  
 اب یہ عالم ہے کہ جو ہجر کی شب آتی ہے میں یہ کہتا ہوں کہ اس شب کو سحر ہے کہ نہیں؟  
 پوچھ مجھ سے نہ مرے زخمِ جگر کی حالت میرے دامن میں ہر آنسو گل تر ہے کہ نہیں؟  
 تو ہی کہہ دے کہ جنوں مجھ کو نہ کیونکر ہو عزیز اس کو حاصل تری تائیدِ نظر ہے کہ نہیں؟  
 وصل کہتے ہیں جسے اس کی حقیقت معلوم ورنہ اک سلسلہٴ شام و سحر ہے کہ نہیں؟  
 اک نظر دیکھ تو لے، دل کے مٹانے والے ابھی اس خاک میں طوفانِ شرر ہے کہ نہیں؟  
 پوچھتا پھرتا ہوں اک ایک سے اس کو بچے میں جس کا دیوانہ ہوں، اس کو بھی خبر ہے کہ نہیں؟  
 اور درکار ہے کیا تیری توجہ کے لئے؟ آہ ظالم، مری محروم اثر ہے کہ نہیں؟  
 عشق بے جذب ہوئے رہ نہیں سکتا ہرگز تیری ہر شان میں ان شانِ جگر ہے کہ نہیں؟

لے اٹھا جاتا ہوں میں جھاڑ کے دامن اپنا  
پھر نہ کہنا مرا دیوانہ جگر ہے کہ نہیں؟



ترے بیان میں قاصد کچھ اشتباہ نہیں  
نہ ہو، جو حسن کی ہم پر کوئی نگاہ نہیں  
خود اپنے حُسن کی تاثیر کو وہ کیا جانے؟  
جفائے حُسن کا صدقہ، سزائے حُسن کی خیر!  
ہزار چشم عنایت ہو، پھر بھی کیا حاصل؟  
وہ ایک شے بھی، اگر شامل نگاہ نہیں

انہیں بھی دست بہ دل، بے قرار دیکھ لیا  
سنا تھا، عشق کی آنکھیں تو ہیں، نگاہ نہیں



دل حریفِ حال و بے حالی نہیں  
دیکھنا دل سے سلوکِ چشمِ یار  
ہاں، مبارک شغل ہے زاہد، مگر  
اللہ اللہ! تیرے غم کی وسعتیں  
اس طرف بھی دیکھ، او محشرِ خرام!  
حُسن ہے اس طرح سرگرمِ خرام  
عشق رنگِ حُسن سے ہے بے نیاز

شوق بھی دل میں رہے ہمراہ دوست  
اب تو اتنی بھی جگہ خالی نہیں



لفظ و معنی میں نہیں، جلوہ صورت میں نہیں  
وہ حقیقت کہ جو محدود حقیقت میں نہیں  
غم میسر ہے تیرا، غم پہ نہ کیوں نالہ کروں  
وہ جو اک ربطِ محبت ہے، مٹانا اس کا  
جلوہ پھر جلوہ ہے، نظارہ ہے پھر نظارہ  
یوں بھی تکمیلِ غمِ عشق ہوا کرتی ہے

عشق اک چیز ہے جو حرف و حکایت میں نہیں  
دل کی وسعت میں ہے، کونین کی وسعت میں نہیں  
یہ بھی کیا تو ہے کہ جو عشق کی قسمت میں نہیں  
مری طاقت میں نہیں، آپ کی قدرت میں نہیں  
حیرت آئینے میں ہے، آئینہ حیرت میں نہیں  
اس کی قسمت میں ہوں میں جو میری قسمت میں نہیں



ہر نفس میں ہے یہاں جلوہ نو کا عالم  
غمِ فرقت بھی مرا، اب غمِ فرقت میں نہیں



خود اپنی نظر سے گرا چاہتا ہوں	غمِ عاشقی کا صلہ چاہتا ہوں
سزاوارِ غم ہوں، سزا چاہتا ہوں	بلا پر نزولِ بلا چاہتا ہوں
بڑا نا سمجھ ہوں، یہ کیا چاہتا ہوں	محبت بقیدِ وفا چاہتا ہوں
کہ ترکِ محبت کیا چاہتا ہوں	جنونِ محبت یہاں تک تو پہنچا
کوئی خود یہ کہہ دے، سزا چاہتا ہوں	وہ یوں پُرسشِ شوق فرما رہے ہیں
کوئی مجھ کو سمجھائے، کیا چاہتا ہوں	طلسمِ تمنا سمجھ میں نہ آیا
اسی نقشِ پا پر مٹا چاہتا ہوں	ظہورِ دو عالم، اک اعجازِ جس کا
تجھے دیکھ کر دیکھنا چاہتا ہوں	کہاں تک ہیں یہ رنگ و بو کی بہاریں
نگاہِ کرم! آسرا چاہتا ہوں	کہیں ٹوٹ جائے نہ دل بے کسی کا

محبت ہی اپنا بھی مذہب ہے، لیکن  
طریقِ محبت جدا چاہتا ہوں



بہت فرصتِ شوق کم دیکھتے ہیں	محبت میں کیا یہ ستم دیکھتے ہیں!
محبت دکھائی ہے، ہم دیکھتے ہیں	غم و درد و رنجِ الم دیکھتے ہیں
جہاں موت کا سرِ قلم دیکھتے ہیں	وہاں اپنی ہستی کو ہم دیکھتے ہیں
غنیمت ہے، جو کوئی دم دیکھتے ہیں	کہاں تیرے جلوے، کہاں اپنی نظریں
ہمیں دیکھتے ہیں، جو ہم دیکھتے ہیں	وہ کیا دیکھ سکتے ہیں اپنی ادائیں!
بہت بے نیازانہ ہم دیکھتے ہیں	ہماری نظر سے بھی سمجھو تو جانیں!
ابھی اور، اے چشمِ نم! دیکھتے ہیں	تجھے بھی کسی دن سمجھنا ہے ظالم!
نہ تم دیکھتے ہو، نہ ہم دیکھتے ہیں	نگاہِ محبت دکھاتی ہے سب کچھ
سو یہ حال بھی اب تو کم دیکھتے ہیں	غنیمت تھا حرمانِ اُمید افزا

نہ جانے محبت ہے کیا چیز لیکن  
بڑی ہی محبت سے ہم دیکھتے ہیں



خدا جانے وہ کیا سمجھے ہوئے ہیں، کیا سمجھتے ہیں  
جو صرف اتنا سمجھتے ہیں، وہ آخر کیا سمجھتے ہیں  
اسی تپتے ہوئے صحرا کو ہم دریا سمجھتے ہیں  
جہاں تک جانتے ہیں، خود کو وہ اپنا سمجھتے ہیں  
یہ اُن کی مہربانی ہے کہ وہ ایسا سمجھتے ہیں  
مگر اس جانِ محبوبی کو مستیٰ سمجھتے ہیں  
ہمیں اپنا بنایا ہے، ہمیں اپنا سمجھتے ہیں  
ہم اپنے ہر نفس کو اک نئی دُنیا سمجھتے ہیں  
وہ خود جلوہ ہے اُن کا سب جسے پردا سمجھتے ہیں  
مگر اپنی محبت کو وہ صرف اپنا سمجھتے ہیں  
ازل کے دن سے جو رازِ مئے مینا سمجھتے ہیں  
اسی کو دکھ بھی دیتے ہیں، جسے اپنا سمجھتے ہیں

فضائے نجد ہو، یا قیسِ عامر، اے جگر! ہم تو  
جو کچھ ہے، ہم اُسے عکسِ رُخ لیلیا سمجھتے ہیں



میکدہ ساز ہوں میں، میکدہ بر ہوش نہیں  
دل مراد دل ہے، کوئی ساغرِ سر جوش نہیں  
ماں کا آغوش ہے، یہ موت کا آغوش نہیں  
اور اگر ہوش کی پوچھو تو مجھے ہوش نہیں  
کون سی شے ہے، جو آغوشِ در آغوش نہیں  
پھر بھی اک چیز ہے ایسی کہ فراموش نہیں  
میرا دامن سے کسی اور کا آغوش نہیں  
کہ ادھر ہوش اگر ہے، تو ادھر ہوش نہیں  
موت ہے موت، اگر رقص نہیں، جوش نہیں  
آج تک ہوش نہیں، ہوش نہیں، ہوش نہیں  
حُسن بھی عشق کے احساں سے سبکدوش نہیں  
میرے، آغوش کو اب حسرتِ آغوش نہیں

محبت کی محبت تک ہی جو دُنیا سمجھتے ہیں  
جمالِ رنگ و بو تک حُسن کی دُنیا سمجھتے ہیں  
کمالِ تشنگی ہی سے بجھالیتے ہیں پیاس اپنی  
سمجھنے دے نہیں، اے غیرتِ جذبِ طلب، ظالم  
ہم اُن کا عشق کیسا؟ اُن کے غم کے بھی نہیں قابل  
یہ کیا طاقت کہ ہم پر ڈال دے ٹیڑھی نظر کوئی  
ہمیں ہیں عشق کے مارے، ہمیں پر ہے نظر اُن کی  
محبت میں نہیں سیرِ مناظر کی ہمیں پروا  
نگاہِ شوق ہی کچھ جانتی ہے رازِ مستوری  
اشاروں میں اُنکا دیتے ہیں دولتِ دین و دنیا کی  
سے و مینا کے پردے اُن کو دھوکا دے نہیں سکتے  
خبر اس کی نہیں ان خام کارانِ محبت کو

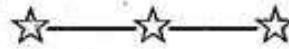
رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں، انہیں ہوش نہیں  
کونسا جلوہ یہاں آتے ہی بے ہوش نہیں؟  
مرنے والے! تجھے مرنے کا بھی کیا ہوش نہیں؟  
پاؤں اٹھ سکتے نہیں منزلِ جاناں کے خلاف  
حُسن سے عشقِ جُدا ہے، نہ جُدا عشق سے حُسن  
مٹ چکے ذہن سے سب یادِ گذشتہ کے نقوش  
ایک گوشہ میں سمٹ آئے ہیں دونوں عالم  
اب تو تاثیرِ غمِ عشق یہاں تک پہنچی!  
زیست، زیست جو رگِ رگ میں رواں ہے مئے عشق  
کبھی ان مدبھری آنکھوں سے پیا تھا اک جام  
عشق اگر حُسن کے جلوؤں کا ہے مرہونِ کرم  
اپنے ہی حُسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں!



موتیج تو سب ہیں، مگر ادراک کہاں! زندگی خود ہی عبادت ہے، مگر ہوش نہیں  
 مل کے اک بار گیا ہے کوئی جس دن سے جگر  
 مجھ کو یہ وہم ہے جیسے مرا آغوش نہیں!



مر کے بھی کب تک نگاہ شوق کو زسوا کریں  
 جذبِ دل ممکن نہیں، تو چشمِ دل ہی وا کریں  
 اے میں قرباں! مل گیا عرضِ محبت کا صلہ  
 دیکھئے کیا شور اٹھتا ہے حریمِ ناز سے  
 ہائے یہ مجبوریاں، محرومیاں، ناکامیاں  
 عشقِ خود اپنی جگہ عینِ حقیقت ہے جگر  
 عشق ہی میں کیوں نہ شانِ دلبری پیدا کریں؟



جب اپنا اپنا غم احباب سے احباب کہتے ہیں  
 محبت بہتی گنگا ہے، نہالے جس کا جی چاہے  
 زمانے بھر کی دولت کو غمِ جاناں سے کیا نسبت  
 عطا کر، اے جمالِ حُسن! وہ داغِ محبت بھی!  
 عبادتِ گاہِ جانِ عاشقاں کا پوچھنا ہی کیا  
 اسی صورت سنا دیتے ہیں اُن کو وارداتِ اپنی  
 الہی! آگ ہی لگ جائے تاثیرِ محبت کو!  
 محبت جن کی ایک اک موج میں لہریں نہ لیتی ہو  
 ہمارا بھی زمانہ تھا کبھی، اے عشق، سنتے ہیں!  
 محبت کی ہر اک موجِ بلا ہے بحرِ بے پایاں!

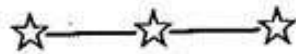
۱۔ اگر میرا نفس مجھ کو دھوکا نہیں دیتا تو یہ شعر خالص الہامی ہے۔ آیتِ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی  
 الْاَرْضِ اکثر میرے پیڑھے نظر رہا کرتی تھی۔ خیال یہ ہوتا تھا کہ یقیناً ایسا ہی ہے۔ پھر ہمیں مزید تکلیفِ تسبیح و  
 تہلیل و عبادت کیوں دی گئی۔ ایک دن جمعہ کی نماز میں شریک تھا کہ بے قصد و بے ارادہ یہ شعر نازل ہوا۔ اور  
 اسی دن سے مجھے بہت تسکین حاصل ہو گئی۔ (جگر)

کبھی پانی بھی جن آنکھوں کے ماروں نے نہیں مانگا  
انہیں آنکھوں کے ماروں کو جگر سیراب کہتے ہیں



اللہ اللہ! عشق کی رعنائیاں  
ہائے وہ غم کی کرم فرمائیاں  
عشق ہے ہر موعے تن سے نغمہ زن  
کوئی دیکھے تو حریم شوق میں  
یاد ظالم کو تم اپنی روک لو  
دل کی چوٹیں ابھری آتی ہیں تمام  
حُسن کی جانِ توجہ بن گئیں  
سامنے جیسے وہ خود میں جلوہ گر  
خود بڑھے آتے ہیں وہ میری طرف  
اب کہاں انساں، جسے انساں کہیں  
غیر تو غیر، اپنے سائے سے بھی رم  
حُسن بھی ہے، عشق بھی ہے جلوہ گر  
کون پہنچا تافرازِ بامِ حُسن؟  
رہ گئی رکھی ہی عقلِ پختہ کار  
حُسن کے بھی ڈگمگاتے ہیں قدم  
یاد ہے اب تک جگر! آغاز عشق

شب، ہمہ شب وہ خیال آرائیاں



عشق کی بڑھنے تو دو بربادیاں  
اللہ اللہ! اعتباراتِ نظر!  
اس نگاہِ ناز ہی سے پوچھے  
خود نہ تھی اپنی بھی جب تجھ کو خبر  
کشورِ دل ہی میں گھٹ کر رہ گئیں  
کام آئیں گی یہ صحرا زادیاں  
اور پھر اُن سب کی بے بنیادیاں  
اک اسیرِ شوق کی صیادیاں!  
یاد کر اے عشق وہ آزادیاں  
کیسی کیسی نازیں شہزادیاں



عشق خود کرتا ہے اعلانِ شکست  
حسن کو دیجے مبارکبادیاں!



عہدِ رنگیں کی یادگار ہوں میں  
آکہ بیتابِ انتظار ہوں میں  
ذرہ آستانِ یار ہوں میں  
میری ہستی کا واہ کیا کہنا  
نہ سہی تو، ترا خیال تو ہے  
اُف، جواں مرگیاں محبت کی!  
نکبتِ گل کا بھی دماغ نہیں  
وہ حقیقت ہے خود مری ہستی  
اللہ اللہ! نزاکتیں میری!  
تجھ کو تکلیفِ ضد نظر، ہے ہے!  
مجھ کو رنگِ خزاں سمجھ کے نہ دیکھ

مژدہ آمدِ بہار ہوں میں



ہائے، وہ اور اک اُجڑے ہوئے کاشانے میں!  
اے اجل، تو بھی سما جا مرے پیمانے میں  
اسی میخانے کی مٹی، اسی مے خانے میں  
خلدِ شیشے میں ہے فردوس ہے پیمانے میں  
وہ تو یہ کہئے، اماں مل گئی مے خانے میں  
اک اضافہ ہی سہی طور کے افسانے میں  
ڈال کر خاص نگاہیں مرے پیمانے میں  
کبھی میخانے سے باہر، کبھی میخانے میں  
جونہ کعبے میں ہے محدود نہ بت خانے میں  
ملتی ہے عمرِ ابدِ عشق کے مے خانے میں  
ہم کہیں آتے ہیں واعظ، ترے بہکانے میں  
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے میخانے میں  
حرم و دیر میں رندوں کا ٹھکانا ہی نہ تھا  
بام پر آکے اٹھا دو رُخِ تاباں سے نقاب  
آج تو کر دیا ساقی نے مجھ مستِ الست  
آج ساقی نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے!

۱ "مبارک باد" صحیح ہے۔ مبارک باد کو غلط کہا جاتا ہے لیکن داغِ مرحوم نے کہا ہے اور یہ

سندکانی ہے (جلد)

آپ دیکھیں تو سہی، ربطِ محبت کیا ہے اپنا افسانہ ملا کر مرے افسانے میں  
 بچوے نے تراے شیخ بھرم کھول دیا تو تو مسجد میں ہے، نیت تری میخانے میں  
 مشورے ہوتے ہیں جو شیخ و برہمن میں جگر  
 رند سن لیتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں



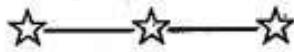
دشاعرِ فطرت ہوں میں جب فکر فرماتا ہوں میں  
 آ کہ تجھ بن اس طرح، ہاے دوست، گھبراتا ہوں میں  
 جس قدر افسانہ ہستی کو ڈھراتا ہوں میں  
 جب مکان و لامکان، سب سے گزر جاتا ہوں میں  
 تیری صورت کا جو آئینہ اسے پاتا ہوں میں  
 یک بیک گھبرا کے جتنی دُور ہٹ آتا ہوں میں  
 میری ہستی شوقِ پیہم میری فطرت اضطراب  
 ہائے ری مجبوریاں، ترکِ محبت کے لئے  
 میری ہمت دیکھنا، میری طبیعت دیکھنا  
 حُسن کو کیا دشمنی ہے، عشق کو کیا بیر ہے  
 تیری محفل تیرے جلوے، پھر تقاضا کیا ضرور  
 تاکجا یہ پردہ داری ہائے عشق و لافِ حُسن؟  
 میری خاطر اب وہ تکلیفِ تجلی کیوں کریں؟  
 دل مجسمِ شعر و نغمہ وہ سراپا رنگ و بو  
 تاکجا ضبطِ محبت، تاکجا دردِ فراق!  
 واہ رے شوقِ شہادت! کوئے قاتل کی طرف  
 یا وہ صورتِ خود جہانِ رنگ و بو محکوم تھا  
 دیکھنا اس عشق کی یہ طرفہ کاری دیکھنا

! سطحی نظر سے اگر دیکھا جائے تو ردیف ”میں“ صحیح نہیں ہوگی بلکہ اس کی جگہ ”سے“ درست ہے۔

لیکن اس محلِ خاص پر ردیف ”میں“ ہی مناسب سمجھتا ہوں (جگر)



ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث، اے جگر!  
ایک شیشہ ہے، کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں



آئینہ زور و ہے، کچھ گنگنا رہے ہیں  
کافر جمال والے کافر بنا رہے ہیں  
جھوٹے نفس نفس میں خوشبو کے آرہے ہیں  
شاعر ہے خوفِ فطرت، جذبات چھا رہے ہیں  
زلفیں سنور چکی ہیں، قشقہ لگا رہے ہیں  
ایمان لانے والے ایمان لا رہے ہیں  
شاید وہ آج خود ہی تشریف لا رہے ہیں  
پیغام جا رہے ہیں، پیغام آ رہے ہیں  
ساون کی رین اندھیری، تہائیوں کا عالم  
بھولے ہوئے فسانے سب یاد آ رہے ہیں



بے تاب ہے، بے خواب ہے، معلوم نہیں کیوں  
بے کیف مئے ناب ہے، معلوم نہیں کیوں  
ساقی نے جو بخشا تھا بصد لطف و باصرار  
بے نام سی اک یاد ہے، کیا جائیے کس کی  
دیکھا تھا، کبھی خواب سا، معلوم نہیں کیا  
خلوت میں بھی، جلوت میں بھی گھیرے ہوئے دل کو  
کل تک یہی دُنیا سب گل تھی، مگر آج!  
منہ تکتے ہیں، تدبیر کوئی کر نہیں سکتے  
محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہر تازہ تغیر  
جو ساز کہ خود نغمہ غریاں تھا، اسی کو  
دل آج بھی سینے میں دھڑکتا تو ہے، لیکن

اس پردہ رنگیں پہ نظر آتا ہے جو کچھ  
جیسے کہ یہ اک خواب ہے، معلوم نہیں کیوں



ہم ہوں اور آپ زیبِ محفل ہوں  
وہ سنیں میرے درد کی آواز  
رنگ! یہ بھی نہیں پسند کہ وہ  
ہر طرف آئینے مقابل ہوں  
وہ مجسم نزاکتِ دل ہوں  
اپنی صورت پہ آپ مائل ہوں

کیوں نکلیوں سے وہ ہمیں دیکھیں  
 ایک جانب برس رہے ہوں جمال  
 جتنے آساں ہوں عشق کے عقدے  
 پس منظر بھی سامنے ہے اگر!  
 دور کیوں جائیں آرزو لے کر  
 کیفِ احساسِ عشق ہی نہ رہے  
 زندگی جن کے ہر قدم پر نثار  
 اب تو پہلو کا یہ تقاضا ہے  
 نغمے ساکت ہوں بن کے رُوح، مگر  
 آپ ہی میرے جان و دل کی صدا  
 دیکھ لی ہم نے عشق کی تاثیر  
 زندگی تھے کبھی جو آہ، جگر!  
 اب وہی گھونٹ زہرِ قاتل ہوں

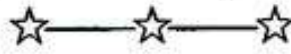


اوس پڑے بہار پر، آگ لگے کنار میں  
 لطف ہے کیا، ستم ہے کیا، عالمِ اعتبار میں  
 راحتِ جانِ عاشقان، کاہشِ انتظار میں  
 کون کرے یہ عرض جا کے حریمِ یار میں  
 اس پہ کرے خدا ہی رحم، گردشِ روزگار میں  
 عشق ہے کس قطار میں، حسن ہے کس شمار میں  
 اور تو کچھ کی نہیں آپ کے اقتدار میں  
 ہم کہیں جانے والے ہیں دامنِ عشق چھوڑ کر  
 قدرتِ کار ساز کی اُف! یہ ستم ظریفیاں  
 راحتِ بے خلش اگر مل بھی گئی تو کیا مزا  
 دورِ غمِ فراق کی اتنی تو یاد ہے، جگر!  
 اور بھی اک صدا سی تھی درد کی ہر پکار میں





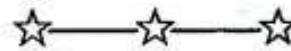
الہی ! ایک دعا ہے اگر قبول نہ ہو  
تجھے بھی شاق نہ ہو، شوق بھی ملول نہ ہو  
دعاے مرگ تو مانگی ہے آج گھبرا کر  
کمالِ عشق! یہ توفیق چاہتا ہوں میں!  
جسے ہم اپنی محبت کا زخم کہتے ہیں  
کسی کے خاطرِ نازک کا آگیا ہے خیال  
جو تیرے حجرِ میتر کا رازِ فاش کرے  
کوئی گناہ نہیں، شوق دید و ذوقِ نظر  
جو اینکہ فرصتِ نظارگی کو طول نہ ہو



ستم ہو، قہر ہو، آفت، بلا ہو  
کسی کے غم میں کوئی رو رہا ہو  
یہ سب کچھ ہو، مگر پھر دل رہا ہو  
کوئی پردے سے چھپ کر دیکھتا ہو  
بتاؤ، کیا تمہارے دل پہ گذرے  
اگر کوئی تمہیں سا بے وفا ہو

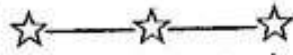


حسن کے ہاتھ میں گر عشق کی تلوار نہ ہو  
وصلِ شایاں نہ رہے، ہجرِ سزا وار نہ ہو  
میں بھی ہر حال کو اب ہجر بنا دوں تو سہی  
میں خطا وار، سیہ کار، گنہ گار، مگر  
مجھ کو سب کچھ دیا اک بت نے، مگر یہ کہہ کر  
میں چلوں عشق میں وہ راہ جو ہوسب سے الگ  
کوئی یوں ٹھوم کے سر دینے کو تیار نہ ہو  
میں کہیں کا نہ رہوں تو جو طرف دار نہ ہو  
میرا انکار ترے وصل کا انکار نہ ہو  
کس کو بخشے تری رحمت جو گنہ گار نہ ہو  
تجھ کو، اللہ کرے، کچھ بھی سزا وار نہ ہو!  
کچھ سجھائی بھی نہ دے، سطح بھی ہموار نہ ہو  
آتشِ شوق جو بھڑکی ہے، بھڑکتی ہی رہے  
مجھ کو اللہ کرے، تو بھی سزا وار نہ ہو



اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ  
تو صبحِ ازل، آئینہِ حسنِ ازل بھی  
ہاں کوئی نظر، رحمتِ سلطانِ مدینہ!  
اے صلِ علی صورتِ سلطانِ مدینہ!  
اے طلعتِ حق، طلعتِ سلطانِ مدینہ!  
داماںِ نظرِ تنگ و فراوانیِ جلوہ

اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق  
اس طرح کہ ہر سانس ہر مصروفِ عبادت  
اک تنگِ غمِ عشق بھی ہے منظرِ دید  
کونین کا غم، یادِ خدا، دردِ شفاعت  
اے عالمِ تکوین! ترے اسرارِ حقیقت  
ظاہر میں غریبِ الغرباء پھر بھی یہ عالم  
اس اُمتِ عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا!  
اے جانِ بلب آمدہ، ہشیار، خبردار  
کچھ ہم کو نہیں کامِ جگر! اور کسی سے  
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ!



میری نظروں میں ہے اک جانِ وفا کا نقشہ  
عشق میں فرقت و قربت ہیں برابر دونوں  
دل میں کچھ بھی نہیں اب کفرِ محبت کے سوا  
تُو نے دیکھا ہی نہیں تجھ سے کہوں کیا زاہد؟  
دل میتر ہو تو کیا سیرِ دو عالم کی ہوس  
دل میں جب درد اٹھا نور کا طوفاں بھی اٹھا  
آج جھکتی نظر آتی ہے جبینِ کونین  
کس نے دیکھا ہے اس اندازِ ادا کا نقشہ؟  
یہ قیامت کا سماں ہے، وہ بلا کا نقشہ  
جم گیا ایک بُتِ ہوش ربا کا نقشہ  
ہائے ان شوخ نگاہوں میں حیا کا نقشہ  
اسی نقشہ میں ہے گلِ ارض و سما کا نقشہ  
کھنچ گیا سامنے اک برقِ ادا کا نقشہ  
دیکھنا یار کے نقشِ کفِ پا کا نقشہ  
پاک رکھ، اشکِ ندامت سے بہر حال جگر  
دیکھنا ہے انہی آنکھوں سے خدا کا نقشہ



اُف! یہ تیغِ آزمائیاں توبہ! تیری نازک کلائیاں، توبہ!

۱۔ غریب بمعنی مفلس صحیح نہیں۔ لیکن زبان کے متعلق میرے نظریات دوسروں سے بڑی حد تک مختلف ہیں۔ (جگر)

۲۔ یہ سلسلِ غزل یا نظم میری حیاتِ معاشقہ کے ایک اہم اور بہت ہی درد انگیز واقعہ سے متعلق ہے۔ (جگر)



کیا کریں بندگانِ محبوبی! عشقی کی خدائیاں، توبہ!  
 منزلِ عشق، اے خدا کی پناہ! ہر قدم کربلائیاں، توبہ!  
 یادِ ایامِ شوق و عشق و جُوں! چرخ کی فتنہ زائیاں، توبہ!  
 لطفِ بے پناہی، معاذ اللہ! اُن کی سادہ ادائیاں، توبہ!  
 حُسن میں رقص کا سا اک عالم! شوق کی نئے نوائیاں، توبہ!  
 ہائے غمازیاں نگاہوں کی! اپنی بے دست و پائیاں، توبہ!  
 اُف! وہ احساسِ حُسن پہلے پہلے! یک بیک کج ادائیاں، توبہ!  
 اللہ اللہ! عشق کی وہ جھجک حُسن کی کہربائیاں، توبہ!  
 اُس کے دامن پہ دل کا جا پڑتا ہم سے یہ بے وفائیاں، توبہ!  
 غیظ سے ابروؤں پہ وہ شکنیں دل پہ زور آزمائیاں، توبہ!  
 آستینوں کا وہ چڑھا لینا گوری گوری کلائیوں، توبہ!  
 نظروں نظروں میں کاوشِ سرِ بزم دل ہی دل میں لڑائیاں، توبہ!  
 سوزِ غم کی شکایتیں، ہے ہے! دردِ دل کی دہائیاں، توبہ!  
 بر ملا سخت رنجشیں باہم غائبانہ صفائیاں، توبہ!  
 اپنے مطلب سے عشق کی چھڑیں ظاہری بے وفائیاں، توبہ!  
 حُسن و توہینِ عشق، ہائے غضب! اپنی وہ خودستائیاں، توبہ!  
 غیرتِ عشق، اے معاذ اللہ! ایک دم بے وفائیاں، توبہ!  
 شبنمِ آلودہ وہ حسیں آنکھیں رخ پہ اڑتی ہوائیاں، توبہ!  
 اس کی غمِ التفاتیاں، ہے ہے! اپنی بے اعتنائیاں، توبہ!  
 سرِ سودا کی شورشیں پیہم! ہر طرف جگ ہنسائیاں، توبہ!  
 رفتہ رفتہ وہ بے پناہ سکوت سب سے نا آشنائیاں، توبہ!  
 موت سے ہر نفس وہ راز و نیاز موت کی ہم نوائیاں، توبہ!  
 ناگہاں آمد آمدِ محبوب غم کی بے انتہائیاں، توبہ!  
 یک بیک آنکھ چار ہو جانا دیر تک رُونمائیاں، توبہ!

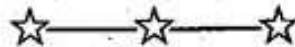
۱۔ بے دست و پا جس مفہوم میں مستعمل ہے، اس اعتبار پر میں نے اسے ایک لفظ سے تعبیر کیا ہے اور

اس بنا پر مہند بنالینا غلط نہیں سمجھتا۔ (جگر)

نظروں نظروں میں سرگذشتِ فراق  
 حسن کی لہر پھر سے دوڑا کر  
 دہائیاں، توبہ! دونوں جانب  
 اس کی معجز نمایاں، توبہ!  
 پھر وہی چشمِ مست و جامِ بدست  
 پھر وہی نغمہ زائیاں، توبہ!  
 پھر وہی لب، وہی تبسمِ ناز!  
 پھر وہی کج ادائیاں، توبہ!  
 پھر وہ اک بیخودی کے عالم میں  
 مل کے باہم جدائیاں، توبہ!



کچھ نہ زمان و مکاں، کچھ نہ سفید سیاہ  
 غنچہ و نسرین و گل، انجم و خورشید و ماہ  
 عشق نظر آفریں اور نظر معصیت  
 حاصل صد عرضِ عم، مایہ صد عرضِ شوق  
 کون تجھ کو پاسکے، کس کو ہے یہ دستگاہ  
 دور ازل تا ابد، یہ بھی کوئی سیر گاہ  
 اس کے سوا اور کیا پیش کشِ حسنِ دوست  
 قصہ ناز و نیاز، کیا کہیں ہوتا ہے ختم  
 تو ہے خودی ناشناس، تجھ کو خدا سے غرض  
 جانبِ ملکِ حبیب، پھر ہوں میں یوں گام زن  
 اپنے بھی سایہ سے چل بچ کے رہ دوست میں  
 اس کا وہیں تک گذر، جس کی جہاں تک سکت  
 چیر کے دیکھوں اگر سینہ مستی عشق  
 اے کہ تو ناواقفِ مصلحتِ حسن و عشق (قطعہ) اے کہ تو نا محرمِ سرِ ثواب و گناہ  
 میرا تخیل جگر! طائرِ جبریلِ فکر میرا تصور جگر! بلبلِ عنقا نگاہ  
 درسِ حقیقت سمجھ، حاصلِ فرصت سمجھ  
 فرضِ محبت سمجھ، معصیتِ گاہ گاہ

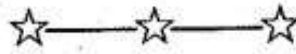


مذہبِ عشقِ کربول، مسلکِ عاشقی نہ دیکھ  
 تھہ کو خدا کا واسطہ، تو مری زندگی نہ دیکھ  
 شہرِ التجا تو بن، صورتِ ملتجی نہ دیکھ  
 جس کی سحر بھی شام ہو، اس کی سیہ شمی نہ دیکھ



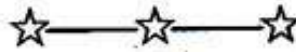
ہو کے نثارِ زندگی، حاصلِ زندگی نہ دیکھ  
 شمع کو جب بجھا چکا، شمع کی روشنی نہ دیکھ  
 رازِ شکستگی سمجھ، رنگِ شکستگی نہ دیکھ  
 پوچھ نہ روزِ محاسب! تھوڑی سی آج پی کے دیکھ  
 نالہ نیم شب نہ سن، آہ سحر گہی نہ دیکھ  
 نغمہ شوق گائے جا، حُسن کی برہمی نہ دیکھ  
 کام سے اپنے کام رکھ، بے خودی و خودی نہ دیکھ  
 حُسن پہ اپنے رحم کر، عشق کی سادگی نہ دیکھ  
 دل جسے چاہے دیکھنا، دیکھ، جگر؟ وہی نہ دیکھ

دل کو مٹا کے عشق میں، دل کی طرف کبھی نہ دیکھ  
 جان کو جب گھلا چکا، جان کی فکر ہی نہ کر  
 ناصح کم نگاہ سے کون یہ کہہ کے سر کھپائے  
 کس لئے جان دیتے ہیں رند شراب ناب پر  
 تجھ کو بھی اب قسم ہے یہ، تیرے ستم کا واسطہ  
 ہو کے رہے گا ہم نوا، وہ بھی ترے ہی ساتھ ساتھ  
 عشق ادا شناس حُسن، حُسن ادا شناس عشق  
 یہ بھی تری طرح کبھی رُخ سے نقاب الٹ نہ دے  
 قتنہ روز گار میں ہے یہی رازِ عافیت



جلوہ آفتاب بن، ذرہ میں روشنی نہ دیکھ  
 آگ دبی ہوئی نکال، آگ بجھی ہوئی نہ دیکھ  
 ایک جگہ ٹھہر نہ جا، غور سے تو کبھی نہ دیکھ  
 اُس کی خوشی خوشی سمجھ، اپنی خوشی خوشی نہ دیکھ!  
 ہاں مگر اس قدر کہ بس، ایک ہی رُخ کبھی نہ دیکھ  
 زہنتِ شوق کی قسم، فرصتِ زندگی نہ دیکھ  
 دیکھ کے ایک بار پھر بارِ دگر کبھی نہ دیکھ  
 عشق کا ہے یہ فیصلہ، آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھ  
 اپنے سوا کسی طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھ  
 ساز کی نغمگی ہی کیا، ساز کی نغمگی نہ دیکھ  
 رہرو منزلِ سلوک، اپنی طرف ابھی نہ دیکھ  
 اپنے کو زندگی بنا، جلوہ زندگی نہ دیکھ  
 دستِ کرم بڑھائے جا، غیر کی دشمنی نہ دیکھ

عشق فنا کا نام ہے، عشق میں زندگی نہ دیکھ  
 شوق کو رہنما بنا، جو ہو چکا، کبھی نہ دیکھ  
 جلوہ رنگ رنگ کی، دیکھ، ہما ہی نہ دیکھ  
 شوق کا مرثیہ نہ پڑھ، عشق کی بے بسی نہ دیکھ  
 یہ تو نہیں کہ آنکھ کو دعوتِ ماسوا نہ دے  
 دل کی لگی بڑھائے جا، تیز قدم اٹھائے جا  
 حُسنِ مجاز سے گذر، یعنی جو تجھ سے ہو سکے  
 حُسن کا ہے یہ مقتضی، دیکھ تو دیکھتا ہی رہ  
 تو ہی کمالِ عشق ہے، تو ہی کمالِ حُسن ہے  
 تو ہی تمام نغمہ ہے، تو ہی تمام نغمہ بن  
 پہلے جہانِ رنگ و بو، تا بہ کمال دیکھ جا  
 موت و حیات میں ہے صرف ایک قدم کا فاصلہ  
 ہے یہی عین دوستی، اپنی طرف سے، اے جگر!



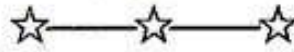
پاس رہتا ہے، دُور رہتا ہے  
 کب دل ناصُور رہتا ہے؟  
 اب تو چہرے پہ نُور رہتا ہے

دل میں اک رشکِ حُور رہتا ہے  
 میں تو رکھوں ہزار پہلو میں!  
 ہو گیا کیا مُریدِ نئے زاہد؟

پوچھنا ہے یہ اُن نگاہوں سے عشق کیوں ناصُور رہتا ہے؟  
 چشمِ ساقی کی خیر ہو، یا رب! بے پئے ہی سُرور رہتا ہے  
 عشق مرنے پہ بھی نہیں مٹتا یہ تعلقِ سُرور رہتا ہے  
 وہی آہیں، وہیں ہوں میں، لیکن  
 اب دُھواں دُور دُور رہتا ہے



سُن تو اے دل یہ برہمی کیا ہے؟ آج کچھ درد میں کمی کیا ہے؟  
 دیکھ لو! رنگِ رُوئے ناکامی! یہ نہ پوچھو، کہ لے کسی کیا ہے  
 اپنی ناکامی طلب کی قسم!! عین دریا ہے، نشگی کیا ہے  
 جسمِ محدود، رُوحِ لامحدود پھر یہ اک ربطِ باہمی کیا ہے  
 اے فلک! اب تجھے تو دکھلا دوں زورِ بازوئے بے کسی کیا ہے  
 ہم نہیں جانتے محبت میں! رنج کیا چیز ہے، خوشی کیا ہے  
 اک نفسِ خلد، اک نفسِ دوزخ  
 کوئی پوچھے یہ زندگی کیا ہے؟



اک شوقِ دید بے حد سب کچھ دکھا رہا ہے کوئی نہ آرہا ہے، کوئی نہ جا رہا ہے  
 غمِ عشق کے خزینے خوش خوش لُٹا رہا ہے اس ہاتھ کھورہا ہے، اُس ہاتھ پارہا ہے  
 آنکھیں بنی ہوئی ہیں میخانہِ تصوّر اک مست آرہا ہے، اک مست جا رہا ہے  
 ہم کو کیا اس سے مطلب، ناصح کو کیا شکایت میرا مٹانے والا مجھ کو مٹا رہا ہے  
 معراجِ شوق کہنے یا حاصلِ تصوّر جس سمت دیکھتا ہوں، تو مُسکرا رہا ہے  
 منت گزار ہوں میں، اے عشقِ ناشکیبا! دل تیرے نشتروں سے تسکین پارہا ہے  
 اُن کی وہ آمد آمد، اپنا یہاں یہ عالم اک رنگ آرہا ہے، اک رنگ جا رہا ہے  
 جب حُسن و عشق دونوں رویا کریں گے مجھ کو  
 وہ بھی جگرِ زمانہ نزدیک آ رہا ہے



اُسے حال و قال سے واسطہ، نہ غرضِ مقام و قیام سے  
 جسے کوئی نسبتِ خاص ہو، ترے حسنِ برقِ خرام سے



مجھے دے رہے ہیں تسلیاں، وہ ہر ایک تازہ پیام سے  
 کبھی آ کے منظرِ عام پر، کبھی ہٹ کے منظرِ عام سے  
 کہوں کیا؟ رہا جو مقابلہ، خطراتِ گام بہ گام سے  
 سرِ بامِ عشقِ تمام تک، رہ شوقِ نیم تمام سے  
 نہ غرض کسی سے، نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے  
 ترے ذکر سے، تری فکر سے تری یاد سے، ترے نام سے  
 مرے ساقیا، مرے ساقیا! تجھے مرحبا، تجھے مرحبا!  
 تُو پلائے جا، تُو پلائے جا، اسی چشمِ جام بہ جام سے  
 تری صبحِ عیش ہے کیا بلا؟ تجھے اے فلک! جو ہو حوصلا  
 کبھی کر لے آ کے مقابلہ، غمِ ہجر یار کی شام سے  
 مجھے یوں نہ خاک میں تُو ملا، میں اگرچہ ہوں ترا نقشِ پا  
 ترے جلوے جلوے کی ہے بقا، مرے شوقِ نامِ بنام سے  
 تری چشمِ مست کو کیا کہوں کہ نظرِ نظر ہے فسوں فسوں  
 یہ تمام ہوش، یہ سب جنوں، اسی ایک گردشِ جام سے  
 یہ کتابِ دل کی ہیں آیتیں، میں بتاؤں کیا جو ہیں نسبتیں  
 مرے سجدہ ہائے دوام کو، ترے نقشِ ہائے خرام سے  
 مجھے چاہیے وہی ساقیا! جو برس چلے، جو چھلک چلے  
 ترے حُسنِ شیشہ بدست سے، تری چشمِ بادہ بجام سے  
 جو اٹھا ہے درد، اٹھا کرے، کوئی خاک اس سے گلہ کرے  
 جسے ضد ہو حُسن کے ذکر سے، جسے چڑ ہو عشق کے نام سے  
 وہیں چشمِ خور پھڑک گئی، ابھی پی نہ تھی کہ بہک گئی  
 کبھی یک بیک جو چھلک گئی، کسی رندِ مست کے جام سے  
 تو ہزار عذر کرے، مگر ہمیں شک ہے اور ہی کچھ جگر!  
 ترے اضطرابِ نگاہ سے، تری احتیاطِ کلام سے



اب مرے سامنے ٹھہرے تو گلستاں کوئی  
 ہو چلا ہے مری صورت سے نمایاں کوئی  
 چھپ کے رہتا ہے کہیں رازِ گلستاں کوئی؟  
 غنچے غنچے کی زباں سے ہے گل افشاں کوئی

اب اسے وصل کہے یا غم ہجراں کوئی  
 اس طرح آج سے محسوسِ رگِ جاں کوئی  
 خیر ہے آپ نے کیوں غیظ میں تیور بدلے؟  
 کیا وہ نظروں کا مری حسنِ تلامح سمجھے  
 چشمِ دیوانگی شوق یہاں بھی نہ کھلی!  
 عشق بھی رنگِ تعین کا اٹھا دے پردہ  
 بے حقیقت نہ سمجھ ناصحِ ناداں ان کو  
 شوق نے توڑ دیئے وہ بھی جو باقی تھے قیود  
 اور کیا چاہتی ہے، بلبلِ شوریدہ مزاج؟  
 یک بیک سامنے آیا نہ کرو بے پردہ  
 غنچے اُس کے ہیں گل اس کے ہیں، بہدیں اُس کی  
 نگہ یار کے مخصوص اشاروں کے سوا  
 اللہ اللہ! مرے جوشِ جنوں کی لہریں  
 چاہیئے تیرے تصور سے بھی ایسے میں گریز

ہائے وہ حُسن کا انداز کہ جس وقت جگر

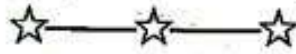
عشق کے بھیس میں ہوتا ہے نمایاں کوئی



نظر فروز رہے، سامعہ نواز رہے  
 کہاں جمالِ حقیقت؟ کدھر مجاز رہے؟  
 ہمیں وہ اب ہیں، بوکھوئے ہوئے سے پھرتے ہیں  
 الہی! اس دلِ راز آشنا کو کیا کہئے؟  
 نفس کے پردے میں بھی ہے اسی کا عکسِ جمال  
 کھلا یہ راز تری جلوہ گاہِ قربت میں  
 جبینِ سجدہ میں ایسی کبھی تڑپ تو نہ تھی  
 ترے سوا تری محفل سے کیا غرض مجھ کو  
 تری امانتِ غم کا تو حق ادا کر لوں  
 ترے بغیر تو جینا روا نہیں لیکن  
 زہے مجاز کہ وہ زینتِ مجاز رہے!  
 جو تیرے رخ پہ نہ حائلِ حجابِ ناز رہے  
 ہمیں وہ تھے کہ ترے رازدارِ راز رہے  
 جو اس طرح سے بھی نا آشنائے راز رہے  
 بہت نہ سوزِ محبت نفسِ گداز رہے  
 جو تجھ سے دُور رہے، آشنائے راز رہے  
 وہ آج خود بھی مگر شاملِ نماز رہے  
 خروشِ نغمہ رہے یا سکوتِ ساز رہے  
 خدا کرے، شبِ فرقت ابھی دراز رہے!  
 میں کیا کروں، جو ترا غم ہی جاں نواز رہے

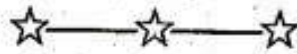


جراحتیں دل بسمل کی رُوح تک پہنیں دراز دستی قاتل، ابھی دراز رہے  
یہ حکم خاص ہے ساقی کا آج محفل میں  
جگر سا ایک بھی کافر نہ پاک باز رہے



کچھ اس طرح وہ پس پردہ مجاز رہے  
نہ کوئی راز رہا ہے، نہ کوئی راز رہے  
تری نگہ جو اسی طرح گرم ناز رہے  
خطا معاف، کسی اور کا تُو ذکر ہی کیا  
جنونِ سجدہ کو کیا اہل ہوش سے مطلب؟  
یہاں تو کام ہے اک نشترِ توجہ سے  
محبت اصل حقیقت، محبت اصل مجاز  
جبین و سجدہ کی توہین ہے جبیں سائی  
ترے ثار! عطا کر وہ اک لطیف خلش  
نگاہِ ناز سے چھلکا رہا ہے تے کوئی  
زمانہ آج ہی غرقِ شراب تھا، زاہد!  
دکھاؤں عشق کی خود داریاں جگر! میں بھی

جو ایک بات پہ قائم غرورِ ناز رہے



ملا کے آنکھ نہ محروم ناز رہنے دے  
میں اپنی جان تو قربان کر چکوں تجھ پر  
ترے ہی شیوہ عاشق کشی کی تجھ کو قسم  
ہٹا نہ سینہ عاشق سے رُخ کسی جانب  
گلے سے تیغ ادا کو جدا نہ کر قاتل!  
تیر ناز ہیں، تُو شوق سے چلائے جا  
قتیلِ غمزہ خوں ریز ہوں، قصور معاف!

تجھے قسم، جو مجھے پاک باز رہنے دے  
یہ چشمِ مست ابھی نیم باز رہنے دے  
اسی طرح مژہ ہائے دراز رہنے دے  
نگاہِ ناز کو نشترِ نواز رہنے دے  
ابھی یہ منظرِ راز و نیاز رہنے دے  
خیالی خاطرِ اہلِ نیاز رہنے دے  
اشارہ نگہ دل نواز رہنے دے

بجھا نہ آتشِ پنہاں کرم کے چھینٹوں سے  
دلِ جگر کو جسمِ گداز رہنے دے



مجھے ہلاک فریبِ مجاز رہنے دے  
یہ جان آج نکلتی ہے جس کے قدموں پر  
میں رازِ عشق کو بیگانہ جہاں رکھوں  
خدا نے دی ہے یہ نعمت تو رکھا سے بے عیب  
یہ بات کیا کہ حقیقت وہی، مجاز وہی  
یہ جان ایک بلا نوش کی ہے، اے ساقی!  
یہ خانقاہ نہیں، پی بھی جا، ارے زاہدا!  
ازل سے حسن تو عاشق نواز ہے لیکن  
اسے نہ آئینہ سمجھو، وہ اور ہی شے ہے  
لغا دے دولتِ کونین اور میرے لئے  
گذرتی ہے جو دلِ عشق پر، نہ پوچھ جگر  
یہ خاص رازِ محبت ہے، راز رہنے دے

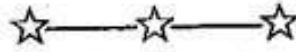


حال بھی، ماورائے حال بھی ہے  
پھر بھی تجھ سے ہزار شکوے ہیں  
کرتے جاتے ہیں صاف عذریہ کرم  
دل کے ہر اضطرابِ نازک میں  
ہر ستم ہے کرم کے پردے میں  
رہ گئے محوِ یک نظر ہو کر  
دور ہٹنا نہ منزلِ دل سے  
چھائے جاتے ہیں زورِ دل بن کر  
حسن کے ہر جمال میں پنہاں،  
دل کو برباد کر کے بیٹھا ہوں

عشق ممکن بھی ہے، محال بھی ہے  
جاننا ہوں، مرا خیال بھی ہے  
اور پھر پرسشِ ملال بھی ہے  
شانِ بیتابیِ جمال بھی ہے  
اس ستم کی کوئی مثال بھی ہے  
اس کے فرصتِ خیال بھی ہے  
وصل بھی ہے، یہیں وصال بھی ہے  
اس پہ تاکیدِ ضبطِ حال بھی ہے  
میری رعنائیِ خیال بھی ہے  
کچھ خوشی بھی ہے، کچھ ملال بھی ہے



لاکھ رسوا سہی جگر، لیکن  
خوش نظر بھی ہے، خوش خیال بھی ہے



کیا خاک سیر کیجئے دنیائے رنگ و بو کی  
یہ حدِ آخری ہے عاشق کی جستجو کی  
تم دل اسے سمجھ لو، یا جان آرزو کی  
اللہ شرم رکھ لے، تو میرے جنگِ بُو کی  
تو وہ بہارِ تازہ، دنیائے رنگ و بو کی  
طے منزلیں ہوئی ہیں یوں عشق و آرزو کی  
اب کیا جواب دُوں میں، کوئی مجھے بتائے  
یہ ترکِ جستجو بھی، کیا ترکِ جستجو ہے  
پھر دنوازیاء ہیں، پھر چارہ سازیاء ہیں  
ہاں نشترِ نوازش! اک اور بھی اشارہ  
مایوس ہو کے پلٹیں جب ہر طرف سے نظریں  
ناکام جستجو سب فریاد کر رہے ہیں  
وہ ایک گوشہٴ دل جس میں ہیں لاکھ شکوے  
آئے مرے مقابل جس کو ہو زعمِ تمکین  
عالم سے چھپنے والے! معلوم تیرا چھپنا  
پردہ جب اٹھ گیا ہے، دیکھا یہی ہے اکثر  
مجرم بنا ہوا ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں  
راتیں گزارتے ہیں یوں بیکسانِ فرقت  
دل خود بھی تنگ ہے اب، لیکن علاج اس کا  
عین شگستگی ہی حُسنِ شگستگی ہے

تُو خوب جانتا ہے، اور جان و دل کے مالک!

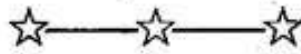
ہر حال میں جگر نے تیری ہی آرزو کی



بہک نہ جائے جو پی کر، وہ رند ہی کیا ہے؟  
 خبر نہیں کہ خودی کیا ہے، بیخودی کیا ہے؟  
 مری خوشی تو ہے سب کچھ، تری خوشی کیا ہے؟  
 کوئی بتائے، یہ اندازِ برہمی کیا ہے؟  
 یہ زندگی ہی سے سمجھ کہ زندگی کیا ہے؟  
 اُمید پر ہے بھروسہ، امید ہی کیا ہے؟  
 فقیر ہوں، مرے ساتی کے گھر کی کیا ہے؟  
 کسی طرح جو بہل جائے، زندگی کیا ہے؟

یہ مے کشی ہے تو پھر شانِ مے کشی کیا ہے؟  
 بس ایک سمت اڑا جا رہا ہوں وحشت میں  
 میں زہر مرگ گوارا کروں کہ نخی زیت  
 لبوں پر موجِ تہسم، نگہ میں برقِ غضب  
 کسے مجال کہ افشائے رازِ یار کرے  
 ستم کشانِ محبت سے کوئی پوچھے تو  
 کہاں کی خانقہ و مسجد و کنشت و بہشت  
 یہ درس میں نے لیا مکتبِ محبت سے

اسی کے واسطے مے بھی ہے، مے کشی بھی جگر  
 خبر نہیں جسے مے کیا ہے؟ مے کشی کیا ہے؟



ایسی نگاہ سے مجھ دیکھا نہ کیجئے  
 وعدہ تو کیجئے مگر ایفا نہ کیجئے  
 مر جائیے، یہ نگ گوارا نہ کیجئے  
 ممکن بھی ہو تو عرضِ تمنا نہ کیجئے  
 گہری نگاہ سے مجھے دیکھا تو کیجئے  
 تازہ کوئی فسوں تماشا نہ کیجئے  
 بے عیب ہے جو حسن، تو پروا نہ کیجئے  
 یا دیکھنے کی طرح سے دیکھا نہ کیجئے  
 ہشیار کر کے پھر مجھے دیوانہ کیجئے  
 کہتے نہ تھے کہ خونِ تمنا نہ کیجئے  
 اتنے قریب سے مجھے دیکھا نہ کیجئے  
 کیا کیجئے جو تیری تمنا نہ کیجئے؟  
 پردے کا ہے خیال تو پروا نہ کیجئے

شائستہ غرورِ تمنا نہ کیجئے  
 تسکینِ مضرب کا مداوا نہ کیجئے  
 محدود وصلِ شوق کی دنیا نہ کیجئے  
 رعنائیِ خیال کو رسوا نہ کیجئے  
 کیا جانئے، کب آہ کی تاثیر جاگ اٹھے!  
 کافی ہے اک نگاہِ کرم التجا کے بعد  
 موسیٰ کی طرح کون سے لن ترانیاں؟  
 یا دیکھ کر نہ دیکھئے کچھ ماسوائے دوست  
 دیوانہ کر کے دیجئے پھر مجھ کو اذنِ ہوش  
 ماتم گسار کون ہے اب دل کی لاش پر؟  
 تاثیرِ شوق و یاس کا پردا اُلٹ نہ دے  
 ہر جلوہ ہے بجائے خود اک دعوتِ نگاہ  
 یوں چشمِ شوق دیکھ ہی لیتی ہے کچھ نہ کچھ

تفسیرِ حسن و عشق، جگر! مصلحت نہیں

افشائے رازِ قطرہ و دریا نہ کیجئے!





ہجوم رنگ و بو ہے، جس و نغمہ ہے، جوانی ہے  
 نظر کو دل سے اور دل کو نظر سے بدگمانی ہے  
 یہی نقشہ، یہی انداز، ایسی ہی جوانی ہے  
 کئی دن سے بہت براہم مزاج ناتوانی ہے  
 بہت مدت ہوئی، خاموش سازین ترانی ہے  
 سکوت شب کا ساٹا ہے اور دل کی کہانی ہے  
 ترے ہر درد میں پنہاں نشاطِ جاودانی ہے  
 یہ ملنا جو بھی ہے تیرے سوا، اے دوست! فانی ہے  
 محبت ہی بجائے خود زبانِ بے زبانی ہے  
 بہت مجھ کو عزیز اس دن سے اپنی زندگانی ہے  
 وہ نازک طبع مہماں ہے، جنوں کی مہمانی ہے  
 خدا بخشے! دلِ مرحوم کی زندہ نشانی ہے  
 پیامِ دردِ دل ہے اور آنکھوں کی زبانی ہے  
 ترے جو مسلسل کی قسم، او پوچھنے والے!  
 جگر کے حال پر تیرا کرم ہے، مہربانی ہے



اسے بھی اپنی طرح عالم آشنا کرتے  
 فنا کی چیز جو ہوتی، تو ہم فنا کرتے  
 پھر اپنی شرحِ محبت جدا جدا کرتے  
 ہم التجا جو نہ کرتے، وہ التجا کرتے  
 یہ بہ رہے ہیں جو آنسو، یونہی بہا کرتے  
 وگرنہ دل وہ کسی کا پسند کیا کرتے  
 دہن کو سی بھی جو لیتے، نظر کو کیا کرتے  
 کبھی ادا ہی نہ ہوتی، اگر قضا کرتے  
 محبتوں کے خزانے لٹا دیا کرتے  
 تمہارے سامنے ہم بے نقاب کیا کرتے؟  
 جب آتے سامنے، اپنا ہی سامنا کرتے

محبت میں جدھر دیکھو، بہارِ جاودانی ہے  
 جنونِ عشق میں حاصل یہ لطفِ زندگانی ہے  
 ترے سر کی قسم، تجھ سا ہی اک محبوبِ ثانی ہے  
 خدایا، خیر کرنا، نبضِ بیمارِ محبت کی  
 کسی کو آج مجبورِ ترنم کر بھی دے، اے دل!  
 الہی! بھیج دے ایسے میں اس جانِ تمنا کو  
 تجھے اے عشقِ سینے سے لگاؤں دیدہ و دل سے  
 یہ بتلا اور کچھ تیرے سوا کونین میں بھی ہے  
 نہ کر آلودہ لفظ و بیاں شرحِ محبت کو  
 ترے حسنِ حیاتِ افروز کو دیکھا ہے جس دن سے  
 الہی، شرم تیرے ہاتھ ہے آدابِ محفل کی!  
 لئے پھرنا ہوں اک تصویرِ حسرتِ اپنی آنکھوں میں  
 انہیں آنسو سمجھ کر یوں نہ مٹی میں ملا، ظالم!  
 ترے جو مسلسل کی قسم، او پوچھنے والے!  
 جگر کے حال پر تیرا کرم ہے، مہربانی ہے

جنونِ عشق کا اتنا تو حق ادا کرتے  
 حیاتِ درد سہی، پھر بھی آہ کیا کرتے!  
 تمام منظرِ ہستی کو ایک جا کرتے  
 محبت اصلِ حقیقت ہے، اس کو کیا کرتے؟  
 وہ ہنس رہے ہیں مرے حال پر، ہنسا کرتے  
 نہ تھا پسند کہ محرومِ التجا کرتے  
 یہ کیا مجال کہ ہم ترکِ التجا کرتے  
 نمازِ عشق یہاں ہے نفسِ نفسِ جاری  
 یقین کرو کہ تمہاری جگہ جو ہم ہوتے  
 دل ایک شہدِ معنی سہی، مگر پھر بھی  
 حجاب نے انہیں رکھا حجاب میں، ورنہ

وہ عرضِ شوق پر، اے کاش! اور کچھ نہ سہی نگاہِ نیچی کئے مُسکرا دیا کرتے  
 نہ انتہا ہے، نہ کچھ ابتدا محبت کی جو انتہا کوئی ہوتی تو ابتدا کرتے  
 نہیں جو وصلِ میتر، نصیبِ ہجر تو ہے  
 ہم اتنے فرق کا اُن سے ملال کیا کرتے



عشق کی حد سے نکلتے، پھر یہ منظر دیکھتے  
 غنچہ و گل دیکھتے، یا ماہ و اختر دیکھتے  
 دُور جا کر دیکھتے، نزدیک آ کر دیکھتے  
 فطرتِ مجبور پر قابو ہی کچھ چلتا نہیں  
 پھر وہی حسرت ہے ساقی پھر اسی انداز سے  
 میرے چُپ رہنے پہ کیا وہ باز رہتے، چھیڑ سے  
 عشق سرتا پا نظر، نازک مزاجِ حُسنِ دوست  
 مل گئیں نظروں سے نظریں، اور مل کر رہ گئیں  
 تشنگانِ دیدِ جلوہ میں ہمیں سمجھا ہے کیا؟  
 مرثا اک بات پر کس آن سے، کس شان سے  
 زہدِ مسجد نشیں ہے اور اک ٹوٹا سا ظرف  
 وائے محرومی قسمت! رہ گئی حسرت یہی  
 ہائے وہ چہرہ اور اس میں وہ تڑپتی بجلیاں  
 دمِ نچوڑ ہیں حضرتِ زاہد یہیں تک دیکھ کر

کاش! حُسنِ یار کو، ہم حُسنِ بن کر دیکھتے  
 تم نظر آتے ہمیں، ہم کوئی منظر دیکھتے  
 ہم سے ہو سکتا تو ہم ان کو برابر دیکھتے  
 ورنہ ہم تو تجھ سے بھی تجھ کو چہا کر دیکھتے  
 پھر سوا ساغر کے سب کچھ غرقِ ساغر دیکھتے  
 مُسکرا کر دیکھتے، پھر مُسکرا کر دیکھتے  
 دیکھتے بھی ہم اگر اس کو تو کیونکر دیکھتے؟  
 چشمِ ساقی دیکھ کر کیا جام و ساغر دیکھتے؟  
 تم اگر صورت دکھاتے، جان دے کر دیکھتے؟  
 آپ اگر ایسے میں ہوتے، دل کے تیور دیکھتے  
 میکدے میں اہتمامِ جام و ساغر دیکھتے  
 ایک دن تو ہم انہیں اپنے میں آ کر دیکھتے  
 کاش اک دن پھر اسے گستاخِ بن کر دیکھتے  
 ہوش اُڑ جاتے، اگر شیشے سے باہر دیکھتے

یا مذاقِ دید کی تہمت نہ لیتے، اے جگر!  
 یا مجسمِ دل، سراپا آنکھ بن کر دیکھتے!



کیا برابر کا محبت میں اثر ہوتا ہے؟  
 ہم نے کیا کچھ نہ کیا، دیدہ و دل کی خاطر؟  
 دل تو یوں دل سے ملایا کہ نہ رکھا میرا  
 میں گنہگار جنوں، میں نے یہ مانا، لیکن  
 تو نے دیکھا ہی نہیں، تجھ سے کہوں کیا نا صح  
 دل ادھر ہوتا ہے ظالم نہ ادھر ہوتا ہے  
 لوگ کہتے ہیں دُعاؤں میں اثر ہوتا ہے  
 اب نظر کے لئے کیا حکمِ نظر ہوتا ہے؟  
 کچھ ادھر سے بھی تقاضائے نظر ہوتا ہے  
 وہ جو مخصوص اک اندازِ نظر ہوتا ہے



کون دیکھے اسے بیتابِ محبت، اے دل!  
تو وہ نالے ہی نہ کر، جن میں اثر ہوتا ہے



ستم ایجاد کرتے ہو، کرم ایجاد ہوتا ہے  
”ہم اس کے ہیں جو ہم پر ہر طرح برباد ہوتا ہے“  
بتاؤں کیا، جو میرا عالم فریاد ہوتا ہے  
کہ نظریں قید ہوتی ہیں تو دل آزاد ہوتا ہے  
ادھر آباد ہوتا ہے، ادھر برباد ہوتا ہے  
کبھی پہلے بھی دیکھا تھا کچھ ایسا یاد ہوتا ہے  
جو خود آزاد، جس کا ہر نفس آزاد ہوتا ہے  
زبانِ حُسن سے ایسا بھی کچھ ارشاد ہوتا ہے  
کوئی اپنی خوشی سے خانماں برباد ہوتا ہے؟  
مگر وہ شرمِ آزادی سے بھی آزاد ہوتا ہے  
کہ جیسے اب لبِ نازک سے کچھ ارشاد ہوتا ہے

خوشا بیداد! خونِ حسرت بیداد ہوتا ہے  
بظاہر کچھ نہیں کہتے مگر ارشاد ہوتا ہے  
مرے ناشاد رہنے پر وہ جب ناشاد ہوتا ہے  
یہی ہے رازِ آزادی، جہاں تک یاد ہوتا ہے  
دلِ عاشق بھی کیا مجموعہ اضداد ہوتا ہے  
وہ ہر اک واقعہ جو صورتِ افتاد ہوتا ہے  
بڑی مشکل سے پیدا، اک وہ آدم زاد ہوتا ہے  
نگاہیں کیا کہ پہروں دل بھی واقف ہو نہیں سکتا  
تمہیں ہو طعنہ زن مجھ پر تمہیں انصاف سے کہدو  
یہ مانا تنگِ پابندی سے کیا آزاد کو مطلب؟  
تصور میں ہے کچھ ایسا تری تصویر کا عالم

کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی!

سناتا جا رہا ہے، جس کو جتنا یاد ہوتا ہے



اب تو جو مہرباں ہے، دل مہرباں نہیں ہے  
شاید مرے دہن میں میری زباں نہیں ہے  
دُنیا مری نظر میں اب تک جواں نہیں ہے  
یعنی جہاں ابھی تھی، دُنیا وہاں نہیں ہے  
ظاہر میں دیکھئے تو کوئی نشان نہیں ہے  
کہتے ہیں عشق جس کو میری زباں نہیں ہے  
عینِ مشاہدہ ہے، وہم و گماں نہیں ہے

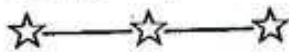
یوں بھی نیچے۔ تو حاصل آرامِ جاں نہیں ہے  
جو داستاں ہے اپنی، افسانہ ہے کسی کا  
ہاں اے جمالِ جاناں! اک اور بھی تجلی  
ہر لحظہ کہہ رہا ہے، یہ انقلابِ فطرت  
دل کی جراحوں کو کچھ دل ہی جانتا ہے  
شاید تری نظر سے کچھ رازِ دل سمجھ لوں  
جو کچھ میں دیکھتا ہوں، میری نظر سے دیکھو

تیرے کرم کے صدقے، کر لے ستم بھی شامل  
دل شادماں ہے لیکن غم شادماں نہیں ہے



دل ترے عشق میں ناشاد بھی ہے، شاد بھی ہے  
اب بھی کیا دل کو نہ سمجھو گے سزا وار سزا  
تم میری آنکھ سے دیکھو تو یہ دُنیا ئے جمال  
ہر وہ ناچیز سا ذرہ جسے تم دیکھتے ہو  
تم جو ایسے میں چلے آؤ تو رولوں دم بھر  
یہی نغمہ، یہی فریاد، یہی یاد بھی ہے  
مجرم شوق بھی ہے ملزم فریاد بھی ہے  
ہائے کیا چیز مرا عشق خدا داد بھی ہے!  
اُس کو سن لو تو یہ نغمہ بھی ہے، فریاد بھی ہے  
صبح کا وقت بھی ہے، خاطرِ ناشاد بھی ہے

اب کہاں، آہ، مجھے فرصتِ یک لمحہ جگر؟  
سینہ عشق بھی ہے، نشترِ فریاد بھی ہے



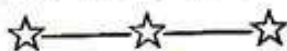
وہ کون ہے ایسا کہ تری شکل دکھا دے  
ہاں، جذبِ غمِ عشق کی تاثیر دکھا دے  
تو چاہے تو اے جلوہٴ اعجازِ محبت  
تو حُسن ہے، میں عشق ہوں، تو جاں ہے، میں جسم  
اے جانِ دو عالم! ترے عالم کے تصدق  
احسان ہے اس کا جو مجھے مجھ سے ملا دے  
مجبور نہ بن حُسن کو مجبور بنا دے  
تصویر کو تصویر کا دیوانہ بنا دے  
کس کی ہے یہ طاقت کہ مجھے تجھ سے چھڑا دے؟  
اپنا جو بنایا ہے، تو اپنا سا بنا دے

جنت میں بھی ایسا تو نہ ہو گا گلِ خنداں  
اے زخمِ جگر! نیتِ قاتل کو دُعا دے



کیوں دُور ہٹ کے جائیں ہم دل کی سرزمین سے  
یہ راز سن رہے ہیں اک موجِ تہ نشیں سے  
خونِ وفائے بسمل، جرمِ نگاہِ قاتل  
اس چشمِ خشک سے تم چھیڑیں تو کر رہے ہو  
انکار اور اس پر اصرار، وہ بھی پیہم  
اب کیا بتاؤں کیا کیا عالم گزر رہے ہیں!  
دُفوں جہاں کی سیریں حاصل ہیں سب یہیں سے  
ڈوبے ہیں ہم جہاں پر، ابھریں گے پھر وہیں سے  
ظاہر تو ہر جگہ ہے، ثابت نہیں کہیں ہے  
تڑپے نہ موجِ کوئی دریائے آستیں سے  
تم مجھ کو چاہتے ہو، ثابت ہوا یہیں سے  
میرے دلِ حزیں پر، میرے دلِ حزیں سے

یوں آج مل رہا ہے جانِ جگر سے کوئی!  
جس طرح مل رہا ہو کوئی حسین، حسین سے

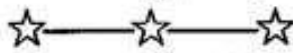


اے حُسنِ یارِ شرم، یہ کیا انقلاب ہے  
جب تک شبابِ عشقِ مکمل شباب ہے  
تجھ سے زیادہ دردِ ترا کامیاب ہے  
پانی بھی ہے شراب، ہوا بھی شراب ہے



وہ حسنِ قہر ہے، وہ محبتِ عذاب ہے  
 اس کا بس ایک جوشِ محبتِ جواب ہے  
 تیری نوازشیں، کہ زمانہ خراب ہے  
 مانا کہ چشمِ شوق بہت بے حجاب ہے  
 میرا جواب ہے، نہ تمہارا جواب ہے  
 جس تشنہ لب کے ہاتھ میں جامِ شراب ہے  
 جو یہ نہ سن سکے کہ زمانہ خراب ہے  
 ظالم!! شراب ہے، ارے ظالم!! شراب ہے  
 جو ذرہ جس جگہ ہے، وہیں آفتاب ہے  
 دل مانتا نہیں کہ نظر کامیاب ہے  
 پھر بھی ترا شباب، ترا ہی شباب ہے  
 اب ہر خطائے شوق اسی کا جواب ہے  
 میری نظر سے اس کی نظر کامیاب ہے  
 میں ہوں، خیالِ یار ہے، چشمِ پر آب ہے

سرمایہ فراقِ جگر! آہ کچھ نہ پوچھ  
 اک جان ہے سواپنے لئے خود عذاب ہے



جس حال میں ہوں، اب مجھے افسوس نہیں ہے  
 سجدہ وہی سجدہ ہے کہ جو تنگِ جنیں ہے  
 وہ دل بھی حسین، اس کی محبت بھی حسین ہے  
 لیکن میں کیا کروں، مجھے فرصت ہی نہیں ہے  
 اور اس پہ یہ پردہ ہے کہ پردہ ہی نہیں ہے  
 پوچھو تو کہیں بھی نہیں، دیکھو تو یہیں ہے  
 عاشق وہی عاشق ہے، جو مجبور نہیں ہے  
 تو دیکھ لے، جو چیز جہاں پر تھی، وہیں ہے  
 ہر سانس کے ساتھ آج اک آوازِ حزیں ہے  
 آوازِ جہاں دو اُسے، وہ شوخ وہیں ہے

جو خود نہ زندگی ہو نہ پیغامِ زندگی!  
 عاشق کی بے دلی کی تغافل نہیں جواب  
 تیری عنایتیں کہ نہیں نذرِ جاں قبول  
 اے حسن! اپنی حوصلہ افزائیاں تو دیکھ  
 میں عشقِ بے پناہ ہوں، تم حسنِ بے پناہ  
 میخانہ ہے اسی کا، یہ دُنیا اسی کی ہے  
 اُس سے دلِ تباہ کی رُو داد کیا کہوں؟  
 اُنے محسب! نہ پھینک، مرے محسب! نہ پھینک  
 اپنے حذو سے نہ بڑھے کوئی عشق میں  
 وہ لاکھ سامنے ہوں مگر اس کا کیا علاج؟  
 میری نگاہِ شوق بھی کچھ نہیں، مگر  
 مانوسِ اعتبارِ کرم کیوں کیا مجھے؟  
 میں اس کا آئینہ ہوں، وہ ہے میرا آئینہ  
 تنہائیِ فراق کے قربان جائے

سختا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے  
 زاہد مگر اس رمز سے آگاہ نہیں ہے  
 جس دل میں تری یاد ہے، تو صدر نشین ہے  
 وہ آئے ہیں، اسے دل! ترے کہنے کا یقین ہے  
 جس رنگ میں دیکھو اسے، وہ پردہ نشین ہے  
 ہر ایک مکان میں کوئی اس طرح مکیں ہے  
 نزدیک ہو یا دُور، جہاں تم ہو وہیں ہے  
 یہ دل ہے ترا دل، مجھے کیا تابِ تصرف  
 میری ہی طرح وہ بھی نہ ہو ہجر میں بیتاب  
 اس طرح نہ ہو گا کوئی عاشق بھی تو پابند

مجھ سے کوئی پوچھے ترے ملنے کی ادائیں  
کیا ذوق ہے، کیا شوق ہے، کیا ربط ہے، کیا ضبط  
ہر لحظہ نیا جلوہ، نئی آن، نئی شان  
میں بے اثر جذبِ محبت سہی، لیکن  
میں اور ترے جگر جفا کار کے صدقے  
معلوم ہیں اس سحر نگاری کے کرشمے!  
اس بزمِ حقیقت کی حقیقت میں کہوں کیا؟  
دُنیا تو یہ کہتی ہے کہ ممکن ہی نہیں ہے  
سجدہ ہے جبیں میں، کبھی سجدہ میں جبیں ہے  
میری نگہِ شوق بھی، کیا شوخ حسین ہے!  
کیا کم ہے، وہ میرے لئے بیتاب نہیں ہے  
اس بات پہ جیتا ہوں کہ مرنے کا یقین ہے  
دنیا میرے نزدیک جو ہے بھی، تو نہیں ہے  
نغموں کا تظام تو ہے، آواز نہیں ہے  
کس کس سے ترے عشق میں دامن کو چھڑاؤں؟  
کونین ہے اور ایک مری جانِ حزیں ہے



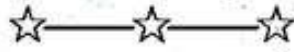
تڑپ کر انہیں تڑپا رہا ہے  
عجب عالم سا دل پر چھا رہا ہے  
یہ کیا دل پہ عالم چھا رہا ہے  
نگاہوں سے نگاہیں لڑ رہی ہیں  
پیامِ شوق کا اب پوچھنا کیا!  
وہ زلفیں دوش پر بکھری ہوئی ہیں  
گلے مل کر وہ رخصت ہو رہے ہیں  
وہ کچھ دل کو مرے سمجھا رہے ہیں  
وہ خود تسکینِ خاطر کر رہے ہیں  
ازل ہی سے چمن بندِ محبت (قطعہ) یہی نیرنگیاں دکھلا رہا ہے  
کلی کوئی جہاں پر کھل رہی ہے  
قیامت پہ قیامت ڈھا رہا ہے  
حسین جیسے کوئی شرما رہا ہے  
کہ تجھ سے مل کے بھی گھبرا رہا ہے  
مزے دردِ محبت پا رہا ہے  
برابر آ رہا ہے، جا رہا ہے  
جہانِ آرزو، ٹھہرا رہا ہے  
محبت کا زمانہ آ رہا ہے  
کچھ اُن کو دل مرا سمجھا رہا ہے  
مگر دل ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے  
یہی نیرنگیاں دکھلا رہا ہے  
وہیں اک پھول بھی مرجھا رہا ہے



طبیعت ہے کہ ٹھہری جا رہی ہے  
مری زودادِ غم وہ سن رہے ہیں  
سنجھل بیٹھیں حریفانِ شہادت  
غمِ دل کو خدا آباد رکھے!  
ملا ہے آج اذنِ باریابی!!  
زمانہ ہے کہ گورا جا رہا ہے  
تبسم سا لبوں پر آ رہا ہے  
زباں پر نامِ قاتل آ رہا ہے  
نشاطِ سردی برسا رہا ہے  
ہر اک پردہ اٹھایا جا رہا ہے



جگر ہی کا نہ ہوا فسانہ کوئی  
در و دیوار کو حال آ رہا ہے

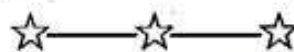


دل کو جب دل سے راہ ہوتی ہے آہ ہوتی ہے، واہ ہوتی ہے  
جو بجائے خود، آہ ہوتی ہے ہائے وہ کیا نگاہ ہوتی ہے  
میرے غم خانہ مصیبت کی چاندنی بھی سیاہ ہوتی ہے  
اک نظر دل کی سمت دیکھ تو لو کیسی دُنیا تباہ ہوتی ہے  
حُسنِ جاناں کی منزلوں کو نہ پُوچھ ہر نفس ایک راہ ہوتی ہے  
کیا خبر تھی کہ عشق کے ہاتھوں (قطعہ) ایسی حالت تباہ ہوتی ہے  
سانس لیتا ہوں، دم اُلجھتا ہے بات کرتا ہوں، آہ ہوتی ہے



جو اُلٹ دیتی ہے صفیں کی صفیں اک شکستہ سی آہ ہوتی ہے  
یوں نہ پردہ کرو خُدا کے لئے دیکھو دُنیا تباہ ہوتی ہے  
وقفہ ہوشِ عشق، آہ، نہ پُوچھ! فرصت یک نگاہ ہوتی ہے  
آہ پیہم تہا مدارِ حیات وہ بھی اب گاہ گاہ ہوتی ہے  
وہ بھی ہے اک مقامِ عشق جہاں ہر تمنا گناہ ہوتی ہے  
وہ سرہانے کھڑے ہیں اور یہاں رخصتِ اشک و آہ ہوتی ہے  
حاصلِ حسن و عشق اسے سمجھو وہ جو پہلی نگاہ ہوتی ہے  
ایک ایسا بھی وقت ہوتا ہے مُسکراہٹ بھی آہ ہوتی ہے  
ہم سے پوچھو، تو عشق کی بھی نگاہ سخت کافر نگاہ ہوتی ہے  
حسن کو بھی جو رنگ دیتی ہے ایک سادہ نگاہ ہوتی ہے

درد بے وجہ کو نہ چھیڑ جگر!  
یہ خوشی گاہ گاہ ہوتی ہے



خار کو گل اور گل کو خار جو چاہے کرے  
مست، بیخود، عاقل و ہشیار، جو چاہے کرے  
اس نے یہ کہہ کر دیا دل کو فریبِ جستجو  
تھا ابھی جلوہ، ابھی پردہ، ابھی کچھ بھی نہیں  
تُو نے جو چاہا کیا، اے یار! جو چاہے کرے  
شونخی طرزِ تپاک یار، جو چاہے کرے  
حشر تک اب عاشقِ ناچار جو چاہے کرے  
آپ کی یہ حسرتِ دیدار جو چاہے کرے

ہر حقیقت حُسن کی ہے، بے نیاز اعتراف  
اب کوئی اقرار یا انکار، جو چاہے کرے



عشق کی چوٹ چل ہی جاتی ہے      آہ دل سے نکل ہی جاتی ہے  
خوب روئے فراق میں اے دل      کچھ طبیعت سنبھل ہی جاتی ہے  
فطرتِ عشق لاکھ پتھر ہو      اک نہ اک دن پکھل ہی جاتی ہے  
موجِ خوں ہو کر موجِ بادۂ ناب      جوش کھا کر اچھل ہی جاتی ہے  
ہم سے ایسی چلی، کہ بس توبہ!  
ورنہ آپس میں چل ہی جاتی ہے



کیا بتائیں عشقِ ظالم کیا قیامت ڈھائے ہے      یہ سمجھ لو، جیسے دل سینے سے نکلا جائے ہے  
جب نہیں تم تو تصور بھی تمہارا کیا ضرور؟      اس سے بھی کہہ دو کہ یہ تکلیف کیوں فرمائے ہے  
ہائے، وہ عالم نہ پوچھو اضطرابِ عشق کا      یک بیک جس وقت کچھ کچھ ہوش سا آجائے ہے  
کس طرف جاؤں؟ کدھر دیکھوں، کسے آواز دوں؟  
اے ہجومِ نامرادی! جی بہت گھبرائے ہے



گن کہتے ہیں جلوں کی یہ کثرت نظر آئی      اللہ کو اللہ کی صورت نظر آئی  
جب دل پہ نظر کی، تری صورت نظر آئی      آغوشِ محبت میں محبت نظر آئی  
ہو گا تری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ  
مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی



ہر اک سے بیگانہ بن رہے ہیں، کسی کی جانب نظر نہیں ہے  
خبر وہ رکھتے ہیں اس طرح سے کہ جیسے کوئی خبر نہیں ہے  
فراق بھی ہے، وصال بھی ہے، ہر ایک لمحہ، ہر ایک ساعت  
فراق کیا ہے، وصال کیا ہے؟ جو کوئی پوچھے، خبر نہیں ہے  
تجھے نہیں مجھ سے رابطہ اصلاً، یہ میں نے مانا، مگر یہ بتلا  
مرے تصور میں کیوں ہے ایسا، تری توجہ اگر نہیں ہے



مری یہ ہستی، مری یہ طاقت، کہ تیر دل دوزِ عشق روکوں  
 مری طرف سے یہ کون ہے پھر، جو خود وہ سینہ سپر نہیں ہے  
 شبابِ میکش، جمالِ میکش، خیالِ میکش، نگاہِ میکش!  
 خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی؟ انہیں خود اپنی خبر نہیں ہے



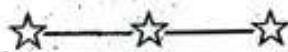
نظر سے حُسنِ دو عالم گرا دیا تُو نے  
 کمالِ حُسن کا عالم دکھا دیا تُو نے  
 جوابِ حُسنِ طلب اور کیا دیا تُو نے؟  
 فنائے عشق کو رنگِ بقا دیا تُو نے  
 ہزار جانِ گرامی فدا بایں نسبت!  
 یہ کیا کیا، کہ عطا کر کے عشقِ لامحدود  
 جمالِ حُسن کی ہلکی سی لہر دوڑا کر!!  
 ہزار دل کو مٹا کر، دیا مجھے اک درد  
 خوشا وہ دردِ محبت، زہے وہ دل کہ جسے!

ہر ایک دل کو عطا کر کے مدعائے حیات  
 جگر کو اک دل بے مدعا دیا تُو نے



شوقِ گستاخ کا چہرے پر اثر دیکھ نہ لے  
 اب تو خلوت میں بھی اٹھتی نہیں چہرے سے نقب  
 ڈر رہا ہوں کہ وہ سفاک ادھر دیکھ نہ لے  
 ڈر یہ ہے کوئی پس پردہ در دیکھ نہ لے  
 عاشقوں کی نگہِ شوق کہیں تھکتی ہے!  
 دیکھتے ہی رہیں اس کو وہ اگر دیکھ نہ لے  
 اب نظرِ خاک اٹھے، عزمِ نظر کے ہمراہ  
 دل دھڑکتا ہے کہ وہ شوخ ادھر دیکھ نہ لے

میں تو اس چھپنے کے صدقے کہ یہ پُپ ضد ہے نہیں  
 حُسن کو عشق کی صورت میں جگر دیکھ نہ لے



دل کو اشکوں سے جو خالی کوئی کر دیتا ہے  
 مست ہو جاتا ہے، بیخود مجھے کر دیتا ہے  
 ساقیِ غیب پھر اس جام کو بھر دیتا ہے  
 درد اٹھ کر تری آمد کی خبر دیتا ہے  
 آج پھر خونِ ہر اک زخمِ جگر دیتا ہے  
 ٹونے ٹانگے جو دئے تھے، وہ مگر ٹوٹ گئے

دیکھ سکتا نہیں، ساقی مری محرومی کو  
جام خالی نہیں ہوتا ہے کہ بھر دیتا ہے



وہ کافر آشنا، نا آشنا، یوں بھی ہے، اور یوں بھی  
تعب کیا؟ اگر رسم و فایوں بھی ہے، اور یوں بھی  
کہیں ذرہ، کہیں صحرا، کہیں قطرہ، کہیں دریا  
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں، ایک مقصد میری ہستی کا  
ہم ان سے کیا کہیں؟ وہ جانیں، ان کی مصلحت جانے  
نہ پالینا ترا آساں خ نہ کھو دینا ترا ممکن  
لگا دے آگ، اور برقی تجلی! دیکھتی کیا ہے؟  
الہی! کس طرح عقل و جنوں کو ایک جا کر لوں؟  
مجازی! سے جگر کہہ دو! ارے او عقل کے دشمن



ترے جمال حقیقت کی تاب ہی نہ ہوئی  
تری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی  
کہاں وہ شوخ، ملاقات خود سے بھی ہوئی  
وہ ہم ہیں اہل محبت کہ جان سے، دل سے  
ٹھہر ٹھہر، دل بیتاب، پیار تو کر لوں  
میرے خیال سے بھی آہ! مجھ کو بعد رہا  
ہم اپنی رندی و طاعت پہ خاک ناز کریں!  
کوئی بڑھے نہ بڑھے ہم تو جان دیتے ہیں  
تمام حرف و حکایت، تمام دیدہ و دل  
فردہ خاطرئی عشق، اے معاذ اللہ!  
تری نگاہ کرم کو بھی آزما دیکھا  
کسی کی مست نگاہی نے ہاتھ تھام لیا

ہزار بار نگہ کی، مگر کبھی نہ ہوئی  
وہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی  
بس ایک بار ہوئی اور پھر کبھی نہ ہوئی  
بہت بخار اٹھے، آنکھ شبنمی نہ ہوئی  
اب اس کے بعد ملاقات پھر ہوئی نہ ہوئی  
ہزار طرح سے چاہا، برابری نہ ہوئی  
قبول حضرت سلطان ہوئی ہوئی نہ ہوئی  
پھر ایسی چشم توجہ ہوئی ہوئی نہ ہوئی  
اس اہتمام پہ بھی شرح عاشقی نہ ہوئی  
خیال یار سے بھی کچھ شگفتگی نہ ہوئی  
اڈتوں میں نہ ہوئی تھی کچھ کمی، نہ ہوئی  
شریک حال جہاں میری بیخودی نہ ہوئی



صبا! یہ اُن سے ہمارا پیام کہہ دینا  
وہ کچھ سہی نہ سہی، پھر بھی زاہد ناداں  
ادھر سے بھی ہے سوا کچھ ادھر کی مجبوری  
خیالِ یار، سلامت تجھے خدا رکھے!  
گئے ہو جب سے یہاں صبح و شام ہی نہ ہوئی  
بڑے بڑوں سے محبت میں کافر ہی نہ ہوئی  
کہ ہم نے آہ تو کی، اُن سے آہ بھی نہ ہوئی  
ترے بغیر کبھی گھر میں روشنی نہ ہوئی  
گئے تھے ہم بھی جگر جلوہ گاہِ جاناں میں  
وہ پوچھتے ہی رہے، ہم سے بات بھی نہ ہوئی



زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے  
ہائے بیچارگی عشق کی اس محفل میں  
یہ سمجھ لو کہ غم عشق کی تکمیل ہوئی  
کس قدر حُسن بھی مجبورِ کشاکش ہے کہ آہ  
اور چاہیں کہ چھپالیں تو چھپائے نہ بنے  
سر جھکائے نہ بنے، آنکھ اٹھائے نہ بنے  
ہوش میں آئے بھی جب ہوش میں آئے نہ بنے  
منہ چھپائے نہ بنے، سامنے آئے نہ بنے  
ہائے وہ عالم پر شوق کہ جس وقت جگر  
اُس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے



یادِ جاناں بھی عجب رُوح فزا آتی ہے  
میری جانب نگہِ ہوش رُبا آتی ہے  
جا بھی، اے ناصحِ ناداں! نہ کر اس کو بدنام  
مرگِ ناکامِ محبت! میری تقصیر معاف  
نہیں معلوم، وہ خود ہیں کہ محبت اُن کی  
میں تو اس سادگی حُسن پہ اس کے صدقے  
ہائے کیا چیز ہے یہ تاملِ حُسن و شباب!  
اپنی صورت سے بھی اب اُن کو حیا آتی ہے



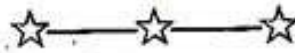
کون یہ جانِ تمنا عشق کی منزل میں ہے  
وہ کچھ اس صورت سے آئے جلوہ دکھاتے ہوئے  
شاید اٹھنے ہی کو ہے پردہ رُخ مقصود سے  
اے میں قُرباں! واہ کیا کہنا ترا! عجزِ عشق!  
جو تمنا دل سے نکلی، پھر جو دیکھا، دل میں ہے  
میں یہ سمجھا و سعیت کونین میرے دل میں ہے  
آج حاصل کی سی عزت سخی لا حاصل میں ہے  
اک سکونِ مستقل بھی اضطرابِ دل میں ہے

اس شہیدِ ناز کے کیا خونہا کا پوچھنا  
 اٹھ گیا، آخر محبت کا بھی پردہ اٹھ گیا  
 کیا کہیں خونِ دو عالم سے بھی اب بھتی ہے پیاس  
 میں ہو جب سے غریقِ موجِ طوفاں خیز عشق  
 دیکھے کرتی ہے کیا کیا ان کی نظروں میں حقیر  
 جس کی رُو دادِ مکمل دامنِ قاتل میں ہے  
 اب نہ میرے دل میں حسرت ہے، نہ اُن کے دل میں ہے  
 خونِ بکری کی حرارتِ خنجرِ قاتل میں ہے  
 ڈوب مرنے کی تمنا سینہٴ ساحل میں ہے  
 یہ جو ظالم، اک لہو کی بوندِ اب تک دل میں ہے  
 بیخودی، منزل سے بھی کوسوں نکل آئی جگر

جستجو آوارہ اب تک جاوہِ منزل میں ہے



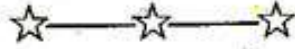
آئے زباں پہ رازِ محبت، محال ہے  
 نازک ترے مریضِ محبت کا حال ہے  
 دل تھا ترے خیال سے پہلے چمن چمن  
 کم بخت اس جنونِ محبت کو کیا کروں؟  
 تم سے مجھے عزیز تمہارا خیال ہے  
 دن کٹ گیا تو رات کا کتنا محال ہے  
 اب بھی روشِ روش ہے، مگر پائمال ہے  
 میرا خیال ہے نہ تمہارا خیال ہے  
 آنکھیں تو کھول، سر تو اٹھا، دیکھ تو ذرا  
 کب سے، جگر، وہ چاند سا چہرہ ٹڈھال ہے



محبت آپ اپنی ترجمان ہے  
 نگاہوں میں بہارِ جاوداں ہے  
 محبت دونوں جانب مہرباں ہے  
 وہ کب سے مضطرب ہیں، اے غمِ عشق!  
 ہماری رفعتوں کا پوچھنا کیا!  
 کوئی آواز ہی دے گم شدہ دل!  
 اگر تو ہے، تو اے جانِ دو عالم!  
 مزے سوزِ دروں کے مل رہے ہیں  
 تماشا دیدنی ہے، دیکھ جاؤ  
 مبارک باد، اے جذبِ محبت  
 کسی کو اک نظر ہی دیکھ تو لیں  
 ترے نقشِ قدم کا ذرہ ذرہ!  
 یہی خود چشم و دل، لفظ و بیاں ہے  
 جہاں میں ہوں، وہیں اب آشیاں ہے  
 کہ ہم اس سے، وہ ہم سے بدگماں ہے  
 خدا جانے، تیری غیرت کہاں ہے  
 جہاں ہم پاؤں رکھ دیں، آسماں ہے  
 کہاں ہے، اور مرے یوسف کہاں ہے؟  
 یہاں ہر شے جواں ہے، جاوداں ہے  
 بھگد اللہ کہ دل آتشِ بجاں ہے  
 زبانِ شوق و گلبانگِ فغاں ہے  
 انہیں اپنے پر اب میرا گماں ہے  
 اب اتنی بھی ہمیں جرأت کہاں ہے؟  
 عبادتِ گاہِ جانِ عاشقاں ہے



الہی خیر کرنا! دیر سے پھر بہت مضطر نگاہ رازداں ہے  
 مہنکا جاتا ہے دل جس سوزِ غم سے جہنم میں یہ چنگاری کہاں ہے؟  
 جو پڑھ سکتا ہے، تو پڑھ، اے غمِ دل!  
 کہ ان نظروں میں آج اک داستاں ہے



کچھ اس ادا سے آج وہ پہلوشیں رہے  
 ایمان و کفر اور نہ دنیا و دین رہے  
 عالم جب ایک حال پہ قائم نہیں رہے  
 میری زباں پہ شکوہ درد آفریں رہے  
 جب تک الہی! جسم میں جانِ حزیں رہے  
 یا رب! کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو  
 تاچند جوشِ عشق میں دل کی حفاظتیں؟  
 جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر  
 مجھ کو نہیں قبول دو عالم کی وسعتیں!  
 اے عشقِ نالہ کش! تیری غیرت کو کیا ہوا؟  
 دردِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے  
 اللہ ری چشمِ یار کی معجز بیاباں!  
 ظالم اٹھا تو پردہ وہم و گمان و فکر  
 ذات و صفاتِ حسن کا عالم نظر میں ہے  
 کس درد سے کسی نے کہا آج بزم میں؟  
 سر دادِ گانِ عشق و محبت کی کیا کمی؟

اس عشق کی تلافیِ مافات دیکھنا!

رونے کی حسرتیں ہیں، جب آنسو نہیں رہے



آج ہولی ہے ترے سوختہ سامانوں کی  
 ہائے معصومِ ضدیں عشق کے دیوانوں کی  
 کیا بہاریں ہیں چھلکتے ہوئے پیانوں کی  
 دیکھ لے تو بھی کہ اب خیر نہیں جانوں کی  
 چاہتے ہیں، نہ رہے حدِ تعین کوئی  
 بزمِ ساقی میں ذرا دیکھ تو چل کر زاہد

تیری نظروں کے تصدق، تری آنکھوں کے ثنار  
 ابھی تکمیل کو پہنچی نہیں تعمیر جنوں  
 انہیں پیانوں سے، ساقی، انہیں میخانوں کی  
 ابھی چلتی رہے دیوانوں سے دیوانوں کی  
 میرے نزدیک یہی موت ہے ارمانوں کی  
 ہر طرف چھا گئے ارمانِ محبت بن کر  
 مجھ سے اچھی رہی قسمت مرے افسانوں کی



عشق کا ہاتھ سے پیان نہ جانے پائے  
 یہ نہیں، دل کسی عنوان نہ جانے پائے  
 بات تو جب ہے کہ تو لاکھ ادھر رخ نہ کرے  
 صاف رکھ جان و دل و جسم کو آئینہ صفت  
 دل کو اب بھی ہے یہ ضدِ سخن کے ہر جلوے سے  
 ہوش میں آ دل دیوانہ کہ تیری ہی طرح  
 داستانِ غم ہستی کو مکمل کر لے  
 تیری محفل میں ہے اک تنگِ محبت تیرا  
 اشک ہیں حاصلِ غم، غم ہے ودیعت اس کی  
 حسن سرگرم نوازش ہے، مگر اے غمِ دل  
 جان جائے کہ رہے، دیکھ مری جانِ جگر  
 عشق کی شان، تری آن نہ جانے پائے



اک لفظِ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے  
 یہ کس کا تصور ہے، یہ کس کا فسانہ ہے؟  
 دل سنگِ ملامت کا ہر چند نشانہ ہے  
 ہم عشق کے ناروں کا اتنا ہی فسانا ہے  
 وہ اور وفا دشمن، مانیں گے نہ مانا  
 شاعر ہوں میں شاعر ہوں، میرا ہی زمانا ہے  
 جو ان پہ گزرتی ہے، کس نے اسے جانا ہے؟  
 آغازِ محبت ہے، آنا ہے نہ جانا ہے  
 سٹے تو دلِ عاشق، پھلے تو زمانہ ہے  
 جو اشک ہے آنکھوں میں، تسلیج کا دانہ ہے  
 دل پھر بھی مراد ل ہے، دل ہی تو زمانا ہے  
 رونے کو نہیں کوئی، بننے کو زمانا ہے  
 سب دل کی شرارت ہے، آنکھوں کا بہانا ہے  
 فطرت مرا آئینہ، قدرت مرا شانا ہے  
 اپنی ہی مصیبت ہے، اپنا ہی فسانا ہے  
 اشکوں کی حکومت ہے، آہوں کا زمانا ہے

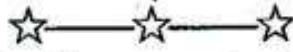


آنکھوں میں نمی سی ہے چپ چپ سے وہ بیٹھے ہیں  
ہم درد بدل نالاں، وہ دست بدل حیراں  
یا وہ تھے خفا ہم سے، یا ہم ہیں خفا اُن سے  
اے عشق جنوں پیشہ! ہاں عشق جنوں پیشہ!  
تھوڑی سی اجازت بھی، اے بزم گہ ہستی!  
یہ عشق نہیں آساں، اتنا ہی سمجھ لیجئے  
خود لہ حسن و شباب اُن کا کیا کم ہے رقیب اپنا  
ہم عشق مجسم ہیں، لب تشنہ و مستستی  
تصویر کے دورِ رخ ہیں جاں اور غمِ جاناں  
یہ حُسن و جمال اُن کا، یہ عشق و شباب اپنا  
مجھ کو اسی دُھن میں ہے ہر لحظہ بسر کرنا  
خود داری و محرومی، محرومی و خود داری  
اشکوں کے تبسم میں، آہوں کے ترنم میں  
آنسو تو بہت سے ہیں آنکھوں میں جگر لیکن  
بندھ جائے سوموٹی ہے، رہ جائے سودانا ہے



عشق ہے نصف الحقیقت، کیوں پریشاں کیجئے  
کب تک آخر مشکلات شوق آساں کیجئے  
چاہتا ہے عشق، رازِ حُسن عریاں کیجئے  
آپ کے دشمن رہیں وقفِ خلش، صرف پیش  
حُسن کی رُسوائیاں بھی حُسن سے کچھ کم نہیں  
پھر جنوں سامانیوں میں کچھ کمی سی آچلی  
آپ کو شرمائے کیا، آپ کا دامن ہے پاک  
دل پہ جو گزرے سو گزرے، عشق کی ضد ہے یہی  
سر سے پا تک اک نگاہ بے محابا ڈال کر  
اللہ اللہ! سنتے ہیں تم ہو رگِ جاں سے قریب  
یعنی ہم پر رحم کر کے، خود پہ احساں کیجئے  
اب محبت کو محبت ہی پہ قرباں کیجئے  
یعنی خود کھو جائے، اُن کو نمایاں کیجئے  
آپ کیوں عمخواری پیارِ ہجران کیجئے  
ہو سکے تو مثلِ یوئے گل پریشاں کیجئے  
آج پھر برہم مزاج حُسنِ جاناں کیجئے  
ہم گنہگارِ محبت ہیں، پیشیاں کیجئے  
آج اتنا چھیڑیے اُن کو کہ گریاں کیجئے  
عمر بھر کے واسطے ممنون احساں کیجئے  
اب تو ہر نشتر کو پیوستِ رگِ جاں کیجئے

شانِ رحمت کو نہیں درکار کوئی پیش کش  
احتیاطاً اکتسابِ کفر و ایماں کیجئے



حاضرِ عشقِ الم کوش ہوئی جاتی ہے  
حیرتِ جلوہ، ہم آغوش ہوئی جاتی ہے  
شوقِ چالاک کہاں، جرأتِ بیباک کہاں؟  
وہ خلش جس سے تھا ہنگامہ ہستی برپا  
وہی مستی کہ ساتی ہی نہ تھی عالم میں  
وہی اک شورشِ دل تنگ تھی جس پر کونین  
ایک منظر ہے کہ آنکھوں میں کھنچا آتا ہے  
ایک جانب نگہِ خاص سے ہے اذنِ جنوں  
نگہِ شوق کہاں ہے، یہ تماشا کیا ہے؟  
ہائے وہ سرخوشیِ عشق کہ تھی جزوِ حیات  
یاد ہی موت کی تھی خادمہٴ زیست کبھی  
اُف، وہ پروانے کے سمٹتے ہی چلے آتے ہیں  
عشق کی قسمتِ محروم! الہی توبہ!!  
بال کھولے ہوئے یہ کون چلا آتا ہے  
مجھ گنہگار کو شکوہ ہے تری رحمت کا

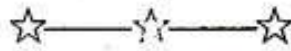
یادِ ایام، کہ جب پوچھئے، کہتے تھے جگر  
دعوتِ چشمِ لب و گوش ہوئی جاتی ہے



دل میں تم ہو، نزع کا ہنگام ہے  
عشق ہی خود عشق کا انعام ہے  
حسن ہے، نغمہ ہے، مے ہے، جام ہے  
کیا اسی کو کہتے ہیں آئینِ حسن؟  
پینے والے ایک یا دو ہوں تو ہوں  
کچھ سحر کا وقت ہے، کچھ شام ہے  
واہ کیا آغاز، کیا انجام ہے!  
اب کہاں نہ اے گردشِ ایام ہے؟  
جو تمہارا ہو گیا، ناکام ہے  
مفت سارا میکدہ بدنام ہے



درد و غم دل کی طبیعت بن چکے  
 عشق کے ہاتھوں تری سرکار سے  
 بی رہا ہوں آنکھوں آنکھوں میں شراب  
 دیکھ لینا عشق کی بھی نحوتیں  
 وہ سراپا ناز، اُن سے کیا گلہ؟  
 ہوشیار، اور شکوہ سنجِ زندگی!  
 کس سے ہیں عشق کی رسوائیاں  
 کیجئے کیا اور شرحِ زندگی  
 ایک بوسہ اس لبِ جاں بخش کا  
 ہوشیار، او کامیابِ زندگی!  
 اب یہاں آرام ہی آرام ہے  
 مل گیا جو کچھ، وہی انعام ہے  
 اب نہ شیشہ ہے، نہ کوئی جام ہے  
 حُسن کی برہم مزاجی عام ہے  
 تجھ سے شکوہ گردشِ ایام ہے  
 زندگی انعام ہی انعام ہے  
 بادہ جب تک ہے، فروغِ جام ہے  
 کچھ سحر، کچھ دوپہر، کچھ شام ہے  
 عمر بھر کے واسطے انعام ہے  
 زندگی، ناکامیوں کا نام ہے  
 کیا جگر سے آپ بھی واقف نہیں!؟  
 ایک ہی تو رندِ مے آشام ہے



آئینے میں عشق کی تاثیر پنہاں دیکھئے  
 میری صورت اپنی صورت سے نمایاں دیکھئے  
 بے تکلف ہر طرف تصویرِ جاناں دیکھئے  
 میری آنکھوں سے جمالِ شام، ہجران دیکھئے  
 دل کی ہستی بیش از یک شیشہ ساعت نہیں  
 اس میں جو کچھ دیکھئے، تقویمِ دوراں دیکھئے



پھر وہ ہم سے خفا ہے، کیا کہئے؟  
 دل بھلا یا بُرا ہے، کیا کہئے؟  
 چاندنی ہے، ہوا ہے، کیا کہئے؟  
 بندگی جس کی ہے فقط رونا  
 انتہا کے ہیں عشق میں صدمے  
 شوقِ بے انتہا کے پردے میں  
 حُسن جتنا ہے جنگِ جوِ ظالم  
 دل میں پنہاں ہے اک لطیفِ خلش  
 پھر سرِ حشر ہیں، وہی جلوے  
 زندگی بے حیا ہے، کیا کہئے؟  
 آپ کا نقشِ پا ہے، کیا کہئے؟  
 مفلسی کیا بلا ہے، کیا کہئے؟  
 وہ ہمارا خُدا ہے، کیا کہئے؟  
 اور ابھی ابتدا ہے، کیا کہئے؟  
 کون ہنگامہ زما ہے، کیا کہئے؟  
 عشق اس سے سوا ہے، کیا کہئے؟  
 صورتِ التجا ہے، کیا کہئے؟  
 پھر وہی سامنا ہے، کیا کہئے؟

ابھی پابند ہے، ابھی آزاد  
 پردہ رکھ لیتے ہم زمانے سے  
 پوچھتے ہیں مزاجِ دل ہم سے  
 شورشِ بجزودی شوق نہ پوچھ  
 عشق تو عشق، حُسن سے بیزار  
 شوق سرتا قدم نگاہ و زباں  
 عشق کا دل بھی کیا ہے، کیا کہیے؟  
 آنکھ پہچانتا ہے، کیا کہیے؟  
 ایک ہی خود نما ہے، کیا کہیے؟  
 کس طرف کی ہوا ہے، کیا کہیے؟  
 دل کو کیا ہو گیا ہے، کیا کہیے؟  
 وہ مجسمِ حیا ہے، کیا کہیے؟  
 آج حالِ دل تباہ، جگر  
 ہم نے کیوں کر سنا ہے، کیا کہیے؟



کچھ جو پشیمانِ جفا ہو گئے اور وہ گھبرا کے خفا ہو گئے  
 نالہ دل خاک رسا ہو گئے (قطعہ) آئے وہ، آتے ہی جدا ہو گئے  
 کچھ نہ سنا اور یوں ہی چل دیئے کچھ نہ کہا اور خفا ہو گئے  
 اور ابھی اس عشق میں کچھ سانحات دل کی ہلاکت کے سوا ہو گئے  
 اُن کا ادھر گوشہ دامن بڑھا تنگ ادھر بندِ قبا ہو گئے  
 وہ بھی جو تھے منکرِ آئینِ عشق سنتے ہیں پابندِ وفا ہو گئے  
 ہم سے نظر پھیر لی اُس شوخ نے ہم بھی ہیں انسان، خفا ہو گئے  
 ہم کو گرفتارِ بلا دیکھ کر وہ بھی گرفتارِ بلا ہو گئے  
 کچھ مرے چہرے سے کھلے رازِ عشق کچھ تری نظروں سے دور ہو گئے  
 ڈھونڈھ کے اب لائے کیونکر انہیں ہائے وہ نالے، کہ رسا ہو گئے  
 چپ ہیں وہ یوں سن کے مری عرضِ شوق  
 جیسے کہ سچ سچ ہی خفا ہو گئے



سب پہ تو مہربان ہے پیارے کچھ ہمارا بھی دھیان ہے پیارے  
 آکہ تجھ بن بہت دنوں سے یہ دل ایک سونا مکان ہے پیارے  
 تو جہاں ناز سے قدم رکھ دے وہ زمیں آسمان ہے پیارے  
 مختصر ہے یہ شوق کی زوداد ہر نفسِ داستان ہے پیارے  
 اپنے جی میں ذرا تو کر انصاف کب سے نا مہربان ہے پیارے؟



صبر ٹوٹے ہوئے دلوں کا نہ لے تو یونہی دھان پان ہے پیارے  
ہم سے جو ہو سکا، ہو کر گزرے اب ترا امتحان ہے پیارے  
مجھ میں تجھ میں تو کوئی فرق نہیں عشق کیوں درمیان ہے پیارے  
کیا کہے حال دل غریب جگر  
ٹوٹی پھوٹی زبان ہے پیارے

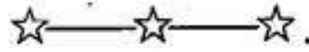


جب سے تو مہربان ہے پیارے اور دل بد گمان ہے پیارے  
ان کی باتوں میں تو نہ آ جانا عشق جادو بیان ہے پیارے  
تو کہاں؟ یہ غریب خانہ کہاں؟ وہم ہے یا گمان ہے پیارے  
صدقے تیری نوازشوں کے، مگر سخت تر امتحان ہے پیارے  
ان دنوں دل کے رنگ ڈھنگ نہ پوچھ کچھ عجب آن بان ہے پیارے  
سچ بتا، اس میں کوئی بات بھی ہے یا یوں ہی مہربان ہے پیارے  
وہ بھی ہلکی سی اک نگاہ کرم دل بہت ناتوان ہے پیارے  
تیرا دیوانہ غریب جگر  
فخر ہندوستان ہے پیارے



عشق کی داستان ہے پیارے اپنی اپنی زبان ہے پیارے  
کل تک اے درد! یہ تپاک نہ تھا آج کیوں مہربان ہے پیارے؟  
سایہ عشق سے خدا ہی بجائے ایک ہی قہرمان ہے پیارے  
اس کو کیا کیجئے جو لب نہ گھلیں یوں تو منہ میں زبان ہے پیارے  
یہ تغافل بھی ہے نگہ آمیز اس میں بھی ایک شان ہے پیارے  
جس نے، اے دل! دیا ہے اپنا غم اُس سے تو بدگمان ہے پیارے  
دل کا عالم نگاہ کیا جانے؟ یہ تو صرف اک زبان ہے پیارے  
میرے اشکوں میں اہتمام نہ دیکھ عاشقی کی زبان ہے پیارے  
ہم زمانے سے انتقام تو لیں اک حسیں درمیان ہے پیارے

عشق کی ایک ایک نادانی! تو نہیں، میں ہوں، میں نہیں، تو ہے  
 رکھ قدم پھونک پھونک کر ناداں! کس کو دیکھے سے دل کو چوٹ لگی؟  
 تری برہم خرامیوں کی قسم! دل بہت سخت جان ہے پیارے؟  
 علم و حکمت کی جان ہے پیارے اب کچھ ایسا گمان ہے پیارے  
 ذرے ذرے میں جان ہے پیارے کیوں یہ اُتری کمان ہے پیارے؟  
 ہاں ترے عہد میں جگر کے سوا  
 ہر کوئی شادمان ہے پیارے



درد بڑھ کر فغاں نہ ہو جائے یہ زمیں آسماں نہ ہو جائے  
 پھر کوئی مہرباں نہ ہو جائے سعی غم رائیگاں نہ ہو جائے  
 دور ہے عرصہ عدم آباد کم کوئی ناتواں نہ ہو جائے  
 ڈر ہے مجھ کو کہ میری عرض سکوت آپ ہی کی زباں نہ ہو جائے  
 دردِ دل کیا ہی مہماں ہے، اگر اشک بن کر رواں نہ ہو جائے  
 موت سے ڈر نہیں، مگر ہے یہ وہم عشق بے خانماں نہ ہو جائے  
 دل میں ڈوبا ہوا ہے جو نشتر میرے دل کی زباں نہ ہو جائے  
 قسمتوں سے ملا ہے دردِ حبیب کہیں آرام جاں نہ ہو جائے  
 عشق اپنی خوشی سے کون کرے عشق اگر ناگہاں نہ ہو جائے  
 آہ کیجئے، مگر لطیف ترین لب تک آ کر دھواں نہ ہو جائے  
 عشق کر ہی چکا تھا اپنا کام دل اگر درمیاں نہ ہو جائے  
 عشق میں جتنے بد گماں ہیں ہم  
 یوں کوئی بد گماں نہ ہو جائے



ادا جو آئے، وہ بے عیب، بے قصور آئے ادا جو آئے، وہ بے عیب، بے قصور آئے  
 نکل کے عشق جو حد ادب سے دور آئے نکل کے عشق جو حد ادب سے دور آئے  
 ذرا تو آنکھ کھلے، عقل میں شعور آئے ذرا تو آنکھ کھلے، عقل میں شعور آئے  
 جسے ذرا بھی غم عشق پر غرور آئے جسے ذرا بھی غم عشق پر غرور آئے  
 چلوں میں راہِ محبت میں بے نیازانہ چلوں میں راہِ محبت میں بے نیازانہ  
 خدا وہ دن نہ کرے، آپ کو غرور آئے! خدا وہ دن نہ کرے، آپ کو غرور آئے!  
 ادھر سے کعبہ چلے، اس طرف سے طور آئے ادھر سے کعبہ چلے، اس طرف سے طور آئے  
 ہم اپنے آپ میں آئیں، تو وہ ضرور آئے ہم اپنے آپ میں آئیں، تو وہ ضرور آئے  
 ترے حضور نہ جائے، مرے حضور آئے ترے حضور نہ جائے، مرے حضور آئے  
 مری بلا سے، اگر وہ بھی ناصور آئے مری بلا سے، اگر وہ بھی ناصور آئے



خود اپنی منزلِ دل محو ہوتی جاتی ہے  
 پیسے وہ شوق سے تنہا، مگر یہ کیا ممکن  
 ہزار سجدے کرے، رات رات بھر زاہد  
 زمانے تک تری گلیوں کی خاک چھانی ہے  
 کسی کی مست خرامی کا واہ کیا کہنا!  
 الہی! جذبِ محبت کی بخش دے تقصیر  
 مری طرف سے بھی اے کاروانِ شوقِ سلام!  
 انہیں ہے عشق سے چشمک، مگر یہ کون کہے؟  
 عجیب چیز ہے میخانہٴ تصور بھی  
 نظر ہی اپنی، نہ اب دل ہی رہ گیا اپنا  
 اجل جو آتی ہے، آئے، مگر اسی صورت  
 مجاز ہو کہ حقیقت، یہاں تو حال یہ ہے  
 وہیں سے ہم کو ملا ہے سکونِ دل کیا!

ہزار بار لکھے تو بہار، نامہٴ شوق!

ترے بلائے جگر آئے، وہ ضرور آئے

☆—☆—☆

پینہ موت کا بن کر نہ کیوں لہو آئے  
 کرے نہ کام جو بلبلی کا نالہٴ خونیں  
 ارے غضب کہ یونہیں پا برہنہ تو آئے!  
 نہ غنچے نیند سے چوٹیں، نہ رنگ و بو آئے

دیا ہے عشق نے وہ مرتبہ، بحمد اللہ!

کہ آنکھ تک نہ اٹھاؤں اگرچہ تو آئے

☆—☆—☆

کیا گھڑی ہے، کیا سہل ہے کس غضب کا جوش ہے  
 وجد میں ہے مطربِ عم، گلِ فضا خاموش ہے  
 عشق کی بیتابیاں ہیں، حُسن کا آغوش ہے  
 تیرے پھرتے ہیں نغمے، بزمِ جاں مدہوش ہے  
 کیسے کیسے مستِ صہبائے محبت کٹ مرے!  
 اوشلی آنکھ والے، کچھ تجھے بھی ہوش ہے؟

ایک دل ہے سینہٴ عاشق میں، لیکن الاماں!

ایک قطرہ ہے، مگر ایسا کہ دریا نوش ہے

☆—☆—☆

دیدہ یار بھی پُرَنم ہے، خدا خیر کرے! اُس طرف غیرتِ خورشیدِ جمال اور ادھر  
 آج کچھ اور ہی عالم ہے، خدا خیر کرے! زعمِ خود داریِ شبنم ہے، خدا خیر کرے!  
 دل ہے پہلو میں کہ چلا ہی چلا جاتا ہے اور خود سے بھی وہ برہم ہے، خدا خیر کرے!  
 رازِ بیتابیِ دل کچھ نہیں کھلتا، لیکن کل سے درد آج بہت کم ہے، خدا خیر کرے!  
 حُسن ہر گام پہ ہے سایہِ فلکن، دامِ فلکن  
 عشقِ آزادِ دو عالم ہے، خدا خیر کرے



عاشقی امتیاز کیا جانے؟ فرقِ ناز و نیاز کیا جانے؟  
 نگہِ شوق کی ہے سب تحریک حُسنِ تمہیدِ ناز کیا جانے؟  
 ہم سمجھتے ہیں رازِ رامش و رنگ زلہدِ پاک باز کیا جانے؟  
 ناخنِ عشق کتنے ٹوٹ گئے گرہِ نیم باز کیا جانے؟  
 سچ ہے، سب نیک و بد ہمیں سے ہے گردشِ چشمِ ناز کیا جانے؟  
 مسلکِ آشتی دیدہ و دل شوقِ ہنگامہ ساز کیا جانے؟  
 شیخِ پندارِ عشق سمجھا ہے نازِ اہلِ نیاز کیا جانے؟  
 غیرتِ بندگی و ناچاری کوئی بندہ نواز کیا جانے؟  
 آئینہ کی نزاکتیں، ہے ہے! دستِ آئینہ ساز کیا جانے؟  
 آنکھ جو دیکھتی ہے، دیکھتی ہے دل کے راز و نیاز کیا جانے؟  
 سینہ نے پہ جو گزرتی ہے وہ لپ نے نواز کیا جانے؟  
 کثرتِ جلوہ و ہجومِ نظر عشقِ وحدتِ طراز کیا جانے؟  
 حُسن کی دل گدازیاں، توبہ! عشقِ یہ سوز و ساز کیا جانے؟  
 وہ حقیقت کہ جو گزرتی ہے لبِ افسانہ ساز کیا جانے؟  
 ہائے گلِ کاریاں محبت کی دامنِ پاک باز کیا جانے؟

رہ رو راہ بے خودی ہے جگر

وہ نشیب و فراز کیا جانے؟



دل گیا، رونقِ حیات گئی غم گیا، ساری کائنات گئی  
 دل دھڑکتے ہی پھر گئی وہ نظر لب تک آئی نہ تھی کہ بات گئی



دن کا کیا ذکر تیرہ بختوں میں  
تیری باتوں سے آج تو واعظ!  
اُن کے بہلائے بھی نہ بہلا دل  
مرگِ عاشق تو کچھ نہیں، لیکن  
اب جنوں آپ سے گریباں گیر  
ہم نے بھی وضعِ غم بدل ڈالی  
ترکِ لُلفت بہت بجا، ناصح!  
ہائے سرشاریاں جوانی کی!  
جلوۂ ذات، اے معاذ اللہ!  
نہیں ملتا مزاجِ دل ہم سے  
قید ہستی سے کب نجات جگر؟  
موت آئی، اگر حیات گئی



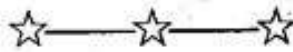
عشق میں تنہا نہیں شوریدہ سر میرے لئے  
ہاں مبارک اب یہ معراجِ نظر میرے لئے  
کھیل ہے بازیچہٴ شام و سحر میرے لئے  
وقف ہے صیاد کی اک اک نظر میرے لئے  
گرم ہے ہنگامہٴ شام و سحر میرے لئے  
میں ہوں وحشی آہ، کس صحرائے آفت خیز کا؟  
اس مقامِ عشق میں ہوں، مرجبا، اے بیخودی!  
جذب ہو کر رہ گیا ہوں میں جمالِ دوست میں  
میں نہیں کہتا کہ میں ہوں، تو ہو، تیری خلوتیں  
اللہ اللہ! میں بھی کیا نازک دماغِ عشق ہوں  
پھر بھی آنکھیں ڈھونڈتی ہیں اک سراپا ناز کو  
رہ رو راہِ طلب کو خضر کی حاجت نہیں  
اپنے دل میں جو ترے میں بھی سما سکتا نہیں

حُسن بھی بیتاب ہے، اور کس قدر میرے لئے  
جس قدر وہ دُور تر، نزدیک تر میرے لئے  
دو گل بازی ہیں یہ شمس و قمر میرے لئے  
ہاں مبارک! یہ شکستِ بال و پر میرے لئے  
رات دن گردش میں ہیں شمس و قمر میرے لئے  
ہے گل ویرانہ بھی بیگانہ تر میرے لئے  
ذرہ ذرہ ہے جہاں گرم سفر میرے لئے  
عشق ہے تابندہ تر، پابندہ تر میرے لئے  
ہاں مگر سب سے جدا خاص اک نظر میرے لئے  
نکبتِ گل بھی ہے وجہِ دردِ سر میرے لئے  
میں نے مانا کچھ نہیں حدِ نظر میرے لئے  
ذرہ ذرہ ہے چراغِ رہ گذر میرے لئے  
میرا ہر ہر سانس ہے زنجیرِ دردِ میرے لئے

مجھ کو جنت ہی جو دینا ہے، تو یارب بخش دے بس یہی دامنِ تر، پشیمانِ تر میرے لئے  
 ترکِ مے سے اور بھی میں تو شرابی بن گیا روز آجاتا ہے میناے سحر میرے لئے  
 جس نے زہد سے بھی کافر کے اڑا ڈالے میں ہوش اس سے بھی کچھ اور، ساقی! تیز تر میرے لئے  
 وہ مرا ساغر بکف ہونا پشیمانی کے ساتھ ابرِ رحمت کا وہ اٹھنا جھوم کر میرے لئے  
 کل شب ماہتاب میں اک بلبلی آفتِ نوا (قطعہ) مرکزِ غم بن رہا تھارات بھر میرے لئے  
 ناگہاں لب ہائے برگِ گل سے یہ آئی ندا نالے کرتا ہے عبث، اے بے خبر! میرے لئے  
 میں بھی ہوں اپنی جگہ خونین جگر، خونین کفن تو نہ اپنی جان کھو، اے مشیت پر میرے لئے  
 بس یہ سنتا تھا کہ پائے گل پہ گر کر مرنا بن گیا اک نقشِ عبرت عمر بھر میرے لئے  
 زندگی اک نہمتِ بیجا ہے میری ذات پر موت اک الزامِ ناجائز جگر، میرے لئے  
 میں تو ہر حالت میں خوش ہوں، لیکن اس کا کیا علاج  
 ڈبڈبا آتی ہیں وہ آنکھیں، جگر میرے لئے



نگاہِ شوقِ جگر وقف چار سو کیا ہے؟ جو دل حسیں ہو تو دنیائے رنگ و بو کیا ہے؟  
 خبر نہیں مجھے میں کیا ہوں، آرزو کیا ہے؟ کسی نے جب سے یہ سمجھا دیا کہ تو کیا ہے  
 جو دل میں ڈوب نہ جائے وہ گفتگو کیا ہے؟ جو چھان نہ جائے، وہ پیغامِ آرزو کیا ہے؟  
 یہ چپکے چپکے دل و جاں سے گفتگو کیا ہے؟ یہ چھیڑ چھاڑ، یہ اندازِ آرزو کیا ہے؟  
 یہی خبر نہیں اے وائے عشق و محرومی!  
 کہ آرزو کے کہتے ہیں، جستجو کیا ہے؟

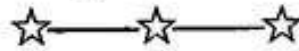


نہیں ہے، نہیں ہے، جوانی نہیں ہے جوانی اگر جاودانی نہیں ہے  
 مقامِ تحیرِ زبانی نہیں ہے یہاں کوئی شے آنی جانی نہیں ہے  
 جگر! یہ مئےِ ارغوانی نہیں ہے ارے آگ ہے آگ، پانی نہیں ہے

۱۔ کہ بہ پشیمانِ دل میں جزدوست (سعدی) یہ لفظ متروک کر دیا گیا ہے۔ لیکن میں جائز سمجھتا ہوں۔  
 ۲۔ شرابی عموماً آخر شب تک پیتے پیتے بدمست ہو کر سو جاتا ہے۔ اور دن چڑھے بیدار ہوتا ہے۔ اس لئے صبح صادق کے نشہ پاش منظر سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ ترکِ مے کے بعد اس لطیف منظر سے متاثر ہوتے رہنا بھی کچھ کم نہیں۔ (جگر)



یہ کیا ہے، جو سحر جوانی نہیں ہے  
 مرا قصہٴ عشق فانی نہیں ہے  
 حریفانہ رکھتا ہوں رسمِ محبت  
 مرا عشق زندہ، مرا عزمِ راسخ  
 محبت ہے اپنی بھی، لیکن نہ اندھی!  
 سمجھ سوچ کر پاؤں آگے بڑھانا  
 نخلِ جس سے ہونا پڑے دل ہی دل میں  
 مجھے اُن سے مطلب، اُنہیں مجھ سے مطلب  
 محبت متور، محبت معطر  
 نہ سینے، نہ سینے غم و درد میرا  
 وہ عالم ہے اب خشک آنکھوں میں اپنی  
 فسوں ہے، فسوں ہے، جسے عشق کہیے  
 محبت ازل سے مقدر پڑی تھی!  
 جگر کا یہ نغمہ ہے اور سازِ مشرق  
 یہ مغرب زدوں کی کہانی نہیں ہے



وہ مست ہوں کہ اُلٹ دی جب آستیں میں نے  
 مٹا کے دل سے ہر اک نقشِ دل نشیں میں نے  
 بنایا عشق کو یوں حُسنِ آفریں میں نے  
 چھپا کے دل میں غمِ اشکِ آفریں میں نے  
 کبھی یہ وہم کہ میں کیا ہوں، میرا سجدہ ہی کیا  
 تری نگاہ کے صدقے کہ پھر سے یاد آیا  
 نہ حُسن سے کوئی مطلب، نہ عشق سے سروکار  
 الہی، خیر! کہ دیکھا ہے خواب میں دمِ صبح  
 مری یہ فطرتِ معصومِ عشق، ارے تو بہ!  
 مگر جو تیری نگاہوں میں ہے، وہ چھیڑ کہاں  
 تجھے خبر ہو جو، ساقی! تو مجھ پہ رشک کرے



مئے منصور پلا دے ساتی  
 جامِ بلور پلا دے ساتی  
 پھر کبھی نام نہ لوں پینے کا  
 تاکجا، ہستی ناکام مری  
 تجھ کو اپنی ہی تجلی کی قسم  
 مئے ظاہر تو بہت کچھ پی لی  
 تُو تو ساتی ہے، تجھے کام سے کام  
 تشنہ کاموں سے اب انکار ہی کیوں  
 ساغرِ ظلمتِ غم میں بھر کر  
 کہہ گیا کیا یہ سیہ مستی میں  
 مئے گل رنگ کے جلوے کب تک  
 میں تو جب جانوں، مری توبہ کے بعد  
 صبرِ ایوب کی تجھ کو سوگند!  
 ساغرِ ہوش میں اب تُو بھر کے  
 تیری ہر شرطِ حقیقی و مجاز  
 جانے کیا شے وہ افق تاب ہوئی  
 ایک ساغر میں زمان اور مکاں

کر کے حل اب تو مرے ساغر میں

دیدہ حور پلا دے ساتی



تقدیر سے شکایت، کوئی نہ آسماں سے  
 کونین ہے عبارت اک عشقِ بے اماں سے  
 کس نے اٹھا دیا ہے پردہ حریمِ جاں سے  
 اُس وقت کوئی دیکھے، اعجازِ سازِ فطرت  
 مدت کے پھڑے دو دل باہم جو مل رہے ہیں  
 شکوہ ہے صرف اپنے اک خاص مہرباں سے  
 نکلا یہی فسانہ، اُلٹا ورقِ جہاں سے  
 آنکھیں بھی مطمئن سی، آنسو بھی شادماں سے  
 خود حُسنِ نغمہ زن ہو جب عشق کی زباں سے  
 پھولوں کی بارشیں ہیں، درہائے آسماں سے





تھی جو بنیاد شادی و غم کی! اُس کے شانوں پہ زلف برہم کی  
 آہ کی ہے صدا، نہ ماتم کی تیری نسبت سے تیری بخشش ہے اتنے ہی مجھ سے وہ قریب ہوئے  
 یوں تو پیاسے ہیں سبزہ و گل بھی کوئی دیکھے تو کیا ہنسی آئے  
 آئی تھی آج بھی نسیم سحر عشق کو کہیئے کس طرح معراج اُس سے پوچھو جمال شبنم کا  
 اک خطا پر سزائے بے میعاد تو نے ہدم یہ کس کا نام لیا  
 جس کا جھکنا محال تھا، سو آج عشق کا راز غیر کیا سمجھیں  
 شانِ رحمت برس پڑی کیا کیا دھن ہی اب اور ہے یہاں، ناصح  
 حُسن آیا تھا خود منانے کو خاطر حُسن تھی ہی کچھ برہم  
 اللہ اللہ! ہستی شاعر اِس زمانے کا انقلاب نہ پوچھ

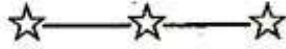
دل نے وہ انجمن ہی برہم کی خیر، یا رب! نظامِ عالم کی  
 کیا طبیعت بدل گئی غم کی اللہ اللہ! راحتیں غم کی  
 میں نے جتنی ہی آرزو کم کی کس نے دیکھی ہے پیاس شبنم کی  
 ہائے ری بدحواسیاں غم کی آگ بھڑکا گئی جہنم کی  
 یہ تو فطرت ہے ابنِ آدم کی جس نے خود آرزوئے شبنم کی  
 ہائے تقدیر ابنِ آدم کی! چھا گئیں دل پہ بدلیاں غم کی  
 عشق نے وہ نگاہ بھی خم کی پڑ نہ جائے نگاہِ محرم کی  
 اس خطا پر کہ ہر خطا کم کی تجھ کو سُوجھی سے شادی و غم کی  
 سو توجہ ہی عشق نے کم کی دل نے دانستہ اور برہم کی  
 قلب غنچے کا، آنکھ شبنم کی رُوح شیطان کی، شکلِ آدم کی

اُس کی ہر شانِ مرحبا، لیکن  
 ہائے رے شانِ حُسنِ برہم کی



میری جانب نگراں ہے کوئی اب زماں ہے، نہ مکاں ہے کوئی  
 وہیں میں بھی ہوں، جہاں ہے کوئی دل ہے یا تختِ رواں ہے کوئی  
 اب تو یوں محرمِ جاں ہے کوئی جیسے رگ رگ میں نہاں ہے کوئی  
 گرم اشکوں میں رواں ہے کوئی (قطعہ) سرد آہوں میں نہاں ہے کوئی

میں نے گھبرا کے جو اک روز جگر! دی یہ آواز، کہاں ہے کوئی  
 درد چینا کہ مجھی میں ہے وہ شوخ غم پکارا کہ یہاں ہے کوئی  
 ہمہ نغمہ، ہمہ خوشبو، ہمہ رنگ (قطعہ) دوسرا تجھ سا کہاں ہے کوئی  
 تو ہی اللہ بتا دے ناصح! ایسی جج دھج کا جواں ہے کوئی



اے غم عشق ترا کیا کہنا! پہلے تو، بعد ازاں ہے کوئی  
 کیجئے شرح محبت کیوں کر کیا محبت کی زباں ہے کوئی  
 غیرت عشق! یہ کیا سنتا ہوں؟ غیر از دوست کہاں ہے کوئی  
 نہیں ہنتی، نہیں ہنتی تری یاد یہ بھی کیا رشتہ جاں ہے کوئی  
 کس کے دل پر نہیں اس کا سایہ (قطعہ) غم ہے یا سحر رواں ہے کوئی  
 ہمہ ساز و ہمہ سوز و ہمہ درد زندگی ہے کہ فغاں ہے کوئی  
 ہر نفس اب تو یہ دیتا ہے صدا کہ پس پردہ جاں ہے کوئی  
 دل کی اب فکر کرے میری بلا  
 مجھ سے بڑ کر نگراں ہے کوئی



شعروالہام تو کیا، عرش بھی نازل ہو جائے  
 جس طرف آنکھ اٹھے، حُسن مقابل ہو جائے  
 اپنی ہستی کے سوا مجھ سے بھی غافل ہو جائے  
 حُسن کامل ہے ترا، اور بھی کامل ہو جائے  
 دونوں عالم سے فراغت مجھے حاصل ہو جائے  
 حُسن سے عشق کچھ اس طرح مماثل ہو جائے  
 عشق ہی، کاش! مرے عشق کا حاصل ہو جائے  
 اُف رے تقدیرِ چمن، ہائے رے بیداد فلک!  
 مجھ کو منظور دو عالم سے رقابت، لیکن  
 میں رُخ عشق سے پردہ تو اٹھا دوں، لیکن  
 غیر تو غیر ہے، اے عشق! گوارا نہ کروں  
 ارتباط اب نہ بڑھا اور زیادہ اے دوست!

دل جواک شے ہے حقیقت میں اگر دل ہو جائے  
 عشق خود ہی نہ اگر پردہ حائل ہو جائے  
 دل بہر حال مراد دل ہے، مگر دل ہو جائے  
 میری گستاخ نگاہی بھی جو شامل ہو جائے  
 عشق اگر حُسن بنے، حُسن مراد دل ہو جائے  
 جیسے تصویر سے تصویر مقابل ہو جائے  
 یہی رہبر، یہی جادہ، یہی منزل ہو جائے  
 غنچہ کھلنے بھی نہ پائے کہ مراد دل ہو جائے  
 وہ نگاہ متہم طرف دل ہو جائے  
 ڈر یہ ہے، تو نہ کہیں عشق پہ مائل ہو جائے  
 میرے عالم میں اگر خود بھی وہ شامل ہو جائے  
 مجھ کو ڈر ہے کہ تراد دل نہ مراد دل ہو جائے



ہائے وہ زعمِ محبت کہ جو باطل ہو جائے  
 کہیں اقرارِ محبت پہ نہ مائل ہو جائے  
 لب کو جنبش نہ ہو اور شرحِ غم دل ہو جائے  
 اک نفس بھی جو فراغت مجھے حاصل ہو جائے  
 کہ مرا عقدہ دل ہی مجھے مشکل ہو جائے  
 ہر ستم کے لئے مخصوص مراد دل ہو جائے  
 درد بن کر نہ اگر عشق مراد دل ہو جائے  
 گر یہاں بھی کوئی دم رونقِ محفل ہو جائے  
 یہ وہ دعویٰ ہی نہیں ہے کہ جو باطل ہو جائے

حیف، وہ حُسن کا پندار جو کھا جائے شکست  
 دل کے آثار ابھی تک تو بہت اچھے ہیں!  
 رنگِ چہرہ نہ اڑے اور محبت بر سے  
 میں تو مر جاؤں، مرا عشق کہیں کا نہ رہے  
 مجھ کو دینا تھا غمِ عشق، نہ اس طرح مگر  
 ہر ستم مجھ کو گوارا، مگر اس شرط کے ساتھ  
 غیرتِ حُسن کا پھر کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا  
 کیا بگڑ جائے ترا، اے مہِ خوبی و جمال!  
 عشق ہر رنگ میں ہے اپنی حقیقت کی دلیل

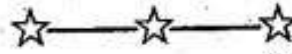


## پارہ ہائے جگر

آج ایسا نگہ مست کا اک وار ہوا دل کا کیا ذکر، سنبھلنا مجھے دشوار ہوا



وہی ہے عشق، وہی حسن ہے، وہی سب کچھ مگر کسی سے کسی کا جواب نہ ہو سکا



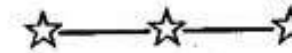
اب کیا کریں، اے جوشِ طلب، تیری قسم، اور بڑھتا ہے اگر شوق، توڑکتے ہیں قدم اور  
طرفینِ غمِ عشق کے ہیں تازہ ستم اور اب دیکھتے کیا ہو کہ نہ تم اور، نہ ہم اور



عشق کی اللہ ری آتش کاریاں خون کی بوندیں ہیں یا چنگاریاں  
قتل گہ میں آج ہوئی ہے، جگر چل رہی ہیں خون کی پچکاریاں



شکوہ تو کیا، ہو نہ سکی آہ تک ہمت اربابِ وفا کچھ نہیں  
لطف سے کچھ اُس نے کہا زیر لب میں نے جو پوچھا، تو کہا ”کچھ نہیں“



یونہی حیراں پریشاں روزِ صبح و شام کرتے ہیں جنونِ عشق کے مارے کہیں آرام کرتے ہیں!  
ہجومِ آرزو، شوقِ فراواں، دردِ بیتابی وہ جس پہ چاہتے ہیں اُس پہ یوں اکرام کرتے ہیں



اک جگہ بیٹھ کے پی لوں، مرا دستور نہیں میکدہ تنگ بنا دوں، مجھے منظور نہیں!  
قیدِ آدابِ محبت مجھے منظور نہیں عشقِ دستور ہے خود، عشق کا دستور نہیں  
برقی غیرت مری ہستی کو جلا دے، تسلیم! چھپ کے پردہ میں رہے حسن، یہ منظور نہیں

۱۔ رائے ساکن پر یقیناً اعتراض کیا جاسکتا ہے لیکن اس قسم کے اعتراضات محض قدامت پرستی کی بناء پر  
ہوئے، صاحبانِ فکر و نظر اس دنیائے کلتبی سے آگے بڑھ چکے ہیں (جگر)



کیا انا الحق کا ترانہ کہ اب اس دُنیا میں  
رِن و دار رہیں شبلی و منصور نہیں

☆—☆—☆

تجہبی میں ہے جگر اک حسنِ معتبر پنہاں! بہار در برو میخانہ در نظر پنہاں  
بہت اشارہ پیہم، مگر لطیف ترین ہزار ہا نگہ ملتفت، مگر پنہاں  
جگر کو درسِ حقیقت بہت نہ دے، واعظ وہ بے خبر تو بہ ظاہر ہے، باخبر پنہاں

☆—☆—☆

دل ہے قدموں پر کسی کے، سرٹھکا ہو یا نہ ہو بندگی تو اپنی فطرت ہے، خدا ہو یا نہ ہو  
یہ جنوں بھی کیا جنوں، یہ حال بھی کیا حال ہے؟ ہم کہے جاتے ہیں، کوئی سن رہا ہو یا نہ ہو

☆—☆—☆

عبث دھمکار ہے ہیں عشق میں اہل وفا مجھ کو مجسم زندگی ہوں، مچھو نہیں سکتی قضا مجھ کو

☆—☆—☆

جلوہ وہ کونسا ہے جو صورت کشا نہ ہو اے اعتبارِ شوق! جو تو ہو تو کیا نہ ہو  
خود ہے جمالِ دید ہی، وجہِ حجابِ دید دیکھو اسے، وہ مجھ کو اگر دیکھتا نہ ہو

☆—☆—☆

کس کی نگاہ کافر غماز بن گئی ہے میری تمام ہستی آواز بن گئی ہے

☆—☆—☆

دیکھ لو رنگ و روئے ناکامی! یہ نہ پوچھو کہ بیکسی کیا ہے

☆—☆—☆

گزر گیا ہوں، یوں بھی میں مناظرِ حیات سے کہ جیسے خود غرض نہیں حیات سے، مہمات سے

☆—☆—☆

جب سے وہ آنکھ شرمسار سی ہے دل کو تسکین بے قرار سی ہے  
دیکھئے، یاس بھی رہے نہ رہے یوں تو ظاہر میں وضع دار سی ہے

☆—☆—☆

مرے گناہوں کا کیا ٹھکانا، خیال سے شرم آ رہی ہے  
رواں ہیں آنکھوں سے اشکِ پیہم، حیات گنگا بہا رہی ہے

☆—☆—☆

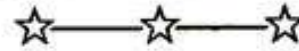
جب سے مری آنکھوں میں تری جلوہ گری ہے      دُنیا مرے نزدیک تپتم سے بھری ہے!  
یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے، کہتے ہیں جسے حُسن؟      جب دیکھئے کچھ نیندی آنکھوں میں بھری ہے



یہ چاہتا ہوں الہی، کہ کچھ دنوں کے لئے      خود اپنے عشق میں وہ شوخ مبتلا ہو جائے  
خدا کی شان، کہ شورشِ حجابِ راز بنے      سکوت آئینہ روئے مدعا ہو جائے



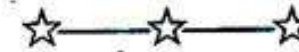
حُسن خود عشق کی صورت میں مقابل آئے      کاش! ایسا ہو کہ تجھ پر ہی ترا دل آئے



جب اس طرف سے کوئی اہل نظر گیا ہے      دل کی نزاکتوں پر عالم گذر گیا ہے



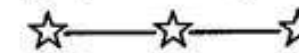
مجھے تو رشک آتا ہے غمِ جاناں کی ہستی پر      اُسے صیاد نے کچھ گل نے کچھ بلبل نے کچھ سمجھا  
نگاہِ کرم کی ضرورت نہیں ہے      کہ اب آپ مجھ میں تابِ محبت نہیں ہے  
مجھے بھی ہے احساسِ اپنی خودی کا      اگر اُن کو میری ضرورت نہیں ہے  
محبت سے بھی ماورا ہے کوئی شے      محبت ہی تنہا محبت نہیں ہے  
کے یاد رکھوں، کسے بھول جاؤں؟      اب اتنی بھی، اے عشق! فرصت نہیں ہے



جب نظر اپنی حقیقت آئی      مجھ پہ خود میری طبیعت آئی  
جو مصیبت، جو قیامت آئی      سب اسی دل کی بدولت آئی  
دلِ مرحوم کے ماتم کے لئے      بال کھولے شبِ فرقت آئی  
کوئی طوفاں بھی نہ ہو گا ایسا      کیا اندھا دھند طبیعت آئی



کہاں تک عذابِ محبت اٹھائیں      بس اب وہ ہمیں، ہم انہیں بھول جائیں



کوچہ یار ہے محبت ہے      درد و دیوار سے محبت ہے  
یار و اغیار سے محبت ہے      گل تو گل، خار سے محبت ہے  
میری صحرا نوردیاں، توبہ!      ہر سرخار سے محبت ہے





میں اور تیرے عشق کے قابل، نہیں نہیں  
میرے سوا، زمان و مکاں ہوں اگر، تو ہوں  
مجھ کو معاف کر کہ میں تجھ سا حسین نہیں!  
تیرے سوا زمان و مکاں بھی کہیں نہیں!



دل درد، جگر درد، دُعا درد، اثر درد  
میں ہوں ہمہ تن دروں مری شام و سحر درد



جب تک شباب عشق مکمل شباب ہے  
جو خود نہ زندگی ہو، نہ پیغام زندگی  
پانی بھی ہے شراب، ہوا بھی شراب ہے  
وہ حسن قہر ہے، وہ محبت عذاب ہے  
لہذا! ان حدود میں رکھنا نہ تو قدم  
پیارے! جہانِ عشق، جہانِ خراب ہے



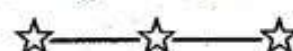
دیرینہ دوستی خوش انفاس کا لحاظ  
اے محنت! نزاکت احساس کا لحاظ



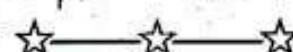
یہی حسن و عشق کا راز ہے کوئی راز اس کے سوا نہیں  
کہ خدا نہیں تو خودی نہیں، جو خودی نہیں تو خدا نہیں



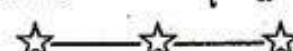
جان آنکھوں میں اٹک کر رہ گئی  
ایک بجلی سی چمک کر رہ گئی



جہاں کی بزم آرائی ہے، میں ہوں  
ہجوم رنجِ تنہائی ہے، میں ہوں



محبت کس کو کہتے ہیں، محبت کی بقا کیا ہے  
خدائی کس کو کہتے ہیں، خودی کیا ہے، خدا کیا ہے



خودی کا اک تصور وارداتی اور لامحدود  
نشاتی اور حیاتی اور ذاتی اور لامحدود

ہمہ تن وجد میں آ، رقص میں آ، جوش میں آ  
حُسن کو ہوش میں لانا ہے تو خود ہوش میں آ



دل نے کچھ ایسی دھن میں آج نغمہ شوق گا دیا  
عشق بھی جھوم جھوم اٹھا، حُسن بھی مسکرا دیا

مجھ کو خدائے عشق نے جو بھی دیا، بجا دیا  
اتنی ہی تاب ضبط دی، جتنا ہی غم سوا دیا

آتشِ ترنے، ساقیاء! کچھ نہ مجھے مزا دیا  
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تو نے یہ کیا پلا دیا

جذبِ جنوں نے آج تو گل ہی نیا کھلا دیا  
خود وہ گلے لپٹ گئے، عشق کا واسطہ دیا

شوق نے بے خودی میں جب دستِ طلب بڑھا دیا  
غیرتِ عشق نے وہیں پہلوئے دل دبا دیا

میں کہ تھا ایک مشیتِ خاکِ حُسن جو مُسکرا دیا  
عشق کی رُوح بھونک دی، رُوح کو جگمگا دیا  
تُو رہے، تیرا غم رہے، میں رہوں، میرا دم رہے  
کون تجھے بھلا سکا، کس نے تجھے بھلا دیا

## قطرہ

میرے جنونِ عشق کی کیوں نہ ہو عاقبتِ خراب  
میں بھی نہ لوں جو انتقام، مجھ پہ ہے، عاشقیِ حرام  
مجھ کو ہنسا ہنسا کے آج، اُن کو رُلا رُلا دیا  
دل نے تو کر کے اہتمامِ حُسن کا دل دکھا دیا



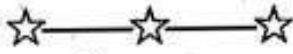
خیر ہو، اے نسیمِ ناز! پھیل نہ جائے بُوے راز  
میرے ہجومِ شوق پر، مُنہ سے تو کچھ نہ کہہ سکے  
حُسن بھی رشک سے بری ہو نہ سکا، نہ ہو بھی  
شکوہ کریں ترا کہ شکر، ہائے، اے التفاتِ دوست!  
بیٹھے ہیں سر جھکائے کیوں، خاکِ مزار پر وہ اب  
تُو مرے دل کی دھڑکنیں، رننے دے چارہ گر، یونہی  
ترکِ تعلقات سے عشق کہیں ہے بے نیاز  
حُسن ہے حُسن بے اماں، ضد نہ کراے غم نہاں  
قسمتِ حُسن و عشق سے مجھ کو نہیں ہے کچھ گلہ  
سُکرِ شباب و یادِ یار، دردِ فراق و انتظار  
کفر کہاں، کہاں جگر! او بت سنگِ دل مگر  
تُو نے یہ کیا غضب کیا، غنچہٴ دل کھلا دیا  
چہرے پہ رنگ آ گیا، ہاتھ میرا دبا دیا  
اپنے سوا ہر ایک نقش، دل سے مرے مٹا دیا  
جو نہ کہیں بھی جھک سکا، تُو نے وہ سر جھکا دیا  
خاک سے پھر غرض ہی کیا، خاک میں جب ملا دیا  
ہاں، انہی دھڑکنوں نے تو مجھ کو مرا پتا دیا  
کہنے کی بات ہے فقط، کس نے کسے بھلا دیا  
پھر یہ نگاہ و دل کہاں، پردہ اگر اٹھا دیا  
تجھ کو غرور اگر دیا، مجھ کو بھی حوصلہ دیا  
آنکھ کھلی سُلا دیا، آنکھ لگی جگا دیا  
ہائے رے شوقِ فتنہ گر، تجھ کو خدا بنا دیا



فتنہ روزِ گار میں امن ہے کیا، قرار کیا  
عشق کمالِ ہوش ہے، ہوش سے ننگ و عار کیا  
دیدہ و دل پہ کس کا بس، جان پہ اختیار کیا  
تیری نصیحتیں بجا، یہ تو بتا، اے ناصحا!  
عشق خزاں مزاج سے لطفِ جمال پوچھے  
ناز سے مُسکرا کے دیکھ، چشمِ حیا اٹھا کے دیکھ  
سوزِ تمام چاہئے، رنگ و وام چاہیے  
کارِ عظیم چاہیے طبعِ سلیم چاہیے!  
میں نے کیا ہے حرمِ عشق، مجھ سے ہوئی خطائے شوق  
حاصلِ زیتِ غم سہی، غم کا بھی اعتبار کیا  
سینہ چاک چاک کر، دامنِ تار تار کیا  
ہو چکے اُن کے جب ہمیں، اُن پہ کریں نثار کیا  
اور ہے عشق کے سوا مقصدِ حُسنِ یار کیا  
جن کی نظر ہے خود بہار، اُن کے لئے بہار کیا  
دل سے حریف کے لئے نیچی نظر کا وار کیا  
شمعِ تہِ مزار ہو، شمعِ سرِ مزار کیا  
عزمِ صمیم چاہیے، فکرِ مالِ کار کیا  
خواہشِ عفو کس لئے بخششِ حُسنِ یار کیا



فطرتِ شوق کی قسم، غیرتِ عشق کی قسم! دولتِ دو جہاں سہی، دولتِ مستعار کیا  
 منزلِ عشق میں، جگر! غیر تو پھر بھی غیر ہیں  
 دل پہ بھی اعتماد کیوں، اپنا بھی اعتبار کیا



مانا کہ ہم پہ جور و جفا کیجئے گا آپ  
 ہر چند ضبطِ حد سے سوا کیجئے گا آپ  
 آنکھوں کی نیند، دل کی خلش کا نہیں علاج  
 تنہائیاں تو ایک طرف، سب کے سامنے!  
 زلفِ رمیدہ بو جو پریشاں نہ رہ سکی  
 ہونا ہے ایک دن جنہیں مشہورِ خاص و عام  
 چھپ چھپ کے جب نہ رو بھی سکیں گے بقدرِ ظرف  
 ہر چند لائے گا زباں پر نہ رازِ عشق  
 چہرے پہ ہم سنوں کی تبسم تو کیا، مگر  
 اتنا ہی اور ہو کے رہے گا غمِ آشکار  
 رہتا نہیں ہے جس میں کہ یارائے صبر و ضبط  
 لیکن ہمیں نہ ہوں گے، تو کیا کیجئے گا آپ  
 آنسو نہ تھم سکیں گے، تو کیا کیجئے گا آپ  
 بستر سے آہ کر کے اٹھا کیجئے گا آپ  
 پہروں اُداس اُداس رہا کیجئے گا آپ  
 روئے پریدہ رنگ کو کیا کیجئے گا آپ  
 کس دل سے وہ فسانے سنا کیجئے گا آپ  
 گھٹ گھٹ کے دل ہی دل میں رہا کیجئے گا آپ  
 نظریں پُکار اٹھیں گی، تو کیا کیجئے گا آپ  
 اک فرضِ نا گوار ادا کیجئے گا آپ  
 جتنی ہی احتیاط سوا کیجئے گا آپ  
 نہ جانے، اُس جنون میں کیا کیجئے گا آپ

جب کچھ نہ بن پڑے گا مداوائے دردِ ہجر  
 رو رو کے مغفرت کی دُعا کیجئے گا آپ



ذروں سے باتیں کرتے ہیں، دیوار و در سے ہم  
 دیکھا جہاں بھی حُسن، وہیں لوٹ ہو گئے  
 چھیڑیں کسی سے اور ہمارے ہی سامنے  
 اتنی سی بات پر ہے بس اک جگِ زرگری  
 کیونکر نہ ہو نظامِ دو عالم میں ابتری  
 حیرت خود ایک مہرِ خاموش بن گئی با!  
 ذروں کو حُسن و عشق سے معمور کر دیا  
 کوئی حسین حسین ہی ٹھہرتا نہیں، جگر!  
 وابستہ کس قدر ہیں تری رہ گذر سے ہم  
 تنگ آ گئے ہیں اپنے مزاجِ نظر سے ہم  
 لڑتے ہیں دل ہی دل میں نسیمِ سحر سے ہم  
 پہلے ادھر سے بڑھتے ہیں وہ، یا ادھر سے ہم  
 کچھ بے خبر سے آپ ہیں، کچھ بے خبر سے ہم  
 بچ کر چلے تھے فتنہِ شام و سحر سے ہم  
 دامنِ فشاں گذر گئے جس رہ گذر سے ہم  
 باز آئے اس بلندیِ ذوقِ نظر سے ہم



# نظمیں

## مبارک بادِ صحت یابی

بفصلِ خدا غسلِ صحت مبارک! یہ جشنِ مسرت مبارک!  
 افق ہے وہ پھوٹی کرنِ زندگی کی یہ آثارِ صبحِ سعادت مبارک!  
 یہ ہستی، یہ شملہ، یہ رونقِ سلامت یہ شوکت، یہ سطوت یہ عظمت مبارک!  
 یہ حُسن و جوانی، یہ علم و معانی یہ تائیدِ فیضانِ رحمت مبارک!  
 سعد الظفرِ خاں بہادر! تمہیں بھی بایں سادگی و بہ این پاکِ فطرت  
 جو یہ اُن کے شیدا تو وہ اُن کے عاشق بہ آرائش و زیب و زینت مبارک!  
 الہی! رہے تا ابد یہ بھرا گھر بہم بھائی بھائی کی اُلفت مبارک!  
 دُعا ہے کہ مل کر رہیں سب یہ اک دن بھرے گھر کو بھر پورِ عشرت مبارک!  
 سبھی کچھ مبارک، تمہیں اور مجھ کو تمہیں خدمتِ ملک و ملت مبارک!  
 یہ خلق و مروت، بہ لطف و محبت خود اپنی یہ نذرِ عقیدت مبارک!  
 جگر پر عنایت تری روز افزوں دلِ غیر پر بھی حکومت مبارک!  
 اُسے مفت خوری کی عادت مبارک!



## ایک شاعر کا پیغام

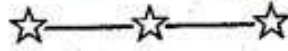
### ایک مغرب زدہ ناظم کے نام

قوم و وطن کے مدّعی، کون و مکاں پر چھائے جا  
 تو کہ ہے تنگِ زندگی، درسِ ترا درندگی  
 فکر و عمل کی وسعتیں تنگ نہ کر بڑھائے جا  
 زندگی و درندگی، یوں نہ بہم ملائے جا



اے کہ تیری ذہنیت ساحتہ فرنگیاں  
تیرے تمام خلوتیں، شاہد و مطرب و شراب  
تیرے فریب کے لئے کم نہیں پست ذوقیاں  
تجھ کو خدا سے کیا غرض، چھوڑ خدا کا تذکرہ  
جہل ترا تری سرشت، علم ترا متاع غیر  
تیری نگاہ و فکر میں عصمتِ حسن کچھ نہیں  
لوٹ کے دوسروں کا مال، نوحہ مفلسی سنا  
اہلِ دُور کے سامنے دستِ ہوس ترا دراز  
جب تیری مضحکات پر بزم کی بزم ہنس پڑے

خوب فریب کھا چکا، اب نہ فریب کھائے جا  
بزم میں انقلاب کا شور مگر مچائے جا  
بھر کے ہر ایک تازہ روپ، شعبدے تو دکھائے جا  
مارکس کا ٹو غلام ہے، مارکس کے گیت گائے جا  
حکمت و شعر کہہ کے تو سب کو یقین دلائے جا  
اپنی یہ بُردلی مگر مصلحتاً چھپائے جا  
کھا کے پلاؤ تو رومہ بھوک کے گیت گائے جا  
ہٹ کے وہاں سے گالیاں ان کو مگر سنائے جا  
داد سمجھ کے اپنا سر ناز سے تو ہلائے جا

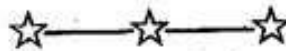


## انتقالِ نواب سعید الملک

وہ جس کی دید سے ہوتا تھا حاصل  
جگر! موت ایسے کمالِ قدرداں کی  
یہ غم ہے مادرائے نوحہ خوانی  
بہت کچھ حسرتِ ماتم ہے، لیکن  
انھی ہے آہ! دُنیا سے وہ ہستی  
سعید الملک نواب، ابنِ نواب  
سراپا ..... اخلاق و اخلاص  
بہادر، شیرِ اُگلن، مردِ میداں  
دلوں پر کی ہے جس نے حکمرانی

فراغِ دل، فروغِ زندگانی  
حقیقت میں ہے مرگِ قدردانی  
جوانی اور مرگِ ناگہانی!  
حقیقت میں یہ غم ہے جاودانی  
جو تھی ہر بات میں آپ اپنی ثانی  
بہارِ گلشنِ شاہِ جہانی  
جسمِ صورتِ پاکیزہ جانی

(نا تمام)



## عید

ہر قوم کی ہے عید، ہر اک انس و جاں کی عید  
چھوٹی مسرتوں کا اگر نام عید ہے  
لیکن نہیں تو مسلمِ حسرتِ نشاں کی عید  
پیشک ہے پھر تو ملتِ اسلامیاں کی عید

ہم سایہ کے گھر میں (ہے) جو ناکہ، ہوا کرنے اپنی تو ہو ہی جاتی ہے نام و نشاں کی عید  
 خود غرضیوں کی آڑ میں ملتِ فروشیاں کہتے ہیں اس کو مسلم ہندوستان کی عید  
 احساس تک ہے وحدتِ قومی کا جو خواب یہ حال ہو تو کیسی مسرت کہاں کی عید  
 اپنی بلا سے، کوئی جنے یا کوئی مرے اپنی تو ہو ہی جاتی ہے نام و نشاں کی عید



## رُبَاعِی

مریض قوم کے درماں مہاتما گاندھی دلوں کی شمعِ فروزاں مہاتما گاندھی  
 تمام درد و خلوص و محبت و ایثار حقیقت تھے اک انساں مہاتما گاندھی



## مہاتما گاندھی

گانڈھی جی وہ ذاتِ مکرم گاندھی جی وہ خلقِ مجسم  
 گاندھی جی وہ محسنِ اعظم سوگ ہے جن کا عالم عالم



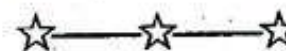
آنکھیں اُن کے سوگ میں گریاں سینے اُن کے غم میں ویراں  
 ہندو ہو یا کوئی مسلمان جس کو دیکھو حیراں، حیراں



ذرہ ذرہ، صحرا صحرا قطرہ قطرہ، دریا دریا  
 بستی بستی، دُنیا دُنیا ماتم ماتم، نوحا نوحا



اُن کا مذہب وحدانیت اُن کا عقیدہ رُوحانیت  
 اُن کا مسلک انسانیت اُن کی فضا نورانیت<sup>۱</sup>

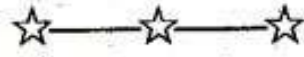




اُن کے دل میں سب کی محبت اُن کی نظر میں سب کی عزت  
سب کی عزت، سب کی عظمت سب کی سیوا، سب کی خدمت



اُن کا فیضِ عام مسلسل! اُن کا دورِ جام مسلسل  
اُن کا ہر اقدام مسلسل بات مکمل، کام مسلسل



اُن کی سیاست کی گہرائی تھاہ کسی نے جس کی نہ پائی  
راجندر اور آزاد، ڈسائی! اک حد تک ان سب کی رسائی



آہ! وہ اُن کی سادہ بیانی شبنم شبنم، پانی پانی  
مدہم مدہم جس کی روانی لیکن اک دریائے معانی



انسانوں کو مٹا کر ذاتیں ایک بنا دینے کی گھاتیں!  
کس کے دن اور کس کی راتیں کون سنے یہ بہکی باتیں



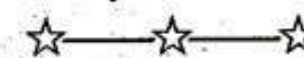
جنگِ آزادی کے رہبر پریم اپنا اُن کا لشکر  
ظاہر میں طرف ایک قلندر باطن میں دارا و سکندر



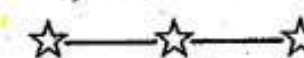
دامِ غلامی توڑ کے نکلے رُوئے حوادثِ موڑ کے نکلے  
نقشِ محبت جوڑ کے نکلے ٹوٹے دلوں کو جوڑ کے نکلے



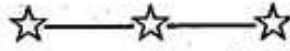
عمرِ یونہی خدمت میں گذاری لاغر جسم اور گھڑی بھاری  
بھارت ماتا خود یہ پکاری پریم کا داتا، پریم بھاری



کاش کہ ہم سب اتنا سمجھیں ہم پہ ہیں احساں کیا کیا سمجھیں  
مل کر سوچیں، تنہا سمجھیں فرضِ عقیدت اپنا سمجھیں



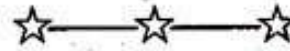
ڈوب کے پھر سے اُبھرنا سیکھیں تقلید اُن کی کرنا سیکھیں  
مخلص بن کے گذرنا سیکھیں جینا سیکھیں، مرنا سیکھیں



انسان ہے جو انسان کا دشمن عصمت اور ایمان کا دشمن!  
نہی نہی جان کا دشمن وہ ہے ہندوستان کا دشمن



ہندو مسلم مل کے گائیں گاندھی کا پیغام سنائیں  
پھولِ محبت کے برسائیں جنتِ اس دُنیا کو بنائیں  
(نا تمام)



## یومِ آزادی

زبانِ اہل ہوس پر کلامِ آزادی ہے اک فریبِ مسلسل بنامِ آزادی  
وہی سلاسل و زنداں، وہی ہے طوق و رسن اسی کو کہتے ہیں کیا احترامِ آزادی  
قدمِ قدم پہ نمائش ہے کچھ، حقیقت کچھ اسی کا نام مگر ہے نظامِ آزادی  
اقلیت کے لئے بند رہے درِ مقصود یہ دو برس کا ہے حاصلِ بنامِ آزادی  
خود اپنے نشہ..... میں جھومنے والے! ابھی ہے دُور بہت صبح و شامِ آزادی  
وہی سیاستِ باطل، وہی نظامِ کہن بس اور کیا ہے..... نقشِ دوامِ آزادی



اُس غلامی پہ آپ ہیں آزاد آج بھی خوش ہے رُوحِ استبداد  
ہوں مُلک و مال کی خاطر عظمتِ مُلک و قوم ہے برباد



لوگ کہتے ہیں، وطنِ آزاد ہے میں سمجھتا ہوں، وطنِ برباد ہے  
وہ وطن، وہ کشورِ ہندوستان وہ چمن، وہ جنتِ رُوحانیاں  
ہائے، وہ گہوارۂ صدق و صفا ہائے، وہ سیارۂ مہر و وفا



ہر درد کو بدلتی ہوئی انبساط سے ہر غم کو خوشگوار بناتی چلی گئی  
ہر موج بحرِ حسن سے خود کھلتی ہوئی ہر آرزو کی پیاس بجھاتی چلی گئی

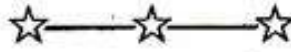


## تکلیف

عکس زوئے نگار ہے تکلیف ہم سے پوچھو تو دستِ صنعت کا  
روح پرور بھی، خواب آور بھی جب اسے دیکھئے کسی کے لئے  
راحتِ جانِ ہر امیر و فقیر! جس جگہ دیکھئے طلب اس کی  
مذہب و ملک و قوم سے آزاد اک جہاں کو پیامِ خواب مگر  
شاید خوابِ ناز کے رُخ کا دردِ مندانِ شامِ فرقت کا  
شب کی بے تاپیاں ہیں محو اس میں موجِ راحت ہے تار تار اس کا  
عہدِ رنگین و دورِ غمگین کا داستانیں ہیں اس میں لاکھوں دن  
دیکھ لو حسن و عشق کے جلوے اس کی ہر سطر مستقل تاریخ  
راز جو چاہئے بیاں کیجئے شب کی تنہائیوں کے عالم میں  
درد کو اس کے کوئی کیا جانے

واہ کیا پُ بہار ہے تکلیف  
طرفہ اک شاہکار ہے تکلیف  
جیسے آغوشِ یار ہے تکلیف  
ہمہ تن انتظار ہے تکلیف  
رحمتِ کردگار ہے تکلیف  
شاید روزگار ہے تکلیف  
کیا وسیع الشعار ہے تکلیف  
آپ شبِ زندہ دار ہے تکلیف  
کیا ہی سادہ سنگھار ہے تکلیف  
مونس و غمگسار ہے تکلیف  
درد کا پردہ دار ہے تکلیف  
اور کبھی خار خار ہے تکلیف  
زندہ اک یادگار ہے تکلیف  
اک جہاں مزار ہے تکلیف  
ان کا آئینہ دار ہے تکلیف  
کیا حقیقت نگار ہے تکلیف  
لائقِ اعتبار ہے تکلیف  
مونسِ جانِ زار ہے تکلیف  
آپ اپنی پکار ہے تکلیف

اس کی توصیف سب بجا، لیکن کاہلی کا شکار ہے تکیہ  
 طیبہ نے اسے بنایا ہے قابل افتخار ہے تکیہ



## ساتی سے خطاب

وطن کا کیا قصور اس میں، وطن کو دوش کیوں دیجے وطن دشمن بنے ہیں خود محبانِ وطن ساتی



وہ پاکستان ہے ساتی، یہ ہندوستان ہے ساتی مگر انسانیت کا ہر جگہ فُقدان ہے ساتی  
 یہاں سرمایہ داری، چور بازاری کے میلے ہیں یہاں اپنی حکومت ہے، یہ ہندوستان ہے ساتی



یہاں کے ہٹلوں میں گوشت بک جاتا ہے بچوں کا یہاں فرقہ گشی کی ذہنیت بھی عام ہے ساتی



جواں رندوں کے اس فقرے پہ کیا ارشاد ہے ساتی

”زمانہ ہے نیا اور زائد المیعاد ہے ساتی“

کہاں میرا نشیمن تھا، اب اس کی کیا خبر، لیکن

کہیں میں بھی چہکتا تھا، بس اتنا یاد ہے ساتی

یہ آبا، یہ ویرانہ، یہ ہنگامے، یہ ستائے

زمانہ کس قدر مجموعہ اَضداد ہے ساتی

نہیں دیتا کسی کو جامِ مے بارِ دگر ساتی

زمانے کے تقاضوں کی بھی رکھتا ہے خبر ساتی

یہ سوز و ساز کا عالم، یہ اشک و آہ کی دُنیا

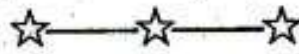
بجا ہے، اس کو کہتے ہیں اگر دارالحُکْن ساتی

سلامت تیری ہستی، میری مستی، تیرا مے خانہ

مبارک میری گستاخی، مرا دیوانہ پن ساتی



یہ عالم گیر شیطانی سیاست، اے معاذ اللہ!  
 نہیں انسانیت کو اب مجالِ دم زدن ساقی  
 جہاں نھوٹی صداقت ہو، ہمیں اُس سے نہیں مطلب  
 جہاں سچی محبت ہو، وہی میرا وطن ساقی  
 جہاں اعلیٰ سیاست کا تخیل تک نہیں ممکن  
 جہاں اک جنس کا سد ہو حقیقی علم و فن ساقی



## نذرِ غالب

اے وہ کہ تری ذات گرامی بہ ہمہ رنگ  
 اے وہ کہ ہر اک نغمہ ترا نغمہ فطرت  
 اے وہ کہ ترے معجزہ جنبش لب سے  
 اے وہ کہ تری فکر بہ ہر طرز و بہ ہر صنف  
 اقلیم سخن ہے ترے اعجازِ نفس سے  
 ہر بھول ترے باغ کا فردوس بہ دامن  
 اک گوشہ دامن میں مرے دجلہ و جیحوں  
 تو نظم میں بھی، نثر میں بھی مجتہد العصر  
 تو نے اسے گنجائش کونین عطا کی  
 لاریب کہ اس ذات سے واقف تھی تری ذات  
 قدرت کی جو ہم راز تو فطرت کی ہم آہنگ  
 اے وہ کہ ہر اک نقش ترا روکش ارژنگ  
 اک جنتِ شاداب ہر اک غنچہ دل تنگ  
 ہم شعلہ و ہم شبنم و ہم شیشہ و ہم سنگ  
 ہم نغمہ و ہم دشنہ و ہم نکبت و ہم رنگ  
 ہر خار ترے دشت کا انگشت شفق رنگ  
 اک موجِ نفس میں تری رقصاں جن و گنگ  
 لیکن وہ ہے معذور کہ جس کی ہے نظر تنگ  
 ہر چند بہت تھا ابھی دامانِ غزل تنگ  
 افسانہ ہمہ رنگ و حقیقت ہمہ بے رنگ

الحق کہ تری وسعتِ تخیل کے آگے  
 صحرا کفِ خاکستر و گلشنِ قفسِ رنگ



# گیت

(ایک آزاد ملک و وطن کے ایک نووارد مسافر سے)

شاعر کا خطاب

بھاگ مسافر میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ  
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ  
بھاگ مسافر بھاگ !

میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ  
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

☆—☆—☆

دیس کے اپنے کرتا دھرتا اکثر ہیں وہ لوگ  
دل میں جن کے کنکر پتھر فطرت جن کی گھاگ

بھاگ مسافر بھاگ !

گاندھی جی کا نام زباں پر من کے اندر روگ  
کام نہیں بے جھانسا پٹی، بات نہیں بے لاگ

بھاگ مسافر میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ  
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

جنا جاہل تنگی بھوکی اور یہاں کچھ لوگ  
اپنے اپنے رنگ محل میں بیٹھے اڑائیں کاگ

بھاگ مسافر بھاگ !

میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ



بھولی بھولی صورت والے پوٹ ہیں بس کی پوٹ  
گوری چٹی رنگت والے ناگ ہیں کالے ناگ

ناگ ہیں کالے ناگ مسافر، ناگ ہیں کالے ناگ  
بھاگ مسافر، بھاگ مسافر، بھاگ مسافر بھاگ

میرے وطن سے، میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ  
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

☆—☆—☆

کوچے کوچے، گوشے گوشے، لوٹ مچی ہے لوٹ  
جنگل جنگل، بستی بستی آگ لگی ہے آگ

بھاگ مسافر بھاگ !

تیرے وطن میں میل محبت، فرض کا عام احساس  
میرے وطن میں بھوٹ عداوت، اپنے اپنے بھاگ

بھاگ مسافر بھاگ !

☆—☆—☆

ہولی آئی ہولی آئی، اب ہے یہاں یہ ریت  
دولت چھینیں عصمت لوٹیں، خون سے کھیلیں پھاگ

خون سے کھیلیں پھاگ مسافر، خون سے کھیلیں پھاگ  
بھاگ مسافر میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ

اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

آزادی کی بھیک سے ملتا آخر کیا انعام  
فتنے جاگے، بھیروں ناچا، موت نے چھیڑا راگ

موت نے چھیڑا راگ مسافر، موت نے چھیڑا راگ

میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ  
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

☆—☆—☆

کیا چیز غمِ عشق کی دیوانہ دہی ہے  
 ہر چند کہ تکرارِ نظر بے ادبی ہے  
 آسان نہیں جہدِ مسلسل سے گزرنا  
 اک طرزِ تصور کے کرشمے ہیں بہ ہر رنگ  
 رونا ہے تو رونا ہے، ہنسی ہے تو ہنسی ہے  
 پر کیجئے کیا، عشق کی فطرت ہی یہی ہے  
 ہر گام یہاں مرحلہ خود شکنی ہے  
 اے دوست یہ دنیا نہ بُری ہے نہ بھلی ہے  
 اک عالمِ حیرت کہ نہ غم ہے نہ خوشی ہے  
 اتنے نہ قریب آؤ مناسب بھی یہی ہے  
 ہم آہ بھی کرتے ہیں تو خاطر شکنی ہے  
 وہ ظلم بھی کرتے ہیں تو فرماتے ہیں احسان

لے یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے کہتے ہیں جسے حُسن  
 جب دیکھیے کچھ نیند سی آنکھوں میں بھری ہے





## دردِ جگر

راز جو سینہ فطرت میں نہاں ہوتا ہے  
 سب سے پہلے دلِ شاعر میں عیاں ہوتا ہے  
 سخت خوں ریز جب آشوبِ جہاں ہوتا  
 نہیں معلوم یہ انسان کہاں ہوتا ہے  
 جب کوئی عشق میں بربادِ جہاں ہوتا ہے  
 مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے  
 حُسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے  
 اہلِ دل کے لئے سرمایہٴ جاں ہوتا ہے  
 ہائے وہ وقت کہ جب حُسن پہ آتا ہے شباب  
 اُف وہ ہنگام کہ جب عشقِ جواں ہوتا ہے  
 وقت آتا ہے اک ایسا بھی محبت میں کہ جب  
 دل پہ احساسِ محبت بھی گراں ہوتا ہے  
 کہیں ایسا تو نہیں وہ بھی ہو کوئی آزار  
 تجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے  
 ہائے وہ سلسلہٴ اشک کہ جو تیرے حضور  
 دل میں رہتا ہے نہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے

# لمعاتِ طور

## شکستِ توبہ

ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا  
بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا  
زاہد یہ میری شوخی رندانہ دیکھنا!  
سر مستی ازل مجھے جب یاد آگئی  
آزردگی خاطر ساقی کو دیکھ کر  
اے رحمتِ تمام! مری ہر خطا معاف  
پیتا بغیر اذن، یہ کب تھی مری مجال  
لہروں سے کھیلتا ہوا، لہرا کے پی گیا  
توبہ کو توڑ تاڑ کے، تھرا کے پی گیا  
رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گے  
دُنیاے اعتبار کو ٹھکرا کے پی گے  
مجھ کو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گے  
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گے  
در پردہ چشم یار کی شہ پا کے پی گے  
اُس جان میکدہ کی قسم، بار ہا، جگر!  
کل عالم بسیط پہ میں چھا کے پی گیا



## غمِ انتظار

نظر ہے وقفِ غمِ انتظار، کیا کہنا  
یہ چشمِ مست، یہ ابرو، یہ زلف، یہ خدو خال  
شباب اور مکمل شباب، ارے توبہ!  
تصادم نگہِ شوق، اے معاذ اللہ!  
فروغِ حسن و نوائے سرود و طرفِ چمن  
گلِ بنفشہ و نسرین و نسترین، کیا خوب!  
بیانِ درد و زبانِ خموش و عرضِ نیاز  
کھنچی ہے سامنے تصویرِ یار، کیا کہنا!  
یہ لب، یہ رخ، یہ جبین، یہ عذار، کیا کہنا!  
بہار اور مجسمِ بہار، کیا کہنا!  
تپسم نگہِ فتنہ کار، کیا کہنا!  
شرابِ عشق و لب جوئے یار، کیا کہنا!  
بہار و سایہ ابر بہار، کیا کہنا!  
جبینِ شوق و کفِ پائے یار، کیا کہنا!



گزارشِ دلِ غمِ آفریں، معاذ اللہ! تمام شوقِ شکایت، تمام مہر و وفا  
 نگارشِ غمِ ہمتِ شکار، کیا کہنا! فسائے دلِ بے اختیار، کیا کہنا!  
 فسوںِ نیمِ نگاہی و سحرِ استغنا سرورِ بادۂ ناخوشگوار، کیا کہنا!  
 و فورِ بے خودی و ضبطِ غم، جزاک اللہ! پیالہ گیرِ کفِ رعشہ دار، کیا کہنا!  
 شرابِ ریزِ نشلی نگہ، ارے توبہ! نشاطِ دردِ دلِ بے قرار، کیا کہنا!  
 سبکِ روانیِ اشک و خنکِ نسیمِ کرم ستمِ نما ستمِ نازِ حُسن، اے توبہ!  
 کرمِ نما ستمِ نازِ حُسن، اے توبہ! شکستِ شیشہٴ دلِ بار بار، کیا کہنا!  
 نگاہِ ناز کے پیہم اشارہ ہائے لطیف

حریمِ حُسن کے پردے اٹھے ہوئے ہیں، جگر

یہی اگر ہے غمِ انتظار، کیا کہنا!



## تصویر و تصوّر

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی، نظر میں اب تک سارے ہیں  
 یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں  
 وہی قیامت ہے قدبالا، وہی ہے صورت، وہی سراپا  
 لیوں کو جنبش، نگہ کو لرزش، کھڑے ہیں اور مُسکرا رہے ہیں  
 وہی لطافت، وہی نزاکت، وہی تبسم، وہی ترنم  
 میں نقشِ حراماں بنا ہوا تھا، وہ نقشِ حیرت بنا رہے ہیں  
 حرامِ رنگیں، نظامِ رنگیں، کلامِ رنگیں، پیامِ رنگیں  
 قدمِ قدم پر، روشِ روش پر نئے نئے گل کھلا رہے ہیں  
 شبابِ رنگیں، جمالِ رنگیں، وہ سر سے پا تک تمام رنگیں  
 تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں، تمام رنگیں بنا رہے ہیں  
 تمام رعنائیوں کے مظہر، تمام رنگینیوں کے منظر  
 سنبھل سنبھل کر، سمٹ سمٹ کر، سب ایک مرکز پہ آ رہے ہیں  
 بہارِ رنگ و شباب ہی کیا، ستارہ و ماہتاب ہی کیا  
 تمام ہستی جھکی ہوئی ہے، جدھر وہ نظریں جھکا رہے ہیں

طیور سرشارِ ساغرِ مل، ہلاکِ تنویرِ لالہ و گل!  
 سب اپنی اپنی دھنوں میں مل کر عجب عجب گیت گارہے ہیں  
 شراب آنکھوں سے ڈھل رہی ہے نظر سے مستی اُبل رہی ہے  
 چھلک رہی ہے، اُچھل رہی ہے، پئے ہوئے ہیں، پلا رہے ہیں  
 خود اپنے نشے میں جھومتے ہیں وہ اپنا منہ آپ چومتے ہیں  
 خرابِ مستی بنے ہوئے ہیں، ہلاکِ ہستی بنا رہے ہیں  
 فضا سے نشہ برس رہا ہے، دماغ پھولوں میں بس رہا ہے  
 وہ کون ہے جو ترس رہا ہے، سبھی کو میکش پلا رہے ہیں  
 زمین نشہ، زمان نشہ، جہان نشہ، مکان نشہ  
 مکان کیا، لامکان نشہ، ڈبو رہے ہیں، پلا رہے ہیں  
 وہ رُوئے رنگیں، وہ موجہٴ یم، کہ جیسے دامنِ گل پہ شبنم  
 یہ گرمیِ حسن کا ہے عالم، عرقِ عرق ہیں، نہا رہے ہیں  
 یہ مست بلبلی بہک رہی ہے، قریبِ عارض چپک رہی ہے  
 گلوں کی چھاتی دھڑک رہی ہے، وہ دستِ رنگیں بڑھا رہے ہیں  
 یہ موجِ دریا، یہ ریگِ صحرا، یہ غنچہ و گل، یہ ماہ و انجم  
 ذرا جو وہ مسکرا دیئے ہیں، یہ سب کے سب مسکرا رہے ہیں  
 فضا یہ نغموں سے بھر گئی ہے کہ موجِ دریا ٹھہر گئی ہے  
 سکوتِ نغمہ بنا ہوا ہے، وہ جیسے کچھ کُنکنا رہے ہیں  
 اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر، رہے گا لیکن یہ نقشِ دل پر  
 ہم اُن کا دامن پکڑ رہے ہیں، وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں  
 یہ اشک جو بہ رہے ہیں پیہم، اگرچہ سب ہیں یہ حاصلِ غم  
 مگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بھی کچھ مسکرا رہے ہیں  
 ذرا جو دم بھر کو آنکھ چھپکی، یہ دیکھتا ہوں نئی سچلی  
 طلسمِ صورت مٹا رہے ہیں، جمالِ معنی بنا رہے ہیں  
 خوشی سے لبریز شش جہت ہے، زبان پر شورِ تہنیت ہے  
 یہ وقت وہ ہے جگر کے دل کو وہ اپنے دل سے ملا رہے ہیں



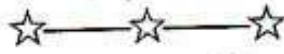
# زرگسِ مستانہ

(خطاب بہ اصغر نور اللہ مرقدہ)

اپنا ہی سا اے زرگسِ مستانہ بنا دے  
 ہر قید سے ہر رسم سے بیگانہ بنا دے  
 اک برقِ ادا خرمن ہستی پہ گرا کر  
 ہر دل ہے تری بزم میں لبریز مئے عشق  
 تو ساقیِ میخانہ بھی، تو نشہ وے بھی  
 اللہ نے تجھ کو مے و میخانہ بنایا  
 تو ساقیِ میخانہ ہے میں رندِ بلا نوش  
 یا دیدہ و دل میں مرے تو آپ سما جا  
 قطرے میں وہ دریا ہے جو عالم کو ڈبو دے  
 لیکن مجھے ہر قید تعین سے بچا کر  
 عالم تو ہے دیوانہ جگرِ حُسن کی خاطر  
 تو اپنے لئے حُسن کو دیوانہ بنا دے

کب تک نگہ یار نہ ہو گی متہتم  
 منکر تو نہ بن حُسن کے اعجازِ نظر کا  
 جب تک کرمِ خاص کا دریا نہ اُٹد آئے  
 بُت خانے میں آنکلیے تو کعبہ کی پنا ڈالی  
 جو موج اُٹھے دل سے ترے جوشِ طلب میں  
 جب مائلِ الطاف نظر آئے وہ خود ہیں  
 کونین بھی مل جائے تو دامن کو نہ پھیلا  
 پھر عرض کر اس طرح جگرِ شوق و ادب سے  
 تجھ کو نگہ یار! قسم میرے جنوں کی  
 تو اپنا ہر اندازِ حریفانہ بنا دے  
 کہنے کے لئے اپنے کو بیگانہ بنا دے  
 تو اور بھی حال اپنا سفیہانہ بنا دے  
 کعبہ میں پہنچ جائے تو بُت خانہ بنا دے  
 سر رکھ کے وہیں سجدہ شکرانہ بنا دے  
 تو ہر نگہ شوق کو افسانہ بنا دے  
 کونین کو بھولا ہوا افسانہ بنا دے  
 بے باک اگر جرأتِ زندانہ بنا دے  
 ناصح کو بھی میرا ہی سا دیوانہ بنا دے

میں ہوں ترے قدموں میں، مجھے کچھ نہیں کہنا  
اب جو بھی ترا لطف کریمانہ بنا دے



## یادِ ایام

ذوقِ صورت ساز و شوقِ جلوہ ساماں داشتم  
دست در دستِ نگارِ شوخ و سیر کوہِ طور  
از جمالِ حُسنِ ساقی، صد بہاراں در نظر  
در فضائے آسمانِ حُسن، چوں سیارگاں  
گہ بزیرِ طور، پیہم دعوتِ ذوقِ نظر  
آہ، آں ساعت کہ از فیضِ جمالِ ہم نشین  
حسرتِ آفتِ سرشت و آرزوئے بے قرار  
مخمرستاں بودم و از فیضِ دردِ مستقل  
کیست؟ کو گوید بہ سرکار از دلِ بیکس پیام  
یادِ ایامے کہ منزلِ منزلِ جاں داشتم  
بود حاصلِ ہر تمنائے کہ پنہاں داشتم  
وز فروغِ یادہ بر خود صد گلستاں داشتم  
اصغر دہم شاد دہم اختر غزلِ خواں داشتم  
گہ بہ مقفشِ دولتِ حُسنِ خراماں داشتم  
ہر نفس در ہر نظر، جنتِ بداماں داشتم  
آنچہ در دل داشتم، بجد و پایاں داشتم  
پیش چشمِ شوقِ ہر سو مخمرستاں داشتم  
چوں تو کافر ماجرا سرو خراماں داشتم

ہم چمن آوارہ ام ہم سربہ صحرا دادہ ام!

من جگر ہستم، ہماں کامروز دور افتادہ ام

یاد ہیں اب تک جگر وہ بیقراری کے مزے  
وہ جبینِ شوقِ اپنی، وہ کسی کے پائے ناز  
حُسن کی سرشاریاں، خوابِ جوانی کی بہار  
کہئے کیا کیفیتِ ناز و نیازِ حُسن و عشق  
وہ سکونِ بیخودی وہ جلوۂ حیرتِ فروش  
شوق کی رُو داد پر وہ حسن کی بے مہریاں  
آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کچھ نگاہِ ناز کا  
انتہائے سادگی و شوقِ سامانی کے لطف  
دلِ مجتسم درد ہے، دل ہی سے اک دن پوچھئے  
دردِ پیہم کی لگاوت، زخمِ کاری کے مزے  
سجدہ ریزی کی لطافت، اشکباری کے مزے  
عشق کی بیتابیاں، شبِ زندہ داری کے مزے  
راز داری جانتی ہے راز داری کے مزے  
وہ جنونِ شوق، وہ بے اختیار کے مزے  
عشق کی فریاد پر وہ شرمساری کے مزے  
دل ہی دل میں اُف! وہ ذوقِ جاں نثاری کے مزے  
ابتدائے عاشقی و خام کاری کے مزے  
شام سے لے کر سحر تک دمِ شماری کے مزے

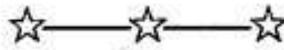
۱۔ جناب شیخ اصغر حسین مین پوری، جناب شاد مین پوری اور جناب اختر رام پوری (جگر)



ہر خیال تازہ کی ناستواری کے مزے  
 حسن کی نامستقل غفلت شعاری کے مزے  
 وہ نگاہ شریگیں کی غم گساری کے مزے  
 اُس کے ہر انداز پر بے اعتباری کے مزے  
 خوشگوااری کے مزے ناخوشگوااری کے مزے  
 اب کہاں بے گردگی میں پردہ داری کے مزے؟  
 اب کہاں سے لائے اُس میکساری کے مزے؟  
 شورِ مستانہ کجا و جلوہ ساقی کجا  
 آہ، آں منظر کجا و آں مئے باقی کجا

اے کہ وابستہ ترے دم سے نظامِ آرزو  
 تو کہ جانِ حُسن ہے اور حُسن تیری جان ہے  
 تیری ہر موجِ تبسم، تیری ہر موجِ نظر  
 تیرا روئے آتشیں، سجودِ صبحِ دلبری  
 چشمِ و دل پر وہ عنایت وہ کرم وہ مرحمت  
 میں نہیں بھولا تجھے تجھ کو بھی شاید یاد ہو  
 سن پیامِ آرزو، بعد از سلامِ آرزو  
 ہاں مبارک ہو تجھے عیشِ دوامِ آرزو  
 ایک برقی طور تھی، بالائے بامِ آرزو  
 تیری زلفِ عنبریں، معبودِ شامِ آرزو  
 اللہ اللہ! تو کرے یوں احترامِ آرزو  
 مجھ پہ وہ چھایا ہوا کیفِ تمامِ آرزو

حرفے از دردِ دل بے مدعائے گفتن است  
 ماجرائے گفتن و صد ماجرائے گفتن است



## مجدوب کی صدا

اگر نہیں ہوں تو کیونکر؟ جو ہوں تو کیا ہوں میں  
 خطا معاف کہ مجبور التجا ہوں میں  
 نظر کی چند شعاعوں میں گھر گیا ہوں میں  
 وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے، یہ دیکھتا ہوں میں  
 خدا نہیں ہوں مگر مظہرِ خدا ہوں میں  
 خود اپنے حُسنِ صفائی پہ بتلا ہوں میں  
 اسی تلاش و تجسس میں کھو گیا ہوں میں  
 بیانِ جرمِ محبت ہے، جانتا ہوں میں  
 فریبِ خورد و رنگینی ادا ہوں میں  
 کمالِ بے بصری پر بھی کیا بلا ہوں میں  
 تمام اصل و حقیقت کا آنا ہوں میں  
 کرشمہ سازی ہنگامہ جہاں معلوم

جہانِ عشق میں آوارگی نہ پوچھ مری  
 گواہ ہیں مری رسوائیاں محبت میں  
 جنونِ عشق میں عریانیوں پہ میری نہ جا  
 نبود و بود کا کل راز جس میں مضمحل ہے  
 فتادگی مرا شیوہ شگستگی مری شان  
 سمجھ میں خاک نہ آئیں گے معنی و مطلب  
 گراں ہے میری لطافت پہ یہ غبار وجود  
 کدھر ہے؟ منظر ہستی کے دیکھنے والے!  
 وہ جام اک مئے بے رنگ کا پلا ساقی!  
 بجا ہے حُسن اگر مجھ پہ اعتماد کرے  
 نگاہِ شوق کو بھی رخصتِ کلام نہ دی  
 قدم ذرا جو ہٹے جادۂ وفا سے کہیں  
 گھٹلا ہوا ہے مرے سامنے صحیفۂ عشق  
 مٹائے لاکھ زمانہ، مٹا نہیں سکتا  
 ہر ایک شے نظر آتی ہے خود مری تصویر  
 فضائے دہر کی ہر موج جس سے رقص میں ہے  
 جہاں نہ پھونک دیں آتش نوائیاں میری  
 تصورات کی آئینہ بندیاں بے سود  
 مجھے تلاش کر، اے بخودئی شوقِ سجود!  
 مجھے نہ چھیڑ بہت، اے نسیمِ صبحِ کرم!  
 مٹا نہ صفحہ ہستی سے میرا نقشِ وجود

جلگر، یہ ہرزہ سرائی مری، یہ بے ربطی

یقین ہو کسی ”مجذوب کی صدا“ ہوں میں



## نغمہِ اسلام

ہر طرف غل ہے، وہ آیا جگر بادہ پرست      اثر نشہ صہبا سے سراپا بدست  
شعرِ حافظ بزبان، جام بکف، شیشہ بدست      بے خیر از ہمہ عالم، چہ بلند است و چہ پست

شورِ مستانہ کہاں اور سخنِ وعظ کہاں

آج یہ رند کہاں، انجمنِ وعظ کہاں

جمعِ مؤمن بھی ہیں، عالم بھی ہیں، دیندار بھی ہیں      معتدل رنگ کے بھی لوگ ہیں، احرار بھی ہیں  
واقفِ رازِ سرا پردہ اسرار بھی ہیں      دیں کے طالب بھی ہیں، دنیا کے طلبگار بھی ہیں

کیا سمجھ کر یہ چلے آئے ہیں اپنے جی میں

ان سے پوچھو تو کوئی، آپ ہیں کس گنتی میں

جانتا ہوں کہ ہوں دراصل میں تنگ اسلام      کچھ نہ اندیشہ آغاز نہ خوفِ انجام  
میری آشفٹہ مزاجی میں نہیں کوئی کلام      وہی میخانہ و ساقی، وہی بادہ، وہی جام

مجھ کو اپنی روش خاص سے انکار نہیں

میرے مشرب میں ریا کاری دیندار نہیں

باہمہ رندی و سرمستی و عشرتِ طلبی      ہوں در احمد مرسل کا غلامِ نسبی  
”مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی      دل و جاں بادی فدایت چہ عجب خوش لقمی!“

کیوں نہ پھر رحمتِ باری کا طلبگار ہوں میں

ہاں مجھے فخر ہے اس پر کہ گنہگار ہوں میں

وہ رسولِ عربی، فخرِ رسولانِ سلف      ذاتِ اقدس سے ملا جس کی زمانے کو شرف  
جس پہ نازل ہوا قرآن سا کامل مصحف      جس کے تابع جن وانساں، ملائک کی بھی صف

اک وہی شمعِ نبوت جو ضیا بار ہوئی

ساری تاریک فضا مطلع الانوار ہوئی

ہر زمانے میں پیبر بھی، نبی بھی آئے      مصلحِ ملتی و منلکی بھی، رشی بھی آئے  
حق کے جو بندہ بھی اور حق کے ولی بھی آئے      واقفِ محرم سرِ ازلی بھی آئے

آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر

کوئی آیا نہ مگر رحمتِ عالم بن کر

کس نے جامِ مئے توحید پلایا سب کو؟ کس نے پیغامِ مساوات سنایا سب کو؟  
راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو؟ کس نے اس حُسن کا دیوانہ بنایا سب کو؟

تم نے دیکھا ہے بہت دفترِ پیغام اس کا  
اور ایسا کوئی گذرا ہو تو لو نام اس کا  
تم میں صدیق سا گذرا ہو تو للہ! دکھاؤ تم نے فاروق سا دیکھا ہو تو للہ! دکھاؤ  
کوئی عثمان سا آیا ہو تو للہ! دکھاؤ کوئی حیدر سا جو پایا ہو تو للہ! دکھاؤ

ثانی احمد بے میم تو کیا لاؤ گے  
اس کی امت کی مثالیں بھی نہیں پاؤ گے  
غم نہ کر مسلم حیرت زدہ و مہر بلب آشنا رنگِ فنا سے نہیں تیرا مذہب  
یہ حوادث ہیں ترے تیری ترقی کے سبب تیرے حامی ہیں نبی، تیرا نگہبان ہے رب  
فتنے اکثر بہت اس طرح کے اٹھوائے گئے  
ایسے دجال زمانے میں بہت آئے، گئے



## ہلالِ عید

آہ اور عشرت فزائے روحِ انسانی ہلال! آہ او قدت نمائے شانِ یزدانی، ہلال!  
آہ او فطرتِ لقائے بزمِ نورانی، ہلال! آہ او صورتِ کشائے ذوق و جدانی، ہلال!

تُو نویدِ انبساطِ خاطرِ پڑمردہ ہے

حسرتِ اُس مایوس پر، اس پر بھی جو افسردہ ہے

دیکھتا ہوں میں تجھے، تو دیکھتا ہے میرا حال جانِ مضطر، قلبِ آزرده، پریشاں سر کے بال

تو دلیلِ اوج و رفعت، میں سراپا پائمال آہ یہ دن، آہ یہ شب، آہ یہ شامِ ملال

از دل افکارِ جنوں وجہِ دل افکاری مپرس

آہ غمِ خوارِ غم! حالِ غمِ آزادی مپرس

حالِ میرا پوچھتا ہے، مجھ سے تُو، اے بے خبر! ہو چکی تاریک چشمِ یاس میں شام و سحر

آہ وہ غم کی کہانی بڑھ گئی ہے کس قدر! جس کو میں سمجھے ہوئے تھا داستانِ مختصر

سال بھر پیچھے عیادت کو مری آیا ہے تُو

لا، دوائے اضطرابِ درد کیا لایا ہے تُو



خیر تو خاموش ہے، تو ہم سمجھتے ہیں یہ راز خیر، تو چُپ ہے، تو ہم خود ہی بجاتے ہیں یہ ساز  
اٹھ گئی تھی جب سے تیری جانب اک انکشتِ ناز ہے اسی دن سے طبیعت تیری اس درجہ گداز  
تیرے گھٹنے اور بڑھنے میں بھی پنہاں بھید ہے  
تو قہلِ غم نہیں ہے، زندہ جاوید ہے  
مجھ میں تجھ میں، اک زمین و آسماں کا فرق ہے میں ہوں مضطر، تو ہوائے دلکشی میں غرق ہے  
تیرے آگے زرد چہرہ آفتابِ شرق ہے اور میرے واسطے تیری جھلک ہی برق ہے  
ہاں، مگر اک امتیازِ عاشقی مجھ میں بھی ہے  
جاننا ہوں میں کہ جو مجھ میں ہے وہ تجھ میں بھی ہے  
فرق اتنا ہے کہ تُو ہے کامیابِ آرزو ذرہ حسرت ہوں میں، تو آفتابِ آرزو  
اٹھ چکا ہے تیری نظروں سے حجابِ آرزو اور اب تک گم ہوں میں زیرِ نقابِ آرزو  
لاکھ پر بھاری ہے تیری ایک ہستی نحیف  
دیکھ لینے سے ترے کھل جاتی ہے چشمِ ضعیف  
اک زمانہ تھا کہ تھی میری طبیعت بھی گداز اب تو ہوں اک ہستی موہوم کا خاموش ساز  
جتنے سجدے تھے جس میں، کر چکا صرف نیاز ہو چکی مہمانیِ غم اٹھ چکے اب دل کے راز  
بدر تھا پہلے، مگر اب میں ہلائی ہو گیا  
ہجر میں اتنا گھلا، نقشِ خیالی ہو گیا  
آ کہ رخصت تجھ سے ہو لوں، تیری رخصت دیکھ لوں آ کہ دم بھر اور اپنا نقشِ حسرت دیکھ لوں  
آ کہ تیرے آئینے میں خطِ قسمت دیکھ لوں آ کہ اپنے دیکھنے والے کی صورت دیکھ لوں  
دیکھ کر صورت تری، جان اپنی دے دوں گا تجھے  
اب کے دیکھا ہے تجھے، اب کے نہ دیکھوں گا تجھے

(نا تمام)

## برخویش نگاہے کن

نورِ مطلق کی ضیا اس عرش کے تارے میں دیکھ  
اعتبارِ حُسن پر یہ شورش و مستی تری!  
ختم ہونے کے قریب آیا ہے افسانہ ترا  
قعرِ پستی سے اُبھر اور اپنی خود آواز بن  
اپنی خوابیدہ حقیقت دل کے گہوارے میں دیکھ  
کچھ خبر بھی ہے تجھے، کیا چیز ہے ہستی تری  
خود پیامِ مرگ ہے محدود ہو جانا ترا  
نغمہ بنتا ہے اگر، نغمہ بے آواز بن

تو چھپاتا کیوں ہے اپنے حُسنِ عریانی کا راز  
بوئے گل کی طرح پھیلا دے پریشانی کا راز

اک جدائی کے سبب ہنگامہ برپا ہو گیا  
تشنگی کو بحرِ نا پیدا کنارِ دل بنا  
پھر انہیں موجوں کو تو کشتی بنا ساحل بنا  
ہر نفس میں تیرے پوشیدہ ہے میخانہ ترا  
مل گیا دریا سے جب قطرہ تو دریا ہو گیا  
کل فضائے دہر اک چھوٹا سا پیمانہ ترا  
اک پیامِ مستقل ہر نعمتِ برہم میں ہے  
غَم سے وابستہ ہے ہر عنوانِ بابِ زندگی  
ہے یہی بسمِ اللہ اُمّ الکتابِ زندگی

(نا تمام)

## تخمیس برغزلِ اُردو

غَم عاشقی ہے، فغاں گو بکُو ہے  
کہیں سبزہ و گل، کہیں دشتِ ہو ہے  
ہر اک لحظہ منتظرِ نیا زوہرِ و ہے  
تری آرزو ہے، تری جستجو ہے  
خیالِ ایک جانب، نگہ چار سو ہے  
مجت ہی ناظم، مجت ہی ناثر  
مجت ہی باطن، مجت ہی ظاہر  
مجت ہی میں ہوں، مجت ہی تو ہے  
ترا وصلِ اچھا، ترا ہجرِ پیارا  
ترا شعلہٴ عشقِ آنکھوں کا تارا  
پھڑکتی ہوئی جان کا غم سہارا  
دھڑکتے ہوئے دل کی تسکین تو ہے  
وہ عارضِ شگفتہ گلِ باغِ جنت  
وہ پیشانیِ صافِ صبحِ سعادت  
وہ چشمِ سیہ، سائے ابرِ رحمت  
وہ رنگِ نزاکت، وہ حُسنِ لطافت  
کلی کا تبسم ہے، پھولوں کی بو ہے  
کہیں عشق ہی عشق ہے مست و رسوا  
کہیں حُسن ہی حُسن ہے بادہ پیا  
غرض چھان ڈالی محبت کی دنیا  
ان آنکھوں نے دیکھا یہی اک تماشا  
کہیں میں ہی میں ہوں، کہیں تو ہی تو ہے  
وہ کہتے ہیں سب، دل کے انداز کہئے  
ہر اک راز بے پردہٴ راز کہئے  
مجت کا انجام و آغاز کہئے  
کہاں تک غمِ عشقِ شیراز کہئے

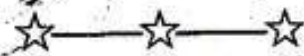


کہ ہر آرزو محتر آرزو ہے!



## تخمیس برغزل فارسی

گہے لخت لخت جگر می فروشم گہے حاصل چشم تری فروشم  
 بہر گام کعل و گہر می فروشم نہ تنہا دل و جان و سر می فروشم  
 دو عالم بہ تیغ نظر می فروشم  
 ازل سے ہوں خو کردہ یاس و حرماں مری طبع خود دار ہے ناپشیمان  
 مبادا کہ ہو مشکل شوق آساں من آں درد مندم کہ در درد دو درماں  
 دعا می فروشم، اثر می فروشم  
 جدا ہے زمانے سے میرے طبیعت گوارا نہیں ایک دم، ایک حالت  
 وہی میں، وہی تو، وہی چشم رحمت چہ ایذا پسندم کو در عین قربت  
 بشام جدائی سحر می فروشم  
 سنے تھے بہت میں نے بھی ہی فسانے نگاہوں میں پھرتے تھے اگلے زمانے  
 دکھایا مجھے بھی ہی عشق و فنا نے بہر لحظہ می گیرم ازغیب جانے  
 بہر لمحہ جانِ دگر می فروشم  
 ترے ہاتھ مجھے ہوں شہادت کا خواہاں نہ رکھ میری گردن پہ غیروں کا احساں  
 یہ جاں تیرے صدقے، یہ دل تیرے قرباں بہ تیغ اشارت سر افراز گرداں  
 بگرد سرائے تو سر می فروشم  
 بلندی ہی باقی رہی اب نہ پستی فدا تجھ پہ میں اور مری سے پستی  
 یہی ہے بس اب حاصل حسن ہستی خوشا ذوق و مستی کہ ہم ذوق و مستی  
 سرت گروم و بے خبر می فروشم  
 غزل می سرایم چہ حال و چہ قال است خیال است مستی و مستی خیال است  
 بجانِ محبت! کہ خونم حلال است جگر، ایں چہ شور و جگر ایں چہ حال است  
 کہ سردام و باز سر می فروشم



## مثنوی عرفانِ خودی

(المعروف بہ "سرورِ حقیقت")

میرا نہیں غیر کوئی محرم  
 غنچوں میں نہاں ہیں میرے اسرار  
 ذروں میں چمک ہے میرے دم سے  
 ہر بام ہے کوہِ طور میرا  
 ہے جسم میں سب کے جان مجھ سے  
 میں جسم بھی اور جان بھی ہوں  
 یعنی یہ جہاں نہیں ہے میں ہوں  
 کعبے کی مرے سب سے بنیاد  
 ناقوس کہیں، کہیں ازاں ہوں  
 ہر قلب میں ہے مقام میرا  
 حسنِ اک نگاہِ نازِ میری  
 دریا میری چشمِ تر سے پیدا  
 کیا ان کا بیاں کریں زبانیں  
 ہوش و خرد و ہوس سے باہر  
 اک بحر ہے میرے ظرف میں گم  
 خود موت ہوں، خود حیات ہوں میں  
 سب اصل و مجاز میرے انداز  
 گھلنے پہ جو آئیں میرے اسرار  
 اک بات میں سینکڑوں ترنم

سب مجھ میں ہے کائناتِ عالم  
 پھولوں میں عیاں ہیں میرے انوار  
 قطروں میں جھلک ہے میرے دم سے  
 عالم پہ محیط نور میرا  
 وابستہ ہے گلِ جہان مجھ سے  
 میں دل میں ہوں اور زبان بھی ہوں  
 یہ کون و مکاں نہیں ہے، میں ہوں  
 بُت خانہ مرے قدم سے آباد  
 نغمہ ہوں کہیں، کہیں فغاں ہوں  
 فیضان ہے سب پہ عام میرا  
 عشقِ اک صفتِ نیازِ میری  
 صحرا مری خاکِ در سے پیدا  
 محدود نہیں ہیں یہ میری شانیں  
 میں اُن کی دسترس سے باہر  
 گن میرے ہر ایک حرف میں گم  
 خود ذات ہوں، خود صفات ہوں میں  
 کونیں کا راز میرے انداز  
 اوراق ہوں دو جہاں کے برکار  
 اک چپ میں ہزار ہا تکلم!



چہرے سے جو میں نقاب اٹھا دوں  
دامن کو اگر نچوڑ دوں میں  
احساس کی آنکھ سے ہوں مستور  
کیوں کر ہوں مرے شمار عالم  
لیکن بخدا، خدا نہیں ہوں!  
یہ شانِ عبودیت ہے میری  
پابندِ شریعتِ نبی ہوں

پروانوں کو شمع سے چھوڑا دوں  
دریا کا غرور توڑ دوں میں  
ادراک کی سرحدوں سے ہوں دور  
ہر سانس میں ہیں ہزار عالم  
اس کفر میں مبتلا نہیں ہوں!  
خود ذاتِ میری صفت ہے میری  
خاکِ درِ دولتِ غنی ہوں



## واسوخت درغزل

دل ہی کو صنم بنائیں گے ہم  
تجھ سے بھی سوا حسین بن کر  
وہ دن بھی قریب ہیں کہ ظالم!  
باطن میں ترے قریب رہ کر  
زندہ ہی رہے گی مستی عشق!  
چھٹنا ہے کہیں ترا تصور

آئی گے کہیں نہ جائیں گے ہم  
اپنا سا تجھے بنائیں گے ہم  
تو روئے گا مسکرائیں گے ہم  
ظاہر میں نظر نہ آئیں گے ہم  
مرنے پہ بھی مرنے جائیں گے ہم  
ساتھ آئے ہیں ساتھ جائیں گے ہم



کوئی جو نہیں، نہ ہو ہمارا  
تعمیر کنشِ دل کو ڈھا کر  
رو پوش تری نظر سے ہو کر  
باطن میں ہو جو بھی دل کی حالت  
ہر بات میں کر کے بات پیدا  
پہلے دے کر فریبِ وعدہ  
پھر کر کے خرابِ شوقِ برسوں  
جنگلِ جنگلِ زلانے والے!  
دیوانہ کی بڑ سمجھ نہ اس کو

اللہ سے لو لگائیں گے ہم  
اک کعبہ نو بنائیں گے ہم  
پہروں تجھے یاد آئیں گے ہم  
ظاہر میں بہت ستائیں گے ہم  
جب چاہیں گے، روٹھ جائیں گے ہم  
امیدِ کرم دلائیں گے ہم  
صورت نہ تجھے دکھائیں گے ہم  
کونے کونے زلائیں گے ہم  
جو کہتے ہیں کر دکھائیں گے ہم

بیزار جگر کی شرم رکھ لے  
کہہ دے، ترے ناز اٹھائیں گے ہم



## میرے لئے

اُف وہ روئے تابناک و چشمِ تر میرے لئے  
ہر نفس میں ایک دُنیاےِ محبت نو بہ نو  
حیف! وہ لغزیدہ لغزیدہ قدم میری طرف  
وہ رُخِ رنگیں پہ انوارِ محبت زرد زرد  
سر سے پاتک آہ وہ اک پیکرِ حُسنِ حزیں!  
سرد سرد آہوں میں تاثیرِ محبت گرم گرم  
جوشِ غم، جوشِ حیا، آغازِ عشق، احساسِ حُسن  
سامنے آتے ہی آتے وہ تنفس تیز تر  
وہ سرک جانا یکا یک روئے تاباں سے نقاب  
ہر ادائے جاں نوازی، حُسنِ خیز و عشقِ خیز  
اُف! وہ آغوشِ تہی، بیتابِ آغوشِ دگر  
ہائے وہ رنگین رُخ و سیمیں تن و زریں کمر  
شبنمِ آلودہ وہ آنکھیں، وہ گلاب افشاں جبین  
اس نگاہِ ناز میں وہ ہلکی ہلکی جنبشیں!  
میں سراپا بے نیازِ ربط و ضبطِ حُسن و عشق  
وہ مری آزادِ فطرت وہ مری تمکین و ہوش  
اُف! اول آہ، وہ دل میں میرے احساسِ عشق  
لحظہ لحظہ وہ میرا پیہم سکوتِ مضطرب

ہائے! وہ زلفِ پریشاں تا کمر میرے لئے  
ہر نظر میں اک پیامِ تازہ تر میرے لئے  
ہائے! وہ دزدیدہ دزدیدہ نظر میرے لئے  
وہ لبِ نازک پہ طوفانِ دگر میرے لئے  
چار جانب دیدہ حسرتِ نگر میرے لئے  
خشک خشک آنکھوں میں جوشِ اشکِ تر میرے لئے  
کشمکش ہی کشمکش آٹھوں پہر میرے لئے  
سینہ شفاف وہ زیر و زبر میرے لئے  
حیرت افزا رونقِ دیوار و در میرے لئے  
پھر بھی ہر اک سعیِ پیہم بے اثر میرے لئے  
اُف! وہ دردِ شوقِ محتاجِ اثر میرے لئے  
ہائے! وہ لعلیں لب و سلکِ گہر میرے لئے  
وہ دھڑکتا دل، وہ گہرائیِ نظر میرے لئے  
معنی بے لفظ و شرحِ مختصر میرے لئے  
وہ مجسمِ حُسن و عشقِ معتبر میرے لئے  
وہ شکستِ حُسن، وہ پیچیِ نظر میرے لئے  
آخر آخر اُف، وہ نوکِ نیشتر میرے لئے  
لحہ لحہ عالمِ نوعِ دگر میرے لئے

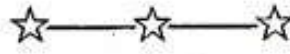
اُف وہ کہنا اُس کا پھر باہوں میں باہیں ڈال کر  
میں جگر کے واسطے ہوں اور جگر میرے لئے





## رُبَاعِي

صد شکر کہ پہلو میں میرے دل نہ رہا وہ کشتہ صد فریب منزل نہ رہا  
یہ کیا کم ہے کہ تیرا بندہ ہے جگر اس کا کیا غم کہ تیرے قابل نہ رہا



## بادۂ شیراز

### غزلیات

اے کہ می پرسی ز کارِ ما و جہدِ کارِ ما چاک شد از دست ماہرِ پردہٴ اسرارِ ما  
مادیک نظارۂ نقش و نگارِ حسنِ خویش شہدِ طنازِ فطرتِ آئینہٴ بردارِ ما  
صد حقیقتِ عرضِ میگرد، اے سکوتِ بخودی! پردہ دارِ حرفِ مطلبِ شد لبِ گفتارِ ما

صد بہارِ خلد، یعنی خندۂ دز دیدہ است

شورِ محشرِ چیست؟ غوغائے پس دیوارِ ما



بیا، بجانِ ما ہمیں سرورِ جاودانِ ما ہزار بادہ می چکد ز جانِ ما بہ جانِ ما  
شراب و ساغر و سبوگل و بہارِ آب جو دوصد جہانِ رنگ و بو، نمود یک جہانِ ما  
گلے و جامِ سرخوش، خوشی و صد شگفتگی شگفتگی و صد خوشی ز سرخوشی شانِ ما  
نسیمِ شکرِ غمِ کند، وظیفہٴ دمِ بدمِ کند سرِ نیازِ خمِ کند بہ خاکِ آستانِ ما  
بیا، بنوش جامِ مے، چہ جامِ مے، تمامِ مے کہ ما اذنِ عامِ مے، خوش است ارمغانِ ما  
کنوں بسوئے مانگر، بہ رنگ و بوئے مانگر بہ حسنِ روئے مانگر، چہ حاجتِ بیانِ ما

بہ ہر زمیں کہ بختِ ایم، طلسمِ تازہ بستہ ایم

غرورِ ہا شکستہ ایم گواہِ ما بیانِ ما



آوارہ ہر نگاہِ زجرمِ نگاہِ کیست؟ دیدنِ گناہِ ماست، نہ دیدنِ گناہِ کیست؟  
دیوانہ وارِ جاں بفشاندنِ گناہِ من بیگانہ وارِ رخ نہ نمودنِ گناہِ کیست؟

پیدا زہر نگاہ خریدم ہزار حسن  
 منظر! بزن سرود بہ اندازِ دلبری  
 سر مستقیم رُود بے دل ز سینہ ہا  
 عالم ہمہ نگاہ و صدائے زہر نگاہ  
 شغلِ گناہ کردن و رفتن، گناہ من  
 ساتی! بریز بادہ و از کیفِ سردی  
 ہستی تمام مستی، و مستی تمام کفر  
 مست اند اہل درد و نہ بیند یک نفس  
 پنہاں بیک نگاہ ندیدم نگاہ کیست  
 ایں دشنہ باز خواں کہ ”نگاہم نگاہ کیست؟“  
 عکس نگاہ و پرتو زلفِ سیاہ کیست؟  
 ایں عالم نگاہ فریب نگاہ کیست؟  
 ذوقِ گناہ دادن و دیدن گناہ کیست؟  
 آں ہم یکے ناگہ کو گویم نگاہ کیست؟  
 دائم بہ جام و میکدہ کافر نگاہ کیست؟  
 درد امن نسیم سحر خاکِ راہ کیست؟

صد نقش سجدہ تا در بت خانہ دیدہ ام  
 ایں ہم جگر اشارہ طرفِ کلاہ کیست؟



بوئے دل از غبار می آید شاید آں شہ سوار میں آید  
 ایں ندائے زدار می آید ”جاں فدا کن کہ یار می آید“  
 عشق در ہر دیار نالہ کند حسن از ہر دیار می آید  
 سینہ خالی کنید از دل ہا یار بہر شکار می آید  
 مژدہ اے دل! کہ بہر استقبال رحمتش بے قرار می آید  
 ہم نشیں رازِ عشق می پرسد نالہ بے اختیار می آید  
 من بہ پنہاں جگر تلاش کنم  
 اور مگر آشکار میں آید



مست و سرشار و زمیں بوس صبا میں آید  
 برو، اے ناصح ناداں! مکن او را بدنام  
 خواہ در صومعہ رو، خواہ بہ میخانہ نشین!  
 دل از سوزِ تغافل ہمہ تن شعلہ بجاں ست  
 مژدہ، اے دل! کہ مسیحا بہ قفا می آید  
 کز جفا ہاش مرا بوئے وفا میں آید  
 اور بہ ہر رنگ کہ خواہی بخدا! می آید  
 در کنم شکوہ، از اں نیر حیا می آید

دین ایں نیست کہ جاں تازہ چرا کرد نسیم  
 دیدن ایں است کہ آخر ز گجائی آید





لب بہ بسند و بہر مومے زبانم دادند      پاشکستند و بہر سومے نشانم دادند  
 تاب از دل بر بودند و فغانم دادند      تیراز دست بردند، کمانم دادند  
 دل سرگشته و چشم نگرانم دادند  
 آنچه دادند، پے شورش جانم دادند



گویند کہ ہم زاہد در دیدہ بھر دارہ  
 از ذات و صفات او، آں کس کہ خبر دارد  
 بے کیفی در عشق، صد کیف و اثر دارد  
 زیں اصل و نزاکت ہا زاہد چہ خبر دارد؟  
 آں کس کہ بجویش آمد، در بے خبری گم شد  
 لرزیدن و رقصیدن، اے صوفی بے معنی!  
 در عین وصال او، یا بم اثر دوری  
 از حسن عمل غافل، یک لحظہ مباش اے دل!  
 مفتی بحق منصور، نوشت عجب فتویٰ  
 در عین فتائے عشق از خضر چہ کار، اے دل؟  
 آں مے کہ بہ میخانہ، آتش زنداندر دل  
 من عاشق آں شوخ کو از سر محبوبی  
 با جملہ قدح خوراں ہر چند کہ ربطے ہست  
 در عاشقی و مستی، ہشیار بیا، اے دل!

دارد بصرے، اما تعین نظر دارد  
 ہر لحظہ و ہر ساعت دنیائے دگر دارد  
 زیں سر نہاں، لیکن ہر کس نہ خبر دارد  
 کو حسن نظر دارد، جنت بہ سقر دارد  
 واں کس کہ ز خود گم شد، از جملہ خبر دارد  
 ایں جملہ کہ تو داری، ہر شعبہ گر دارد  
 اے پیر رہ عشقم! ایں پردہ کہ بردار؟  
 ہر شے کہ تومی بینی، واللہ کہ نظر دارد  
 کافیت پے قلش ایں جرم کہ سردار  
 ایں رہ کہ بہ پیاید از سایہ حذر دارد  
 در خاتقہ زاہد تاثیر دگر دارد  
 مانوس دلے دارد، بیگانہ نظر دارد  
 با درد کشاں ساقی پیمان دگر دارد  
 ہر ذرہ دریں صحرا طوفان شرر دارد

آں رند خراباتت، نامش کہ جگر خوانی

بر روئے صفائے تو "ہم از تو نظر دارد"



کے کہ چشم بیدارے ندارد      ز انوار خودی کارے ندارد  
 جنون عشق، اے دل مستند نیست      اگر ہر آبلہ خارے ندارد  
 جنون عشق مارا قید کر دست      دراں زنداں کہ دیوارے ندارد



دل بہ تمنا بمرز، جاں بہ مسیحا رسید  
 ایں غم دُنیا و دین تا بہ کجا روز و شب  
 ذرہ بہ صحرا برفت، قطرہ بہ دریا رسید  
 خیز، کہ باد بہار، باسے و مینا رسید



خبر ہیچ زمزل کہ جاناں نہ رسید  
 عمر آخر شدو افسانہ بیاباں نہ رسید



از شبا بش شراب می ریزد  
 عجب ہنگامہ زیرِ بام کردند  
 ز آفتاب، آفتاب می ریزد  
 تماشا خاص و سودا عام کردند  
 تنگ ظرفی خمارے کرد پیدا  
 سے دو شینہ را بد نام کردند



در رہ عشق شادماں بگور!  
 پردہ بردار از زرخ عالم  
 ہم جواں خیز و ہم جواں بگور!!  
 و ندراں بزم ناگہاں بگور!!  
 گاہ نعرہ کنان و مست برو!  
 گاہ با نالہ و فغان بگور!!  
 سینہ بشگاف و جلوہ حاصل کن!  
 جاں بکف آر واز جہاں بگور!!  
 گر تو داری ہوائے ملک حبیب  
 خیزو از قید جسم و جاں بگور!!  
 پابجولاں بہ پیش یار برد!  
 دست افشاں زایں و آں بگور!!  
 رہ منزل شدست خارستاں!  
 باز با چشم گل فشاں بگور!!  
 درد اگر نیست، نالہ سخ مشو!  
 گر مکیں نیست، از مکاں بگور!!  
 لطف نظارہ جمال حبیب  
 حاصل این ست و ہم ازاں بگور!!

ہم چون نقش قدم جگر منشیں

صورت گرد کارواں بگور!!



کعبہ درپائے یار دیدم دوش  
 حسن پنہاں و جلوہ ہاست بجوش  
 ایں چه گفتی جگر خموش، خموش  
 اصل خاموش و فرعہا بخروش  
 سحر آمد ایں نداز سروش  
 سینہ بخراش و بیہندہ مخروش  
 ہوش در مستی است و دل مد ہوش  
 نغمہ در ساز و ساز ما خاموش  
 از رہ خالقہ گزشم دوش!  
 خاست ناگہ صدائے نوشانوس  
 دل پریشاں حواس و حسن نیاز  
 شیشہ نازک تراست و بادہ بجوش



اے اسیر تعینات جہاں! تو چہ دانی کہ چست مستی و ہوش!  
 بادہ پیش آر! تاکنم آغاز داستاں ہائے عشق آفت کوش  
 حسن در جنگ زرگری ست بہ عشق عشق راگو کہ واکند آغوش  
 عشق در بے لباسیم فرمود ”بجز ایں دیگرے لباس مپوش“  
 بے خبر رو کہ ہوش در مستی است ہوشیار آ کہ بیخودی ست بہ ہوش  
 ایں بود، جسم ماشود، بے حس آں مبادا کہ جاں شود خاموش  
 گفتہ بودم فسانہ از مستی! تو شنیدی چہ از عالم ہوش  
 قاضیا! ایک نظر بسوئے جگر آں کہ یک خادم است و حلقہ بگوش



شب مہ است و لب جوئے وقتنہ ہا خاموش  
 بگیر! جام بگیر و بنوش! بادہ بنوش



آں کیست نہاں در غم؟ ایں کیست نہاں در دل  
 دل رقص کنان در غم، غم رقص کنان در دل  
 جاں از دل و دل از جاں بیگانہ و مستغنی  
 گاہے بچنیں در جاں، گاہے بہ چناں در دل  
 سیری ز غم عشقش از وصل نہ شد ہرگز  
 صد شوق ہماں در جاں، صد ذوق ہماں در دل  
 ہر آنچہ نہاں ست، ایں، سا زند عیاں بر خلق  
 ہر آنچہ عیاں ست، آں کروند نہاں در دل

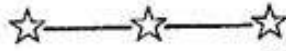


دل عطا کن! تادرونش درد ہا پیدا کنم دیدہ دہ، تابروش دل رُبا پیدا کنم  
 از جلال غیرت صد طور ہا برہم زخم وز جمال رحمت صد جلوہ ہا پیدا کنم  
 کہ زخون خلق جود برپا کنم، شور انا کہ زچاک سینہ خود برقی لا پیدا کنم  
 کہ زبارنگی صورت در جہاں آتش زخم کہ زبے رنگی نسبت رنگ ہا پیدا کنم

۱۔ مراد از ذات اقدس مولانا و مرشدی حضرت مولانا الحاج قاضی سید عبدالغنی شاہ صاحب

منگلوری نور اللہ مرقدہ ۱۲ (جگر)

ببخودی درده! کہ مستانه شوم بر تو فدا  
 در زبان بے زبانی ماجرائے گفتن است  
 وز خودی بگزار مارا، تا خدا پیدا کنم  
 حکم فرما، تا صدائے بے صدا پیدا کنم  
 یک نگاہ کار فرما از جہان دلبری  
 کز فنائے خویشتن ملک بقا پیدا کنم  
 الفراق، اے دل! کہ بہر دردی باید مکاں  
 الوداع، اے جاں! کہ بہر یار جا پیدا کنم  
 یک دے بگزار مارا از نصیحت ہا جگر!  
 تاز آہ مضطرب دستِ دعا پیدا کنم!



اے دیدہ اگر خواہی! آہے زستگر ہم  
 داریم بہ دل چیزے، نازک زگل ترہم  
 او عین لطافت ہست شاید نہ شود برہم  
 آں می کہ بے خوردم، زیں پیش ہی بوید  
 ایں موج نسیم صبح دل را کہ بہ جنبا نید  
 دل داشت بے غم ہا، دیدیم مگر آخر  
 در سایہ زلف او چوں رفت، ز خود گم شد  
 تنہا نہ من بے دل در ہجر تو رنجورم!  
 زاہد بہ نماز و حج، یک جلوہ زدورش یافت  
 اے اہل وفا! بیند ایں طرفہ جفائے او  
 آہستہ بریز آہے تالب نہ شود ترہم  
 اے موج نسیم صبح، زیں طرز سبک ترہم  
 اے عاشق نظارہ! دیدار سبک ترہم  
 اے واعظ خوش نیت! بر خیز زکوثر ہم  
 می داشت مگر نسبت، ز اں زلفِ معنیر ہم  
 تارا جی افسر ہم، بربادی لشکر ہم  
 آں آہ کہ باز آمد، زیں گنبد بے درہم  
 صد خوں بہ فلک دیدم از دیدہ اختر ہم  
 من عکسِ رخس دیدم، نزدیک بساغر ہم  
 کاتش بزند در دل، وز آب کند ترہم

خاموش فغانے کن! ہر موئے زبانی کن!!

زیں طرح جگر محروش! تادانہ کند درہم

مست! و سرشار و غزل خواں می روم  
 جام دردست و صراحی در بغل  
 عشق دشوار ست شوقم رہنما  
 یوسف گم گشتہ ام در مصر عشق  
 در بلائے عشق خود راہ کردہ گم  
 دل بسویش بستہ، فارغ از جہاں  
 از سر جاں، سوئے جاناں میں روم  
 باچہ ساز و باچہ ساماں می روم!  
 راہ پد خار است و آساں می روم  
 باز سوئے پیر کنعاں می روم  
 در ہوائے شوق رقصاں می روم  
 رخ بسویش کردہ، حیراں می روم



معنی عشقت ترکِ ہر طلب من بہ غم ہائے فراواں می روم  
 مستی عشق است و یادِ روئے دوست ہم بکفر وہم بہ ایماں می روم  
 جاں ہمہ غم ساختہ، رقصم بہ عشق دل ہمہ خون کردہ خنداں می روم  
 خاک منگھورا است چوں دامن کشاں  
 از در الم دست افشاں می روم



صدمہ انتظار راچہ کنم چہ کنم، جان زار راچہ کنم؟  
 کردم از روزگار قطع نظر گشش روز گار راچہ کنم؟  
 او بکار است وہم جہاں درکار دل نا کردہ کار راچہ کنم؟  
 توبہ کردم زے پرستی، لیک ابرو باد بہار راچہ کنم؟  
 ترک یاری و یار آسان ست مشکل ایست، یار راچہ کنم؟  
 بوئے آں پیرہن بیار نسیم! بوئے باغ و بہار راچہ کنم؟  
 یار در باغ و من بہ صحرا مست دل وحشت شعار راچہ کنم؟  
 روئے رنگین یار من بنما! ساغر زرنگار راچہ کنم؟  
 او نجواب است و فتنہ ہا بیدار حسرت بے قرار راچہ کنم؟  
 ضبط چیزے ست ناصحا! لیکن درد ہمت شکار راچہ کنم؟  
 آں گل و آں بہار مارا بس ایں گل و ایں بہار راچہ کنم؟  
 ہجر دشوار و وصل آسان تر لیک، آئین یار راچہ کنم؟  
 موجِ خون از سرم گزشت جگر!  
 من لبِ بوئے بار راچہ کنم؟



من کہ آزار کش غمزہ خون ریز تو ام معذرت خواہ نگاہِ کرم آمیز تو ام  
 شادم از لذت دیدار و ز سر مستی شوق بے خبر از اثرِ حسنِ دل آویز تو ام  
 نگہِ لطف بفرما بہ من زار، کہ من نو گرفتارِ خمِ زلفِ بلا خیز تو ام



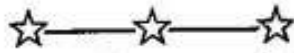
بنشین بخیال او، و زرد یک آہے کن  
زلف از رخ خود بردار، و ز لطف نگاہے کن  
ز اں بعد ز سرتاپا بر خویش نگاہے کن  
یعنی شب تارم را رشکِ شب ماہے کن



مطرب! بزن سرور دے، ساقی! بیار بادہ  
در شوقِ آرزویت، سرگرمِ جستجویت  
حسنے و خونِ عاشق، عشقے و خونے تسلیم  
دل ہا کہ تیرہ گشتند از زنگِ کفرِ غفلت  
چوں در بہشت رفتم، دیدم ہمیں تماشا  
تاجاں شود منور، تادل شود گشادہ  
ہم عاشقانِ رنگیں، ہم زاہدانِ سادہ  
او تیغِ ناز در کف، من سر بہ پا نہادہ  
روشن نمی تو اں کرد اما ز نورِ بادہ  
ز بادِ خشکِ خشک و حورانِ سادہ سادہ

در کوئے مے فروشاں دیدیم زاہداں را

سجادہ رہن کردہ، تقویٰ بہ باد دادہ



اے کہ ز روئے عاشقاں پردہ برخ کشیدہ  
از دل من نہاں مشو، اے کہ تو جانِ عاشقی!  
جامہ صبر و عقل و ہوش از ہمہ جا دیدہ  
از نظرم نہاں مشو، اے کہ تو نورِ دیدہ  
بے خیرم ز خویشتم ورنہ تو صد ہزار بار  
گاہ زجاں گزشتہ، گاہ بہ دل رسیدہ



دیدیم بہ میخانہ پیرے زجواں اولے  
از عشرت بے عشقت صد آہ و فغاں اولے  
از بارگاہِ حسنس یک سمتہ پیرس از من  
ایں یک ستم ظاہر خوشتر ز ہزاراں لطف  
صد سود بہ من گفتی از ترکِ عیش، ناصح!  
از قربت و از دوری ہر آنچہ کہ بہ پسندی  
ہر چند دریں وقعے تمکین تو ہم خوب است  
مژگانش بہ از تیرہ ابرو زکمال اولے  
ایں درد کہ تو دادی، واللہ کہ زجاں اولے  
راز یست کہ می فہمد چشمِ نگراں اولے  
واں یک نظر پنہاں از ہر دو جہاں اولے  
ایں نکتہ نہ فہمیدی، در عشق زیاں اولے  
ہماں مصلحت ہماں خوشتر، ہقا کہ ہماں اولے  
در حکم لیکن، مستی ست از اں اولے  
ایں نظم جگرِ گفتی، گلِ گفتی و ذرِ سختی  
ہم رنگِ زباں بہتر، ہم حُسنِ بیاں اولے

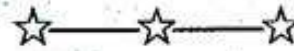




مست است جگر از مے، مست مئے ناب اولے  
 من طالب آزارم، آرام نمی خواهم  
 از خرقہ و عمامہ من ہیج نمی دانم!  
 در آرزوئے بحرے می پویم و می جویم  
 بسیار بدم گفتی، وز من بشنو، واعظ!  
 من عاشق شیدایم، از غیر ندارم کار  
 من ساغر مے در کف، مطرب تو بخوال بردف  
 او خانہ خرابے هست، او خانہ خراب اولے  
 بر جان من خستہ، صدگونہ عذاب اولے  
 کہ گہ مگر ایں سماں در رہن شراب اولے  
 زیں موجہ وزیں دریا ماراست سراب اولے  
 از ہر دو جہان تو، یک جام شراب اولے  
 کز مہر فلک از تو صد چشم عتاب اولے  
 صد توبہ و صد طاعت غرق مئے ناب اولے  
 تاکہ جگر ایں مستی، بشنو سخن حافظ  
 ”رندی و ہوسناکی، در عہد شباب اولے“

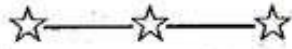


انے آنکہ بہم کردہ ہشیاری و سرمستی  
 غافل زدلم منشیں، اے جان از سرمستی  
 صد حسن دریاں پنہاں، صد جلوہ از اں پیدا  
 از دل گام عشق کردیم نثار حسن  
 کہ تا فلک اندیشیم، گر بے خبر از خوشیم  
 آں رند خرابات نامش کہ جگر خوانند  
 صد ہوش بجاں دارد با ایں ہمہ سرمستی  
 یک جرعہ خدارادہ، ز اں میکہد ہستی  
 صد نغمہ برا نگیز و سازے کہ تو بشکستی  
 قربان نگاہ تو، نازیم بایں مستی  
 دُنیا و غم دُنیا، ہستی و غم ہستی  
 گاہے بچناں ہوشے، گاہے بچنیں ہستی  
 آں رند خرابات نامش کہ جگر خوانند  
 صد ہوش بجاں دارد با ایں ہمہ سرمستی



گراز سرے بیا ہم، صد عمر جاودانی  
 ہیج است زندگی و اسباب زندگانی  
 کارے ست شکل، اما اے دل! اگر تو دانی  
 عمرے ست فانی، اما سرے ست جاودانی  
 یک جام تند ساقی! تا فاش فاش گویم  
 ہم از برائے قتلش دست قضاست پنہاں  
 ایں نہ رواق اخضر در پائے او قلندہ  
 من ز ابتدائے عشقت کا ہیدہ ترز کا ہم  
 عشقم چہ کار کرد و حسنت چہ گل شگفتہ  
 بر من حرام بادا، اے دوست! زندگانی  
 بگزار تا بسوزم ایں پردہ ہائے فانی  
 دریاب زندگانی از اصل زندگانی  
 اے گوشہ گیر خلوت! ایں نکتہ ہاچہ دانی؟  
 زاہد خبر نہ دارد ز اسرار زندگانی  
 پیری کہ در رُودست تاج از سر جوانی  
 کو ہیج شے ندارد، جز درد جاودانی  
 طاقت کجا کہ چینم گل از رُخ جوانی  
 ایں راز اولیں ست من دانم و تو دانی

ہر روز فیض گیرم از روحِ قدسِ حافظ  
برمن جگر گواہ است این جوش و این معانی



ہر دم زناز تازہ باعاشقاں بہ بازی گاہے زد دل گدازی، گاہے زجاں گدازی  
اے آنکہ یک اشارت صد عقدہ ہاکشادہ رحے بحال ماہم، شاہنشہ حجازی  
بر خیزد از سر صدق در راہ او قدم زن  
تا کے جگر! بہ مستی، تا کے بہ عشق بازی؟



فارغ ز خزانے دہم از باغ و بہارے  
دیدم بہ در دیر عجب شعبدہ کارے  
بربادی ما پرس ازاں سینہ فگارے  
چیزے منگر برتن لاغر ز بہارے  
نقسم بہ ہوائے من و رؤیم طرف عقل  
یک داغ ز آزار تپ عشق بہ سینہ  
اشکم سر مژگاں ست کہ شبنم بہ سر شاخ  
صد بارگز شتیم زہر مرحلہ عشق  
بلبل ہمہ تن خوں شد و گل شد ہمہ تن چاک  
اغیار بہ دل خندہ زن و دل تبو مشغول

مائیم و خیال رخ خورشید نگارے  
میخانہ بدوشے و گلستاں بکنارے  
در عین بہارے کہ جدا شد ز بہارے  
افسانہ ما پرس زنوک سر خارے  
دشمن بہ بیمنے و نگاہم بہ یسارے  
اس است خزانے و ہمیں است بہارے  
شبنم سر شاخ ست کہ منصور بہ دارے  
حیرت بہماں طرز ادا آئینہ دارے  
اے دائے بہارے، اگر این ست بہارے  
خلفے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

اے خسروِ خوباں! نظریے کن ز سر مہر  
آفادہ بہ کویت جگر سینہ فگارے



سحرم ندا برآمد ز حجاب ہائے رازے  
برساں صبا پیام، بہ حبیب دنوازے  
بہ ہوائے عیش تا کے توبہ خوابگاہ نازے؟  
تو مرا بگو کہ جاناں چہ کنم بجان زارے  
ہمہ شہر فتح گشت و بہماں نیاز و نازے  
بہ میان جاں و جاناں چہ قیامت ست رازے

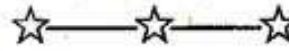
کہ ”حریم ماست بالا ز حقیقت و مجازے“  
کہ ”ز خد گزشت شوق و غم عشق جانگدازے“  
کہ ز سوز درد منداں ہمہ عالم ست سازے  
کہ تمام منو جسم زغم است نے نوازے  
دل غزنوی اسیر خم طرہ ایازے  
رخ او نظارہ سوزے، دل من نظارہ سازے



ہم جلوہ عکسِ رویت، ہمہ نغمہ گفتگویت      زہے باصرہ فروزے، زہے سامعہ نوازے!!  
 زنوائے کفر خیزم ہمہ کعبہ بُت نہفتہ      رادائے سجدہ ریزم ہمہ پیکدہ مجازے  
 تو ز خاکِ ماحذر کن کہ دریں مقام، واعظ!      دلِ نازِ شعلہ گیرد ز تجلی نیازے  
 جگرِ حزیں! چہ نازی بمتاعِ جذبہ دل  
 تو سپرد کارِ خود کن بخدائے کار سازے



من راست راست گویم، دارم گلِ جوانے      گلچیں! اشارہ فرما، بلبل! بدہ نشانے  
 آلِ جامِ ہوشِ در کف، ایں پائے عقلِ در گل      آن ست عشقِ جاناں ایں ست عشقِ جانے  
 اے جانِ بیقراراں! ناگہ دردِ دروں آ      کز سوزِ اشتیاقِ کار آمدہ بجانے  
 ہمت اگر تو داری، در عشقِ کوش، اے دل!  
 ایں جانِ تازہ برگیر، از بارِ گاہِ جانے



شبِ میکدہ چورتم، دیدم عجب بہارے      ساقی ست مست و بیخود، رنداست ہوشیارے  
 در شوقِ ناہِ روئے، در یادِ گلخدارے      ہر جا نظرِ فلندم، دیدم بہشت زارے  
 شوقے و دردِ وصلے، صبحے و بجز یارے      ساقی! بدہ پیالہ، تا بشکنم خمارے  
 دیر و زبرِ درِ دیرِ دیدم عجب نگارے      پیانہ در نگاہے، میخانہ ذر کنارے  
 آنجا کہ نیست، ساقی! اندیشہ خمارے      ز اں میکدہ عطا کن یک جامِ زر نگارے  
 ہشیار بگذر، اے دل! در راہِ عشقِ مستی      ہر موجِ مے دریں جا بحرِ است بے کنارے  
 رازے عجب شنیدم از عاشقے کہ مے گفت      مائیم و بجز وصلے، وصلے و بجز یارے  
 در عاشقی و مستی، مگر یز از ملامت      کایں خاکِ راہِ کولیش تا حیست زر نگارے  
 ہر قطرہ کہ بنی در آبِ زندگانی      ہم موجِ وہمِ سفینہ ست، ہم بحرِ وہمِ کنارے  
 آل را کہ شرح کردند، ایں ست گلِ فسانہ  
 منصور بود شخصے، مشہور شد زدارے



تو اے کو زگسِ مستانہ داری      بیک ساغرِ عجب میخانہ دارے  
 من بے دل نہ تنہا عشقِ خیزم      تو ہم افسانہ در افسانہ دارے



## سراپا

دل بڑواز من دیروز شامے  
 روئے مینش صبح تجلے  
 مشکین خط او سنبل بہ گلشن  
 چشمے کہ کوثر یک جرعه او  
 عارض، چہ عارض، گیسو، چہ گیسو!  
 آں تیغ ابرو، وال تیر مڑگاں  
 برقی نگاہش، صدجاں بہ دامن  
 ہر عشوہ او شیریں مقابلے  
 از جسم لرزاں، لرزاں دو عالم  
 گاہے بہ مستی، طاؤس رقصاں  
 از بار مینا لرزش بدستے  
 گفتم "چہ جوئی؟" گفتم "دل و جاں"  
 گفتم "چہ خواہی؟" گفتم "غلامے"

(نا تمام)

## خطاب بہ مسلم

چشم کشاو جانب رزم گہ وطن نگر  
 خون حیات سو بہ سو، خاک سرشتہ مو بہ مو  
 عشق نظارہ سازا برق بہ خانماں ہیں  
 برتن حسن نازیں آہ ز فرق تا قدم  
 دیدہ عشوہ زا کجا؟ خفتہ بخواب مرگ ہیں  
 طفل و جواں و پیرا، صف بصف، بہم بہم  
 بچہ شیر خوار رائیش نگاہ مادرش  
 حاکم شہر را کہ بود، ثانی شہر بالیقین  
 مقتل کانپور بہ ہیں، لاشہ بے کفن نگر  
 حلق بریدہ گو بہ گو، بچہ و مرد و زن نگر  
 حسن نظارہ سوزرا شعلہ بہ پیرہن نگر  
 زخم شفق شفق ہیں، داغ چمن چمن نگر  
 شوخی رنگ رخ کجا؟ سرخی پیرہن نگر  
 دست جداز ساعد و فرق جدا زتن نگر  
 چاک ز سینہ تا کمر، کشتہ و بے کفن نگر  
 آہ، بجائے قید قتل سیر کن وطن نگر



باز بیابہ آگرہ، دجلہ خونِ نظارہ کن  
حیف بریں نتیجہٴ نظم و نظام و ذہنیت  
ہائے ازیں گزندگاں، وائے ازیں درندگاں!!  
تازہ بہ تازہ خونِ خلق، موج بہ موج بوے خون  
آں ہمہ ہاکہ بنگری، واں ہمہ ہاکہ بشنوی!

اے کہ تو حق نہادہ، مسلم پاک زادہ

درچہ بلافادہ؟ خیزو بخویشتن نگر

دشمنِ آدمِ آدمے، ہم سخن نہ ہمدمے  
آں ہمہ لغزش و خطا، ایں ہمہ سازش و وفا  
بدعت و شرک و افتراق، فسق و فجور و ہم نفاق  
گاہ بہ کسوتِ طیب، روئے اجلِ نظارہ کن  
نے خبر از حقیقتے، نے اثر از شریعتے  
خدمتِ بے سبب کجا، طاعتِ خاصِ رب کجا؟  
آتشِ قہر آشکار، برقِ عنا و شعلہ بار  
خیز و بیا، نظارہ کن، دل ہمہ پارہ پارہ کن  
جسم زفاقہ زار زار، روح زرد و بیقرار

وجہ ز مفلسیِ پیرس، سیم و زرِ وطنِ نجو

رخِ بنما بہ لندن و سیم و زرِ وطنِ نگر



جرم و خطا روایتے، غدرو دغا حکایتے  
گاہ بروئے معدلتِ شانِ نظرِ نظرِ ہمیں  
گاہ بیابہ شہر و دیہہ، شورشِ دار و گیر ہیں  
جدتِ افتراق ہیں، ندرتِ انشقاق ہیں  
شانِ عمارتے ہمیں، طرزِ سیاستے ہمیں  
گاہ بہ لبِ شکایتے، گہ ز غلامِ زادگاں  
جوہ فرنگیاں پیرس، دارِ ہمیں، رسن نگر  
گہ بہ جبینِ خسروی، طرزِ ٹھکنِ شکن نگر  
گاہ بروہ سرحد و اذن "بزن بزن" نگر  
فطرتِ چست و چاق ہیں، حکمتِ علم و فن نگر  
ایں ہمہ لعنتے ہمیں، واں ہمہ بر وطنِ نگر  
دعویٰ آشتی شنو، نازشِ حسنِ ظن نگر

نغمہ سردی کجا؟ جلوہ احمدی کجا؟  
سایہ ایزدی کجا؟ غصہ اہرن نگر



شکوہ غیر تا کجا؟ قصہ جور تا کیے؟  
مسلم ہند زادہ، پند بگیر و گوش کن  
ہمت دل بجوش آر، جاں ہمہ درخروش را  
فلسفہ سنجی علل، این ہمہ وحشت و خلل  
باد مراد می وزد، سبزہ و غنچہ می دمد

ساغر جہد نوش کن، طاعت مے فروش کن

باز روش روش خرام! باز چمن چمن نگر!







غیر مطبوعہ کلام



# داغِ جگر

(دورِ اوّل کا متروک و غیر مطبوعہ کلام)

## جگر کا پہلا شعر

۱ کشتی حیات اپنی جارہی تھی دھارے پر سنگدل تماشا ہی ہنتے تھے کنارے پر



تو شمع طور ہو کر رنگ لائی، کیا حنا دل میں  
تو مثلِ قلقلِ مینا چھلکتا ہے یہ کیا دل میں  
اٹھا پھر چاک دامانی کا میری ولولہ دل میں  
کہیں زخمِ جگر ہنس ہنس کے کیا کیا مر حبا دل میں  
وہ مضطر ہوں کہ گویا ہے گذرِ سیما ب کا دل میں  
وہ تم ہو جس سے مجنوں مدتوں کا نپا کیا دل میں  
کہ اب تو ناوک سر کردہ کی رہتی ہے جاد دل میں  
الہی، پھر ہجومِ دردِ فرقت تا کجا دل میں!  
تو اک شورِ قیامت ہو گیا برپا عنا دل میں  
کہ چھتا ہے مثالِ خارِ حرفِ مدّ عادل میں  
رہے جو جان بن کر کافرِ شیریں ادا دل میں  
وہ ہیں داغِ جنوں، اے جذبِ الفت تو جا بجا دل میں  
وہ تم ہو جس سے شرماتے رہے جو رو جفا دل میں

۲ تصویر جب کسی دستِ نگاریں کا رہا دل میں  
نہیں سوزِ نہانی سے جو میرے آبلہ دل میں  
خیالِ سبزہٴ روئیدہ پھر آنے لگا دل میں  
جو دم بھر آ کے ٹھہر و شوخیوں سے تم ذرا دل میں  
۳ حسرت، ہٹ کہ حسرت کو ہے حسرت میری حسرت پر  
میں ۴ ہٹ حس سے لیلائے شبِ فرقت بھی ڈرتی ہے  
کہاں تابِ استقامت کی غم و اندوہ و حرماں کو  
نہیں گر ایک پیانہ پہ رنگِ دہر کا نقشہ  
وہ ہوں دیوانہ بیکس کہ جب گلشن میں جا نکلا  
مدد، اے خیرِ ابروئے قاتل! تا نکل جائے  
غضب ہے، وہ سبب ہو تلخ کامی محبت کا  
نجات ماہِ کامل کو ہوئی اور مہر کو سکتہ  
وہ میں ہوں جس سے باقی نام ہے مہر و محبت کا

تہی داستانِ الفت کو ضرورت کیا ہے، اے منعم! وہ بیکس ہوں کہ میری بیکسی پہ بسکہ اے قاتل! نہ کیوں کر پھر ہو ضبطِ بیقراری امرِ لائیل وہ کہتے ہیں کہ اس نے جان دے دی سکھیا کھا کر

کہ ہیں دام و درم ہی سکہ ہائے نقش پا دل میں کیا کرتی ہے حسرت خندہ دندانِ نمادل میں کہ کوئی لے رہا ہے چٹکیاں بیٹھا ہوا دل میں خدا جانے جگر کم بخت کے کیا آگیا دل میں



مقابل کاش میرے دیدہ تر ہو گئے ہوتے دیا صدقہ وفا کا بڑھ کے پروانوں کی حسرت نے ازل ہی سے تمہیں نفرت تھی الفت سے، تو لازم تھا بہت اچھا ہوا، بسکل کیا دل کو جو قاتل نے بھلا! ہو بیکسی کا، سامنے آ ہی گیا، ورنہ یہاں بھی حسرتیں میناب ہیں دل سے نکلنے کو

تمہاری بزم میں آئینے پتھر ہو گئے ہوتے مرے داغِ محبت شمع کے سر ہو گئے ہوتے مرے دل کے نہیں، میرے مقدر ہو گئے ہوتے کہ اب تک خود مرے نالے ہی نشتر ہو گئے ہوتے تجھے ہم دیکھ کر جامہ سے باہر ہو گئے ہوتے ادھر بھی ایک دن، اے بندہ پرور! ہو گئے ہوتے

شکایت، اے جگر! کیوں کرتے پھرتے ہو زمانے کی  
اربت تھا تو قسمت کے سکندر ہو گئے ہوتے



یہاں نزع ہے، اُن کے لب پر ہنسی ہے بڑی دیر اٹھنے میں حجت رہی ہے تمنا ہے دل کی کہ ہو جائے قرباں جواں ہوتے ہی حشر برپا کرے گا جو ارماں ہیں دل میں، وہ ہے ایک نشتر سلامت رہے دردِ دل تا قیامت! اچھوتی ہے، زاہد! ذرا دُور رہنا گلوں کو کیا کس نے سرشارِ جلوہ؟ ملے ہیں کسی پائے نازک کے بوسے جسے چاہے منظور کر لو، مری جاں! جگر دل کو کب تک بتوں سے بچاتا

کہاں، میرے یارب! مری بے کسی ہے ترے درد میں بھی تری نازکی ہے ترے ایک تیرِ نظر کی کمی ہے قیامت کسی شوخ کی کم سنی ہے جو حسرت ہے، پہلو میں، وہ اک چھری ہے کہ فرقت میں بھی عالم بے خودی ہے کہ یہ سے نہیں، میکدہ کی پری ہے کہ چہروں پہ یہ نزہت و تازگی ہے بڑے کام کی میری خود رنگی ہے یہ حسرت ہے، یہ دل ہے، یہ بیکسی ہے فرشتہ تو آخر نہیں، آدمی ہے





## متفرقات

نزع ہے، اب ہم نہیں اوسان میں! آؤ، کچھ کہہ دیں تمہارے کان میں



چشمِ امید میں ہے جان ابھی تھوڑی سی ابھی دھندلا سا اُجالا نظر آتا ہے مجھے  
غیر کی تکریم، اُف! دل تھامنے کی بات ہے سامنے کا ذکر ہے، یہ سامنے کی بات ہے



پیٹا کرو گے کیا یونہی قسمت کا پیٹنا للہ سر اٹھاؤ، جگر! چاند رات ہے  
مستیِ جمال چھا رہی ہے ہر آنکھ جھکی سی جا رہی ہے



ابھی سے چوڑیاں ٹھنڈی نہ کیجئے خدا جانے، جگر کا حال کیا ہو



دل ہی پہلو میں، نہ قابو میں طبیعت میری دیکھتے دیکھتے کیا ہو گئی۔ حالت میری  
ڈال دی چشمِ خریدار پہ حسرت میری



مجھے افتادگانِ خاک سے اتنی محبت ہے قدم بھی سایہ دیوار پر رکھنا قیامت ہے  
دلِ محزوں مددخواہ جنون و خارِ وحشت ہے جگر منت کشِ بت خانہ ہائے سوزِ فرقت ہے



آسماں پر کیوں نہ ہو آخر دماغِ آبلہ آبلہ ایک ایک ہے چشم و چراغِ آبلہ



سپہر دیں کے جو ہیں آفتاب آتے ہیں! اٹھو اٹھو کہ رسالت مآب آتے ہیں  
نہیں یہ داغِ غمِ مصطفیٰ عدم والو! بغل میں داب کے ہم آفتاب آتے ہیں



# شُعْلَةُ طُور

## غزلیات

(ادوار چہارم سوم اور دوم کا متروک و غیر مطبوعہ کلام)

نجد کے ذرے ذرے سے آج تک آتی ہے صدا جو ہے شہید تیغِ عشق، موت اُسے حرام ہے

☆—☆—☆

رات جو میں نے کی تھی آہ، اُس کا ہے کچھ وبال سا کہتے ہیں آج صبح سے، جی ہے مرا نڈھال سا

☆—☆—☆

آگئی کون سی حسرت دلِ سوزاں کے قریب کچھ دُھواں سا ابھی اٹھا تھا گریباں کی قریب

☆—☆—☆

واللہ! کرم تیرا جب تک کہ نہ شامل تھا منزل پہ پہنچ کر بھی بیگانہ منزل تھا  
محدود نگاہیں تھیں، دیکھا نہ گیا، ورنہ اک جلوہ بے رنگی ہر رنگ میں شامل تھا  
دونوں کی کشاکش میں مطلق نہ ملی فرحت دل تشنہ دریا تھا، میں تشنہ ساحل تھا  
جس میں کہ ترے جلوے خود دوڑتے پھرتے تھے اُس خون کا ہر قطرہ کونین کا حاصل تھا

☆—☆—☆

اشکِ خونین ہے کہیں، نالہِ رنگیں ہے کہیں ہر قفس میں اتر آتا ہے گلستاں کوئی

☆—☆—☆

صبح اس رنگ سے تھی رقصِ کناں شمع کی خاک جیسے زندہ کوئی تصویر ہو پروانوں کی!  
عشق کے ظلم کی کچھ حد بھی ہے آخر، اے قیس! خاک تک حُسن سے چھنوائی بیابانوں کی!

☆—☆—☆

حشر میں حشر کا عالم ہے، خدا خیر کرے! چشمکِ خلد و جہنم ہے، خدا خیر کرے!

☆—☆—☆



متزلزل نظر آئے مجھے گل ارض و سما  
 آہ! وہ شمع کی لرزش، وہ ہوائے دم صبح  
 صبح کو خاک جب اڑنے لگی پروانوں کی  
 گوری کیا جائے، کیا جان پہ پروانوں کی  
 شمع کہتے ہیں جسے جان ہے پروانوں کی  
 شمع کہتے ہیں جسے جان ہے پروانوں کی  
 کوئی گنتی بھی ہے احسان کے احسانوں کی؟  
 تذکرہ اُن کا بیاں کیجئے کس طرح جگر



اب دل لگا کے روتے ہیں وہ حضرت جگر  
 رونا یہ ایک دن کا نہیں، عمر بھر کا ہے



پھر چھیڑ کے زخموں کو تم داغ بنا دیتے  
 پھر جمع نئے سر سے سامانِ فغاں ہوتا



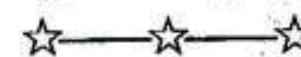
روح اس قالبِ خاکی میں جو مسحور نہ ہو  
 اُس جگہ جو کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ ہو  
 ایک کی بھی نہ چلی جذبہ دل کے آگے  
 چاہتے سب تھے کہ رُسوائی منصور نہ ہو



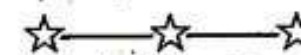
بے خبر رو کہ ہوش در مستی ست  
 ہوشیار! آ کہ بیخودی ست بہ ہوش  
 اصغر! یک نظر بہ سونے جگر  
 آں کہ یک خادم است و حلقہ بگوش



مبارک عشق کو اب بے نیاز جسم و جاں ہونا  
 نظر نے دیکھ ہی پایا مرا مجھ سے نہاں ہونا  
 یکا یک پھر دیا ذوقِ طلب نے درسِ بے تاباں  
 کمالِ عشق تھا محو سرورِ جاوداں ہونا



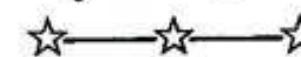
دیکھوں ادھر منہ موڑنا، گھگھو ہے یا کٹھ چھوڑنا  
 ہاں دُم نہ اس کی چھوڑنا، اڑ جائے گا، پر دار ہے



تجھ کو اے جذبِ طلب! حسنِ ازل ہی کی قسم  
 دیر کتنی دل پہ اک تصویر اترانے میں ہے  
 اٹھ گیا کافر جگر سا کیا کوئی پھر حق پرست  
 حشر ہے کعبہ میں برپا، شور بہت خانے میں



خونِ دل، خونِ تمنا، خونِ شوق  
 آپ نے جو کچھ کیا، لہتا کیا



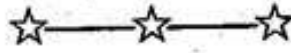
بے دلی نے دکھا دیا آخر شامِ فرقت سیاہ ہوتی ہے



اٹھ گیا کیا جگر درد بہ دل، شعلہ بہ جاں در و دیوار سے ماتم کی صدا آتی ہے



پیدا کمالِ جذب تو کیا، ہوش میں تو آ منظور چارہ ساز کی دل سوزیاں، مگر  
وہ خود جوابِ شوق ہیں دل کی صدا کے بعد اپنی بھی موت ہے غمِ صاحبِ فزا کے بعد  
کافر تو میں نہیں ہوں، جو پی لوں نہ ساقیا! وہ بھی تری طرف سے، تری التجا کے بعد  
کوئی نہ ہجر ہجر، نہ کوئی ستم ستم لیکن بس اک نگاہِ کرم آشنا کے بعد  
کب تک ستم بھی، شانِ تغافل بھی، لطف بھی ہر لحظہ التجا ہے یہاں التجا کے بعد



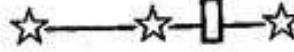
جلووں کا اثر دھام ہے، محبوب پاس ہے اُف (رے؟) نگاہِ شوق کہ پھر بھی اُداس ہے  
آئندہ کیا خبر کہ رہے کیا معاملہ اب تک تو، اے نگاہِ کرم! تیری آس ہے  
اُس پھول سے بدن پہ جو نیلا لباس ہے



شکایتِ دل ایذا طلب کو کیا سمجھے تمام لطف تو شکرِ جفا نے لوٹ لیا  
تجھے خبر بھی ہے کچھ، اُس کے دل پہ کیا گزری وہ ہر ادا کہ جسے ہر ادا نے لوٹ لیا



نگاہِ ڈال کے میری تمام ہستی پر! مجھے تمام محبت بنا دیا تو نے



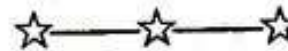
غم نے بنا دیا ہے ماتم گسار سب کا اب کس کو پوچھتے ہو، کوئی یہاں نہیں ہے



دل تیری محبت کی قسم! تجھ سے بھی بڑھ کر مغرور ہے، ہر چند کہ مغرور نہیں ہے



عشق سے بے نیازیاں، کیا خوب! عشق سارا جہاں ہے، پیارے

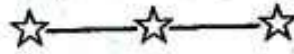




اے عشق! یہی ہے جو تک بخشی ساقی کیا حسن بھی سیرابِ تمنا نہ رہے گا



ایک ایک ذرے سے حاصل درسِ عرفاں کیجئے یعنی خود کھو جائیے، اُن کو نمایاں کیجئے  
ہم نے تو دکھلا دیا خود بن کے محروم وصال آپ سے ممکن جو ہو، ناکام ہجران کیجئے



کوئے جانناں کی ہوا تک سے بھی تھرتاتا ہوں میں کیا کروں، بے اختیارانہ چلا جاتا ہوں میں  
تو فنا آمادہ ہے، تجھ کو نظر آتی ہے موت زندگی، تابندگی، پابندگی پاتا ہوں میں  
میں نہیں رہتا ہوں میں جب پاس آتا ہے وہ شوخ دل نہیں رہتا ہے دل، جب سامنے جاتا ہوں میں  
یا کسی کے قہر پر بھی مسکرا دیتا تھا دل یا نگاہِ لطف سے بھی، آہ! شرماتا ہوں میں  
تیرے اک آنکھوں کے ساغر، تیری اک رخ کی بہار یہ میسر ہوں تو ہر جنت کو ٹھکراتا ہوں میں



سن سن کے طعن بے اثری ہر نفس کے ساتھ کھائیں فریب لذتِ دردِ نہاں سے کیا



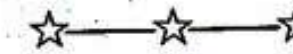
ہر ذرہ عالم پر حاوی ہیں صفات اس کے سبب کہنے کی باتیں ہیں، مختاری و مجبوری



اول اول میری نظروں سے بھی جن کو ہے گریز آخر آخر مری صورت سے نمایاں ہوں گے



کافر عشق ابھی خوگرِ الحاد نہیں یعنی یہ ہوش ہے اب تک کہ خدا یاد نہیں  
شورشِ شوق کہ ہنگامہ فریاد نہیں دل میں وہ کون سی دُنیا ہے جو آباد نہیں  
مجھ سے، اے دوست! مری برہمی شوق نہ پوچھ بھول جانے کے سوا اب مجھے کچھ یاد نہیں  
ہاں غمِ یار، ترے دم سے ہے تعمیرِ حیات تو سلامت ہے تو ہستی مری برباد نہیں  
آ، مرے زود فراموش! دکھا دوں تجھ کو نقش ہیں دل پہ وہ باتیں جو تجھے یاد نہیں  
مختصر ہے مری ہستی کی حقیقت یہ، جگر!



۱ جامعہ اگست ۱۹۳۵ء ۲ معارف فروری ۱۹۳۷ء ۳ جامعہ فروری ۱۹۳۷ء

۴ العلم اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۲ء ۵ العلم جنوری تا مارچ ۱۹۶۳ء

۱۔ دل بتلائے نالہ و آہ و فغاں ہوا اے شانِ عشق! حُسن ترا راگیاں ہوا



۲۔ نقش بن کر اُسے رہنا ہے، سُو یا نہ سُو دل کی آواز ہے یہ، درد کی آواز نہیں!



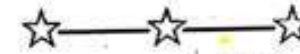
۳۔ نگاہوں میں منزل مری پھر رہی ہے یونہی گرتا پڑتا چلا جا رہا ہوں!



دنیا بجائے خود ہے اک جتِ میسر افسوس! اہل دُنیا دوزخ بنا رہے ہیں



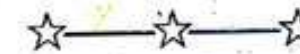
۴۔ مانگِ نظارۂ بے جلوہ کی توفیق، جگر! یہ طلب وہ ہے کوئی جس کا طلبگار نہ ہو



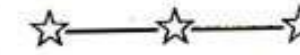
۵۔ جھومے اور پھر جنابِ جگر پی پلا کر برائیاں، توبہ!



۶۔ تو چاہے تو اے جلوۂ اعجازِ محبت! تصویر کو تصویر کا دیوانہ بنا دے



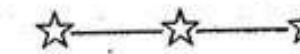
عشق کا راز جنوں عشق کی حد ہی میں رہے دل گیا ہے تو گریبان نہ جانے پائے



۷۔ شورشِ بے خودی شوق نہ پوچھ! کس طرف کی ہوا ہے، کیا کہئے!



۸۔ کہنے سننے میں جو نہیں آتی! وہ بھی اک داستان ہے پیارے!



۹۔ آسمان! کو نہ دیکھئے تن کر پھر یہ بوڑھا جواں نہ ہو جائے

آہ! اک تیر ہی سہی، لیکن آشنائے کماں نہ ہو جائے

خاک سیرابی بہار، اگر آنکھ شبنم فشاں نہ ہو جائے

حُسن کا آئینہ تو دل ہے، مگر یہی خود درمیاں نہ ہو جائے

۱۔ شعلہ، طور حیدرآباد ایڈیشن ۲۔ تحریک اکتوبر ۱۹۶۲ء، ۳۔ شعلہ طور (حیدرآباد ایڈیشن)

۴۔ ۵۔ شعلہ طور (حیدرآباد) ۶۔ تحریک اکتوبر ۱۹۶۲ء کے ۷۔ ۸۔ ۹۔ شعلہ طور



تا کجا انتظارِ خلد، جگر! حور اک دن یہاں نہ ہو جائے

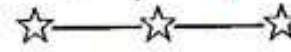


لہاں مزے لوٹ لے جوانی کے پھر نہ آئے گی، جو یہ رات گئی



عشقِ مُضطر ہے مرے دل میں سما جانے کو  
ککشِ حُسنِ مقامات بدلتی ہی رہی  
ہر حقیقت ہے رہِ عشق میں دامن کشِ دل  
حضرتِ عشق مجھے لے گئے کثرت کی طرف

قیس نے دیکھ لیا نجد کے ویرانے کو  
ایک عالم میں نہ رکھا کبھی ویرانے کو  
اب میں کعبہ کی طرف جاؤں کہ ویرانے کو  
کعبہ کی راہ سے پہنچائیں صنم خانے کو



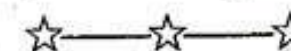
بے خودی نے مری صدا کئے منظر پیدا  
اٹھ گئے وہ تو یہ اب سوچ رہا ہوں دل میں  
وہ حریصِ غم کونین ہوں، اے حُسنِ ازل!  
عین بیچاریگی و خستگی و دل ریشی میں  
لکھنؤ میں کوئی ہستی ہے تو ناطق کی جگر

وہ سمجھ بیٹھے تھے زندانی حیرت مجھ کو  
بند کرنے نہ تھے لب ہائے شکایت مجھ کو  
کہ گوارا نہیں تقسیمِ محبت مجھ کو  
ہوں تو مجبور، مگر کیا نہیں قدرت مجھ کو  
ورنہ معلوم ہے سب اصل حقیقت مجھ کو

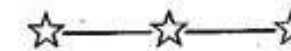


ابھی پھر سردیِ نغموں سے بھر دوں بزمِ امکاں کو  
جدھر نظریں اٹھا کر دیکھنا اک وار کر جانا

ذرا چھیڑے تو مضربِ جنوں تارِ رگِ جاں کو  
نہ سمجھیں وہ مسلمان کو، نہ دیکھیں وہ مسلمان کو



آپ کو دُنیا سے کیا مطلب، جگر! آپ ہوں بادہ ہو، اور پیانہ ہو



کچھ اضطراب، کچھ امید، کچھ سکوں، کچھ یاس  
جبابِ قدس کو بھی بڑھ کے پھونک دیتا تھا

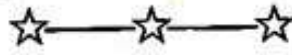
عجیب لذتِ غم دورِ اولیس میں رہی  
یہ اک کمی نفسِ شعلہ آفریں میں رہی



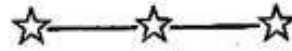
ہوا بھری تھی جو سر میں اُس آستانے کی  
وجودِ دانہ ہے کیا شے، شجر کا اک اجمال

الگ رہا میں معیت میں ہر زمانے کی  
شجر ہے کیا، وہی تفصیل ایک دانے کی

تعمیراتِ نظر کے یہ جلوے ہیں، ورنہ  
تعمیراتِ دلی اہل درد کے ہمراہ  
سمندِ نفس ہے وہ بد لگام اسپ، جسے  
گدازِ عشق کو دل میں چھپا کے رکھ، غافل!  
غبارِ نفس سے چمکے گا جوہرِ ذاتی  
اسیرِ دام ہوا عین موسمِ گل میں  
موافقت کا یہ عالم کہ اصل سب کی ایک  
کوئی ہے شاید مقصود بھی بس پردہ  
تصوّرات کی آئینہ بندیاں ہیں جگر



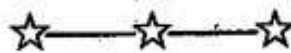
ہم خاک کے پتلوں نے جو کچھ تجھے سمجھا ہے  
تُو اس سے بھی برتر ہے، تُو اس سے بھی اعلیٰ ہے



اے موجِ نفس! لے چل اُس بزمِ تجلی میں  
ہشیاری و غفلت می بس فرق ہے اتنا ہی  
یہ کیا ابھی ظاہر ہو، یہ کیا ابھی پوشیدہ  
ہر ذرّہ جہاں کا ہوا اک برقی سر طوری  
یہ رشتہ قُربت ہے، وہ سلسلہ دُوری  
قُربت ہو تو پھر قُربت، دُوری ہو تو پھر دُوری



کبھی جو پار کو مستِ شراب دیکھیں گے  
بتائیں کیا تمہیں روزِ حساب دیکھیں گے  
بغور جب یہ جہانِ خراب دیکھیں گے  
جو دل کا کر کے کبھی احتساب دیکھیں گے  
اُلٹ کے آپ جب اپنی نقاب دیکھیں گے  
وہ ہو گا اپنا ہی اک انعکاسِ حُسنِ طلب  
نہیں ہے جن کی نگاہوں کی انتہا کوئی!  
کسی طرح نہ جدا کر سکیں گے اہلِ نظر  
وہ قہر ہو کہ عنایت، فراق ہو کہ وصال



ہر ایک جلوہ میں سو آفتاب دیکھیں گے  
جو خواب ہے وہی تعبیرِ خواب دیکھیں گے  
قدم قدم پہ طلسمِ حجاب دیکھیں گے  
تو اپنی زیت کو ہم اک عذاب دیکھیں گے  
یقین ہے کہ تجھے بے حجاب دیکھیں گے  
یہ سب غلط کہ تجھے بے حجاب دیکھیں گے  
وہی ترا کرم بے حساب دیکھیں گے  
بہم کچھ ایسا عذاب و ثواب دیکھیں گے  
عذاب دوست ہمیشہ عذاب دیکھیں گے



دل کے احساسات کی یوں شرح پیہم کیجئے  
ساری کیفیات باطن کو مجسم کیجئے  
ٹوٹ جائیں حلقہ ہائے دامِ نیرنگِ نمود  
ہر نفس سے آج پیدا ایک عالم کیجئے  
پوری ہستی کو پھر اُن کے سامنے خم کیجئے  
جست ایسی تافرازِ عرشِ اعظم کیجئے

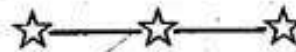


حاصل کون و مکاں بس دل دیوانہ ہے  
اپنا اک سب سے جدا، عشق میں میخانہ ہے  
کچھ عجب چیز ہمارا دل دیوانہ ہے  
اے برہمن! نظر آیا نہ کوئی فرق ہمیں  
دیکھ، کس شان سے ہوتے ہیں ثارِ رُخِ شمع  
جھک گئے، دیکھ لیا اُس کو جدھر جلوہ فروز  
رہا ہی کوئی سمجھ میں نہیں آتا مطلق  
پاؤں خود مرکزِ اصلی سے نہیں ہٹ سکتے  
نیستی سے بھی گذر جائے تو پہنچے اُس تک  
کیوں جگر کی ہے شکایت لبِ احباب پہ، آہ!

عاشقوں کی یہی بستی، یہی ویرانہ ہے  
روح ساقی ہے، دل صاف جو پیانہ ہے  
شمعیں آسودہ جہیں ہیں، یہ وہ پروانہ ہے  
جیسا کعبہ تھا، اُسی طرح کابُت خانہ ہے  
ادب آموزِ فنا جذبہٴ پروانہ ہے  
مست کیا جانیں، وہ کعبہ ہے کہ بت خانہ ہے  
کیا مری طرح پریشاں مرا افسانہ ہے  
کتنی بے کار مری کوششِ مردانہ ہے!  
حائل اک بیچ میں پُر ہول یہ ویرانہ ہے  
جانتے کیا نہیں، بدست ہے، دیوانہ ہے



اب اور نئے جلوے آنکھوں میں سمائیں کیا  
جب حُسن نے یہ دیکھا، بے تاب ہیں خود جلوے  
دل نے جو بنائی تھی دُنیا، وہ بنا ڈالی  
اک برق سی چمکا کر حیرت کی بنا ڈالی



جلوے تھے جس قدر چمنِ روزگار کے  
اک رنگِ مستقل یہ کہاں دہر کعبہ میں  
آئے جو روزِ حشر نگاہوں کے سامنے  
یہ مشربِ تصنعِ علمی نہیں پسند  
مذہب میں عشق کی ہے تزلزل و پیل کفر  
عظمت میں رہنے پائیں نہ تادیر اہل دل  
موقوف حیات ہی بے تابیاں نہیں  
ایما جو پائیں، کر دیں زمانے کو منقلب

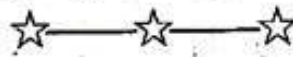
تھے پسند انعکاسِ دلِ بیقرار کے  
ہنگامے ہر جمود میں ہیں انتشار کے  
تھے سارے واقعات دلِ بیقرار کے  
قائل ہیں ہم تو مسلکِ بے اختیار کے  
قائل ہیں اہل دل طلبِ استوار کے  
یہ راز ہیں حوادثِ بے اختیار کے  
عالم ہزارہا ہیں مرے اضطراب کے  
بیٹھے ہیں انتظار میں تائیدِ یار کے



اپنے ہی جلوے نظر آتے ہر اک تصویر سے  
 پر تو حُسنِ ازل کی اُف یہ نقش آریاں!  
 آرزو سے اپنی شاید وہ ابھی واقف نہیں  
 گر نہیں ہے عشق معنی، عشق صورت ہی سہی  
 یہ نقوشِ دہر، یہ ہنگامہ ہائے کائنات  
 اُس کی ہستی بے تعلق مجھ سے ہو سکتی نہیں



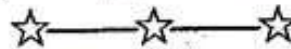
رہتی ہے اُس کی یاد یوں و در زبانِ عاشقی  
 رکھتے ہیں سینوں میں نہاں ہم کشتگانِ عاشقی  
 جو کچھ کہیں اہل نظر، زیبا ہے تجھ کو سر بسر  
 کچھ بوالہوس بھی ہیں یہیں، ہشیار، او جانِ حزیں!  
 جس تک نہ پہنچی ہو نظر، عالم ہو جس سے بے خبر



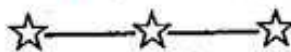
روح پر جو بھی گزرتی ہو تصویر میں ترے  
 کیوں تڑپنا دل مضطر کا نہ ہو مجھ کو عزیز  
 یہ تو ظاہر ہے کہ رگ رگ کو ہلا دیتا ہے  
 کہ ترے دردِ محبت کا پتہ دیتا ہے



رنگِ رُخ و شگفتگیِ دل لئے ہوئے  
 کل کائناتِ عشق کا حاصل لئے ہوئے  
 مجھ کو دیا فریبِ نظر ہائے شوخِ شوخ  
 اُفتادگیِ راہ بھی ہو رہ نمائے عشق!



کہاں تک اب ترے جلووں میں امتیاز کرے  
 وہ اک نظر جو حقیقت کو بھی مجاز کرے



کس قدر فیضِ نگاہِ مستِ ساقی عام ہے  
 حُسن اور قیدِ تعین کا خیالِ خام ہے  
 قطرہ قطرہ موجِ صہبا، ذرہ ذرہ جام ہے  
 بے خبر! یہ سب فریبِ جلوۂ اوہام ہے  
 اس کو کیا سمجھے کہ تیری آرزو بد نام ہے  
 دل ازل ہی سے ہلاکِ کوششِ ناکام ہے

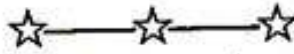




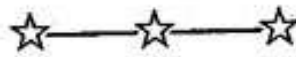
جو ادائے مضطرب ہے، میکدہ بردوش ہے زندگی مستی ہے خود، لیکن بہ قید ہوش ہے



چہرہ چھپا کے پھر مجھے بیتاب کیجئے جلوہ دکھا کے پھر مجھے حیراں بنائیے  
آنکھوں کو اور کیجئے جو جمالِ یار ان مشغلوں کو اور فروزاں (?) بنائیے  
سینہ سے بھی ہو پنجنہ وحشت کی چھیڑ چھاڑ اُس کو بھی اک طرح کا گریباں بنائیے



کہتے ہی رہے حضرت منصور انا الحق حاصل ہوئی فرقت نہ حجاب نظری سے  
جی دیکھئے، آتا ہے نظر اور ہی عالم حیران ہوں نیرنگِ جمالِ نظری سے  
ہر غنچہ نے دی گھل کے جو یوں داؤمسترت کیا راز سنا موجِ نسیمِ سحری سے  
مایوں پھرا بارگہ خاص سے اُس کی واقف جو نہ تھا مرحلہ بے خبری سے



دل سے پیارے کو پیار کون کرے مت کو ہوشیار کون کرے



مشقِ خطا و جوشِ تقاضا و شغلِ مے کیا کیا نہ کیجئے ستم یار کے لئے



اصل میں ہو تو کوئی دیوانہ ندرت پسند ہر قدم پر ہے نیا زنداں، نئی زنجیر بھی



مجھ سے مطلب بھی کچھ نہیں اُن کو اور مری ہی دیکھ بھال بھی ہے



جس دل میں امنگیں تھیں، اُس میں غمِ ہجر اں ہے جب بھی ترا احساں تھا، اب بھی ترا احساں ہے



بے لوث جذبِ عشق کی تاثیر چاہیے لفظوں سے ماورا کوئی تقریر چاہیے

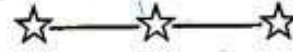


مٹا کر اپنی ہستی، یار کی تصویر دیکھیں گے ہم اس تخریب ہی میں صورتِ تعمیر دیکھیں گے  
بغور اپنی حقیقت کی اگر تصویر دیکھیں گے خیالِ آزاد پائیں گے، نظرِ زنجیر دیکھیں گے  
ہوئے آزاد جب قیدِ تعلق سے ترے وحشی بڑی مایوسیوں سے جانبِ زنجیر دیکھیں گے  
ادھر احساںِ روحانی، ادھر ادراکِ جسمانی کس آئینہ میں، کیا جانے، تری تصویر دیکھیں گے

جنہیں تاریکیاں بھی دیکھنا اب تک نہیں آئیں وہ کس صورت سے تیرے حسن کی تصویر دیکھیں گے  
کہاں ممکن جمالِ شہدِ فطرت کا نظارہ ان آنکھوں سے یہی بس عالمِ تصویر دیکھیں گے



ضیا بارِ حقیقت ہے یہ شمعِ زندگی میری نہ ہستی جاوہِ راہ اور نہ منزل نیستی میری  
جہاں دیکھو گے، پاؤ گے وہیں پر روشنی میری کہاں پہنچے گی گردِ کاروانِ زندگی میری



ذہن سے علم کتابی سب بھلانا چاہیے جلوہ بے رنگ بھی دل کو دکھانا چاہیے  
اس طرح اک نعمہٴ دلکش سنانا چاہیے نفس کہہ دیتا ہے اکثر، ختم منزل ہو گئی  
گوہرِ مقصود تو قسمت سے ملتا ہے، مگر عشق میں مدہوشی و مستی مناسب ہے، مگر  
سامنے گروہ نہیں آتے، تو اے حسنِ نظر! سجدے بھی ہو جائیں گے، پیدا تو کر ذوقِ نیاز

یہ بڑا پردہ ہے، اس کو بھی اٹھانا چاہیے اور دیوانے کو دیوانہ بنانا چاہیے  
وجد میں ہر ذرّہٴ فطرت کو لانا چاہیے مطلق اس دھوکے میں انساں کو نہ آنا چاہیے  
آدمی کو کارِ ہمت کر دکھانا چاہیے ہوش کی جب ہو ضرورت، ہوش آنا چاہیے  
کوئی تصویرِ خیالی ہی بنانا چاہیے سر بھی جھک جائے گا، پہلے دل جھکانا چاہیے



ایک سوزِ بے اماں ہے دونوں جانب مشترک ہوش کیسا، جوش کیا، ہستی کہاں، مستی کجا  
شع میں پروانہ ہے اور شمعِ پروانے میں ہے عشق کی معراج ہر صورت سے کھوجانے میں ہے  
اٹھ گیا کافر جگر سا کیا کوئی پھر حق پرست حشر ہے کعبہ میں برپا، شور بہت خانے میں ہے



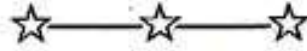
دکھا دوں حسن بے تابی، مگر پھر خوف آتا ہے کسی اک نقطہ موہوم ہی کی شرح تو کر دیں  
مرادل ہی نہ بن جائیں مرادل دیکھنے والے کتابِ عشق کے گہرے مسائل دیکھنے والے  
حقیقت میں نظر میں ہر تجلی اک حقیقت ہے وہ خود باطل میں جو ہیں نقشِ باطل دیکھنے والے  
کمال بے حسی شوق پر بھی اک نظر ڈالیں مری ہر سانس میں اک حشرِ دل دیکھنے والے  
تری صورت کا مظہر ہے تراہر پر تو رنگیں! تجھ کو دیکھتے ہیں تیری محفل دیکھنے والے



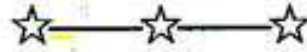
یہ میرا طائرِ دل ہے، سمجھتا کیا ہے تو ظالم! ترے آزاد کرنے سے کہیں آزاد ہوتا ہے  
جنونِ رشک کا عالم یہاں تک عشق میں پہنچا کبھی میں شہاد ہوتا ہوں، تو دلِ ناشاد ہوتا ہے



نگاہِ دُور میں دُقر ب میں کافر ہے، ورنہ جسے نغمہ سمجھتے ہو، وہ خود فریاد ہوتا ہے  
 محبت میں گزرتا ہے جو عالم، کیا خبر مجھ کو نہ جانے شاد ہوتا ہے کہ دل ناشاد ہوتا ہے  
 نگاہِ ناز کی معجز بیانی، واہ! کیا کہنا سمجھ لیتا ہے از خود جس سے جو ارشاد ہوتا ہے



تا گجا ہم درد مندوں پر تبسم، تا گجا اک نظر اپنی طرف بھی، بندہ پرور! کیجئے!



دمِ اخیر دُعائیں نہ دول انہیں کیوں کر ستم کے بھیس میں کیا کیا کرم نواز رہے  
 دیارِ حُسن میں آئینِ حُسن ہی ہے جُدا جو سر فروش رہے، وہ نہ سر فراز رہے  
 کچھ اس ادا سے وہ مستِ خام ناز رہے

## یادایام

معنی صد زندگانی تیری  
 ایک ادنیٰ سے اشارہ میں ہے

ہر چشمِ کرم حاصل صد میکدہ ایک ایک جامِ آرزو  
 راکِ تکمیلِ شوق اللہ اللہ کس قدر تھا اہتمامِ آرزو



???

اے قوم کے  
 اے نقش و نگار  
 ماں باپ کی آنکھ کے  
 ماں باپ کی آنکھ کے  
 بنگال تمہارا ہم

نونہال بچو! اے قوم کے خوش خصال بچو!  
 گلشنِ ہند! اے تازہ بہارِ گلشنِ ہند!  
 لے ٹور ہو تم ماشاء اللہ! چشمِ بد دُور ہو تم  
 لے ٹور ہو تم اللہ تجھے اماں میں رکھے!  
 سفر ہے پنجاب تمہاری پشت پر ہے



ڈائر کی وہ فوج آ  
 ڈائر کی وہ فوج آ

رہی ہے وہ تیز قدم بڑھا رہی ہے!  
 رہی ہے اب ہند نہیں ہے وہ فرشِ مَحمل



???





؟؟؟

حُجّت تمہاری خُدا کے لئے تھی      عداوت تمہاری خُدا کے لئے تھی  
 عدالت تمہاری خُدا کے لئے تھی      حکومت تمہاری خُدا کے لئے تھی  
 نہ تھا فقر سے اور نہ مطلب غنا سے      خُدا تم سے راضی تھا، تم تھے خُدا سے



سوئے سوراج قدم اپنا بڑھاتے جاؤ      جس طرف جاؤ ادھر آگ لگاتے جاؤ  
 خون ابھی اور بہانا ہے زمینوں پہ تمہیں      گولیاں اور بھی کچھ کھانی ہیں سینوں پہ تمہیں



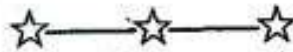
## گاندھی

ع

اب ہوئے میکدہ ہند کے ساتی گاندھی

### (۱) سہرا

خوشی سے نہ کیونکر ہو معمور سہرا      کہ ہے زینتِ رُوئے منصور سہرا  
 یہ سہرا نہیں حسب دستور سہرا      یہ سہرا ہے نورِ علیٰ نور سہرا  
 خبر ہے اسے کیا ہجومِ نظر کی      جوانی کے نشہ میں ہے پُور سہرا  
 سر بزم لیتا ہے رُخ کی بلائیں      بہت شوخ و گستاخ و مغزور سہرا  
 مُرادوں کے پھولوں سے رنگین محفل      محبت کی خوشیوں سے معمور سہرا



### (۲) سہرا

جگر رشید و ظفر میاں کو رہے نہ کیوں سازگار سہرا  
 لکھا ہے پڑھ کر دُرودِ پیہم، بنامِ پروردگار سہرا  
 سنائے جا مطربِ محبت، اسی طرح بار بار سہرا  
 تمام حسن و شبابِ نوشہ، تمام باغ و بہار سہرا

نشاط اندر نشاط محفل، جمال اندر جمال منظر  
 قطار اندر قطار خوشبو، بہار اندر بہار سہرا  
 جواب اُس حُسن کا کہاں ہے، عجیب عالم، عجب سماں ہے  
 تجلیاں رُخ پہ ہین تھذوق، تجلیوں پہ نثار سہرا  
 یہ دو دلوں کی محبتوں کی کشاکشیں بھی ہیں کیا قیامت  
 ادھر بھی ہے بیقرار سہرا، ادھر بھی ہے بیقرار سہرا  
 بنا ہے نوشہ کے رُخ سے مل کر کچھ اس طرح شاندار سہرا  
 کہ جیسے خود باغبانِ فطرت کے ہاتھ کا شاہکار سہرا  
 ترے سراپا کا میں نے لکھا، عجب سراپا بہار سہرا  
 کہ تُو ہے دریائے حُسن و خوبی تو اُس کا ہے آبنار سہرا  
 اگر ہو منظور دل لگی کچھ، جنابِ نقیٰ سے کوئی کہہ دے  
 بلائیں لے لے کے چشم و عارض کی بن گیا میکسار سہرا  
 جو مادرِ مہرباں کی آنکھوں میں اس سے خنکی ہے صبح کی سی  
 تو ہے سعیدِ انظر میاں کے لئے بھی وجہ قرار سہرا  
 الہی تا دورِ ماہ و انجم رہے مبارک بہ صد تبسم  
 یہ مستِ جامِ شرابِ الفت، یہ رندِ شبِ زندہ دار سہرا  
 جگر سب احباب کی نگاہیں اگر نہ بروقت کام آئیں  
 تو کیا یہ شک ہے کہ بن نہ جائے لطافتِ رُخ پہ بار سہرا



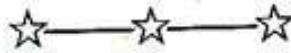
## شکستِ توبہ

ساتی کی لہر دیکھ کے، لہرا کے پی گیا	توسعت بقدرِ جوش طلب پا کے پی گیا
جب لہر آگئی کوئی، لہرا کے پی گیا	اُن مست آنکھریوں کی قسم کھا کے پی گیا
بانہوں میں بانہیں ڈال کے اٹھلا کے پی گیا	میں مست توبہ کرتے ہی پچھتا کے پی گیا
جب آگیا خیال ہی، جھلا کے پی گیا	میں اور ترکِ شاہد و ساغر، خدا گواہ



اے ساقی ازل! تری رحمت کے میں نثار  
میری نگاہ و فکر پہ جب چھا گئی بہار  
جب جب جہان ہوش سے فرصت ملی مجھے  
افسانہ مختصر یہ مری میکشی کا ہے  
میں اور شکستِ توبہ، بس اب اور کیا کہوں  
جس جس مقام پر مجھے مشکل کچھ آپڑی  
ملتی ہے کس کو خاص ترے دستِ ناز سے  
جب جامِ وبادہ بھی میری نظروں سے چھپ گئے

توبہ کے ہر خیال کو ٹھکرا کے پی گیا  
رنگینیوں میں ڈوب کے لہرا کے پی گیا  
اپنی حقیقتوں کی طرف آ کے پی گیا  
تو نے پلا دی جب مجھے، لہرا کے پی گیا  
کیا جانے کس خیال میں گھبرا کے پی گیا  
افسانہ حیات کو دُہرا کے پی گیا  
میرے نصیب تھے کہ تجھے پا کے پی گیا  
میں عالمِ خیال میں تیورا کے پی گیا

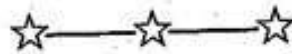


## بادۂ شیراز

روشن جہاں زجلوۂ برقی یک آہ کیست در حیرتم جگر کہ نگاہم نگاہ کیست



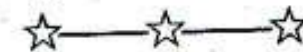
جنسے زجنس اور بہ تماید اگر بہ عشق! ایں اشک و آہ از اثر اشک و آہ کیست



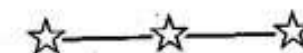
ہر اشکِ رواں رنگے از خونِ جگر وارد شاید بہ من خستہ او نیز نظر دارد  
اے آنکہ دلِ عالم زیرِ قدمتِ اُفتاں آخر چہ کند آنکس کو سوختہ پر دارد



ہر نفس را کردہ جو حُسنِ دوست ہم چو بوئے گل پریشاں می روم  
باتن وہم باز جان در شورِ عشق بانے وہم بانیتاں می روم  
مظہرم دراصل خواہم گم شدن محشرم در محشرستاں می روم



بہ حضورِ خرقہ پوشاں، خبرے وہم زرازے کہ حقیقت است پنہاں پس پردہ مجازے



اے بہ سر تو ساقی مست من، بہ سرورِ بے طلبی خوشم اگر م شراب نمی وہمی، بہ خمارِ تشنہ لبی خوشم

چہ خوش است ذوقِ مجتہم! چہ بلاست لذتِ فرتم! کہ بہ یادِ زلفِ سیاہ تو، بہ ہجومِ تیر شبِ خوشم  
 چہ مقامِ عشق و چہ منزلے کہ درین زماں من بیدلے نہ بہ شاہدے، نہ بہ مطربے، نہ بہ حاصلِ علی خوشم  
 زنگاہِ عشوہ طراز تو چہ گذشت برذلِ من، کہ من نہ بہ نالہِ سحری خوشم، نہ بہ آہِ نیم شبی خوشم  
 زجہائے حُسنِ تمام تو نہ حکایتے، نہ شکایتے چہ حکایتے، چہ شکایتے کہ بہ ترکِ بے ادبی خوشم!



ہمہ ہوشِ عشقم، ہمہ سوزِ جانم حذر، اے جواناں! کہ پیرِ جوانم  
 نہ اسم، نہ جسم، نہ اینم، نہ آنم چہ رازِ عیانم! چہ سرِ نہانم!  
 جہاں از من و من زجانِ محبت بجانِ محبت! کہ جانِ جہانم!  
 خوشا نسبتِ عشقِ لافانی تو فنا گشتم و زندہ جاودانم



## آتشِ گل

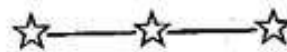
عشق مٹا اور مرتا ہی رہا حُسنِ بنتا اور سنورتا ہی رہا  
 عشقِ کارِ عشق کرتا ہی رہا گو بظاہر وہ نہ کرتا ہی رہا  
 وہ جلاتے ہی جلاتے رہ گئے دل کو مرنا تھا سو مرتا ہی رہا



۱ فتنہ روزگار میں امن ہے کیا، قرار کیا! حاصلِ زیستِ غم سہی، غم کا بھی اعتبار کیا  
 فطرتِ شوق کی قسم، غیرتِ عشق کی قسم! دولتِ دو جہاں سہی، دولتِ مستعار کیا  
 عشقِ خزاں مزاج سے لطفِ مزاج پوچھے جس کی نظر ہو خود بہار، اُس کے لئے بہار کیا  
 سوزِ تمام چاہیے، رنگِ تمام چاہیے شمعِ تہِ مزار ہو، شمعِ سرِ مزار کیا



۲ ہائے اُس عاشقِ دیوانہ گلشن کی بہار کہ جب آئی ہو، بہ اندازِ خزاں آئی ہو

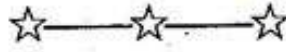


۳ بارِ عیادت اٹھ نہ سکا، اُف رے نازکی تکلیفِ چند گام وہ فرما کے رہ گئے  
 اب دل سے کیا نکلتے ہیں تیر نگاہِ ناز جو دل میں آ کے رہ گئے، بس آ کے رہ گئے

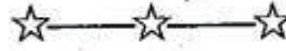




جس میں پہنائی و رفعت ہی نہیں اور کچھ ہے، وہ محبت ہی نہیں  
اس زمانے میں دلائل کے سوا ہر حقیقت اب حقیقت ہی نہیں



کہتے ہیں، نہیں ہم کو تیری مہر و وفا یاد اب دیکھئے، کب تک انہیں رہتا ہے خدا یاد  
بندے کی نہیں تاب، کرے یاد خدا کی! بندے کو اگر خود نہ کرے اُس کا خدا یاد



اُس حسن کا شکوہ کیا کیجئے، محدود ہو جس کی اک دنیا اُس سعی طلب کو کیا کیجئے، جو سعی طلب ناکام نہیں



۱  
کیا تعجب کہ مری رُوح رواں تک پہنچے پہلے کوئی مرے نغموں کی زباں تک پہنچے  
جب ہر اک شورشِ غم ضبطِ فغاں تک پہنچے پھر خدا جانے، یہ ہنگامہ کہاں تک پہنچے  
آنکھ تک دل سے نہ آئے، نہ زباں تک پہنچے بات جس کی ہے، اُسی آفتِ جاں تک پہنچے  
تُو جہاں پر تھا بہت پہلے، وہیں آج بھی ہے دیکھ، رندانِ خوشِ انفاں کہاں تک پہنچے  
جو زمانے کو بُرا کہتے ہیں، خود ہیں وہ بڑے کاش! یہ بات ترے گوشِ گراں تک پہنچے  
بڑھ کے رندوں نے قدمِ حضرتِ واعظ کے لئے گرتے پڑتے جو درِ پیرِ مغاں تک پہنچے  
تو میرے حالِ پریشاں پہ بہت طنز نہ کر اپنے گیسو بھی ذرا دیکھ، کہاں تک پہنچے  
اُن کا جو فرض ہے، وہ اہلِ سیاست جانیں میرا پیغامِ محبت ہے، جہاں تک پہنچے  
جلوے بیتاب تھے جو پردہٴ فطرت میں جگر خود تڑپ کر مری چشمِ نگران تک پہنچے



سُن کے نغمے بھی خاموش فغاں تک پہنچے اب ترے حوصلے، اے عشق! کہاں تک پہنچے  
عشق کی چوٹ دکھانے میں کہیں آتی ہے کچھ اشارے تھے کہ جو لفظ و بیاں تک پہنچے



## غالبِ مرحوم

لا ریب، کہ اس رمز سے واقف تھی تری ذات افسانہ ہمہ رنگ و حقیقت ہمہ بے رنگ  
اے، وہ کہ تری ذاتِ گرامی بہ ہمہ رنگ قدرت کی جو ہم راز تو فطرت کی ہم آہنگ

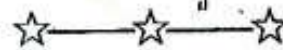
اے، وہ کہ تری فکر بہ ہر طرزو بہ ہر صنف  
 اے، وہ کہ ہر اک نغمہ ترا نغمہ فطرت  
 اے، وہ کہ ترے معجزہ جنبش لب سے  
 ہر بھول ترے باغ کافر دوش بہ دامن  
 اقلیم سخن ہے ترے اعجازِ نفس سے  
 اک گوشہ دامن میں ترے دجلہ و جیوں  
 تھے ملکِ سخن میں ترے ہم عصر ہزاروں  
 تو نظم میں بھی، نثر میں بھی مجتہد العصر  
 تو نے اُسے گنجائش کونین عطا کی!!  
 عرقی و نظیری و ظہوری و فغانی!  
 لاریب، کہ اس رمز سے واقف تھی تری ذات  
 الحق، کہ تری وسعتِ تخیل کے آگے  
 ہم شعلہ و ہم شبنم و ہم شیشہ و ہم سنگ  
 اے، وہ کہ ہر اک نقش ترا روش ارژنگ  
 اک جنت شاداب ہر اک غنجہ دل تنگ  
 ہر خار ترے دشت کا انکشتِ عشق رنگ  
 ہم نغمہ و ہم شیشہ و ہم نکبت و ہم رنگ  
 اک موجِ نفس میں تری رقصاں بجن و گنگ  
 تنہا تھی تری ذات مگر صاحب اورنگ  
 لیکن وہ ہے معذور کہ جس کی ہے نظر تنگ  
 ہر چند بہت تھا کبھی دامانِ غزل تنگ  
 تیرا کوئی ہم سر، نہ ترا کوئی ہم آہنگ  
 افسانہ ہمہ رنگ و حقیقت ہمہ بے رنگ  
 صحرا کفِ خاکستر و گلشنِ قفسِ رنگ



۱ اب غم عشق نغمہ بار نہیں اب کوئی شعر شاہکار نہیں



۲ اب کہاں حسنِ صداقت کہ بنے نقشِ دوام اب تو لے دے کے بس اک حُسنِ بیاں ہوتا ہے



۳ مدتِ گذری، یاد ہے اب تک تیری گلی کی ہیرا پھیری  
 دشمن سمجھے رحم کے قابل کیا ہوئی، اے دل! غیرت تیری

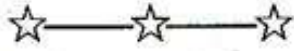


## قطعہ

آپ کے سب اصولِ جمہوری جیسے کاغذ کے بھول کچھ رنگیں  
 مختصر یہ کہ آپ خود کیا ہیں؟ آپ کی ذہنیت ہے کتنی حسین



آپ کہتے ہیں کچھ، عمل کچھ ہے اس کے شاہد ہیں آسمان و زمین  
میں بس اتنا ہی عرض کرتا ہوں آپ جمہوریت کے اہل نہیں



نغمہ و صہبا، شعر و ادب تیری نظر کے تشنہ سب  
ختم ہوا انعامِ فراق! آ ہی گیا پیغامِ طلب  
حسن و محبت، روح و جسد تنہا تنہا، ہائے غضب



علم ہی ٹھہرا علم کا باغی عقل ہی نکلی عقل کی دشمن



آسمان مرکزِ تخیل و تصور کب تک آسمان جس سے نخل ہو، وہ زمیں پیدا کر  
روح آدم نگراں کب سے ہے تیری جانب اٹھ اور اک جنتِ جاوید یہیں پیدا کر



نگاہوں میں منزل کوئی پھر رہی ہے یونہی گرتا پڑتا چلا جا رہا ہوں  
مجھے کوئی دیکھے، مجھے کوئی سمجھے! یہ کیا سامنے ہوں، یہ کیا جا رہا ہوں  
خود اپنی بھی پہنائیاں ختم کر کے خود اپنی نظر میں چھپا جا رہا ہوں



جیسی کرنی ویسی بھرنی ظالمِ فطرتِ رحم نہ کھائے  
آج ہے بے ڈھب دل کی دھڑکن جیسے کوئی پاس بلائے  
کوئی بنے یا کوئی روئے فطرت اپنا جی بہلائے



چھپتا ہے کہیں بانی بیداد کا عالم ہونٹوں پہ تبسم ہے کہ فریاد کا عالم  
دیکھ، اے نگہ شوق! یہیں تک نہ ٹھہرنا اک اور بھی ہے حسنِ خدا داد کا عالم  
اب کیا کوئی سمجھے مری زوداد کا عالم نغموں میں ہے ڈوبا ہوا فریاد کا عالم

۱ تحریک اکتوبر ۱۹۶۲ء ۲ العلم اپریل تا جون ۱۹۶۲ء ۳ حیاتِ جگر (قیسی الفاروقی)

۴ جگر کی بیاض نمبر ۲ (لابریری جامعہ ملیہ دہلی)

اللہ رے، اک مطرب بے نام کا اعجاز ہر سانس ہے اک نغمہ آزاد کا عالم  
ہر نغمہ ہے جس کے لئے فریاد کا عالم! اللہ رے، اس نغمہ آزاد کا عالم!

☆—☆—☆

لُرفتہ رفتہ مزکور فکر و توجہ بن گئی!! اپنی بربادی کو حُسنِ رائیگاں سمجھا تھا میں

☆—☆—☆

یادش بخیر! پھر سے اسی رہ گذر کی یاد  
پھر عشقِ سادہ لوح کو دعوائے ضبط ہے  
تو خود ہی عین ذات ہے، خود جلوہ صفات  
جس کی شفا محال ہے، جس کی دوا حرام  
یا رب! کہاں گیا وہ زمانہ کہ عشق میں  
جن کو خبر نہیں کہ ہے رنگِ زمانہ کیا  
گذرے تھے ہم جہاں سے کبھی سر لئے ہوئے  
ہر ہر نفس میں شورشِ محشر لئے ہوئے  
پھر تا کہاں ہے شوق کا دفتر لئے ہوئے  
اے چارہ گر! وہ زخم ہوں دل پر لئے ہوئے  
اک دل تھے ہم بھی دل کے برابر لئے ہوئے  
بیٹھے رہیں وہ شاہد و ساغر لئے ہوئے

☆—☆—☆

آج سے ترکِ ملاقات بھی تسلیم مجھے توبہ توبہ کرتے حُسن کی رسوائی ہو

☆—☆—☆

نظر کو فرصتِ نظارگی نہیں، نہ سہی یقین تو ہے کہ وہ آئے تھے بے حجابانہ

☆—☆—☆

کوئی منزل ہو، کوئی مرحلہ ہو عشق کی دسترس سے دُور نہیں

☆—☆—☆

تیرے جلوے تو بیکراں ہیں، مگر کم نہیں عشق کا بھی ظرفِ نگاہ

☆—☆—☆

نظر جب سے کسی نے پھیر لی ہے بہت برہم مزاجِ زندگی ہے

☆—☆—☆

رندی کے لئے ہے نہ عبادت کے لئے ہے انسانِ محبت ہے، محبت کے لئے ہے

☆—☆—☆

کیا کرے گا وہ کسی اور کا شیدا ہو کر جس نے اپنے کو نہ سمجھا کبھی اپنا ہو کر

☆—☆—☆



تاز تھا جس پر بلبلی و گل کا سوکھ چلی وہ شاخِ نشیمن



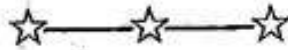
توبہ، زاہد، ہم اور توبہ! مفلسی وجہ پارسائی ہے  
 بس اسی کی ہے زندگی، جس نے آپ اپنے پہ فتح پائی ہے  
 اُس نے اک رُوح پھونک دی ہے جگر۔ جب نظر سے نظر ملائی ہے



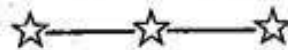
# آتشِ گل کے بعد

## غزلیات

لاجب تک کہ غمِ انساں سے جگرِ انسان کا دل معمور نہیں  
 جنت ہی سہی دُنیا، لیکن جنت سے جہنم دُور نہیں  
 جو ذوقِ طلب، جو شوقِ سفر کچھ اور مجھے منظور نہیں  
 اے عشق! بتا اب کیا ہو گا، کہتے ہیں کہ منزل دُور نہیں  
 واعظ کا ہر اک ارشاد بجا، تقریر بہت دلچسپ، مگر  
 آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرے پہ یقیں کا نور نہیں  
 میں زخم بھی کھاتا جاتا ہوں، قاتل سے یہ کہتا جاتا ہوں  
 توہین ہے دست و بازو کی، وہ وار کہ جو بھرپور نہیں  
 اربابِ ستم کی خدمت میں بس اتنی گزارش ہے میری  
 دُنیاۓ قیامت دُور تو ہے، دُنیا کی قیامت دُور نہیں



کم نہیں ظلمت میں کچھ اہلِ نظر کے لئے  
 لاکھ چمن زارِ حُسن پیشِ نظر ہوں تو کیا  
 جس پہ بہت ناز ہے آہ تجھے، بوالہوس!  
 جوشِ طلب چاہیے ہوشِ ادب چاہیے  
 کون رہے شبِ نشیں نورِ سحر کے لئے  
 ہاتھ یہ بڑھتے نہیں ہر گلِ تر کے لئے  
 نگ ہے وہ زندگی اہلِ نظر کے لئے  
 بند نہیں کوئی راہِ پائے بشر کے لئے  
 وجد میں ہے کائنات اہلِ نظر کے لئے  
 وجد میں ہے کائنات اہلِ نظر کے لئے  
 مجھ گئے لاکھوں چراغ ایک سحر کے لئے  
 کم نہ ہوئیں ظلمتیں اُف رے شبتانِ غم!





محبت کا، بالآخر رقص بے تابانہ کام آیا  
 نگاہ شہرگیں اٹھی، سلام آیا، پیام آیا  
 ادب، اے گردشِ دوراں! کہ پھر گردش میں جام آیا  
 سنبھل اے عہدِ تاریکی! کہ وقتِ انتقام آیا  
 نہ جانے آج کس دُھن میں زباں پر کس کا نام آیا  
 فضا نے پھول برسائے، ستاروں کا سلام آیا  
 جہادِ زندگی میں جب کوئی نازک مقام آیا  
 جنوں نے ہی قیادت کی، خلوصِ غم ہی کام آیا  
 نئی تخریب لازم ہے، نئی تعمیر کی خاطر  
 ہوا کیا تو اگر کچھ گرتی دیواروں کو تھام آیا  
 سنبھل کر یوں تو ہم گذرے کسی کی راہ میں، لیکن  
 کچھ ایسے بھی مقام آئے کہ گر پڑنا ہی کام آیا  
 مجھے شکوہ نہیں ساقی سے اپنی تشنہ کامی کا  
 میری قسمت میں دل آیا، ترے حصہ میں جام آیا  
 اٹھا تعظیم کو ساقی، جھکے شیشے، بڑھے ساغر  
 نہ جانے آخرِ شب کون رندِ تشنہ کام آیا  
 اندھیرے سے اُجالے پھوٹ نکلے، دل یہ کہتا ہے  
 مرا افسوں خرام آیا، مرا ماہِ تمام آیا  
 نکل آیا جگر جب میکدہ میں شور یہ اٹھا  
 وہ رندِ دل بہ یار وے بہ جام و تشنہ کام آیا

☆—☆—☆

۱۔ سرِ محفل جب اُن خاموش نظروں کا پیام آیا      زبانِ بے زبانی پر پیام بے پیام آیا  
 ☆—☆—☆

۲۔ مدت میں جو اُس شوخ کا دیدار ہوا ہے      تا درِ سمھلنا مجھے دشوار ہوا ہے  
 منصور ہر اک دور میں بیدار ہوا ہے      افسانہ کہیں ختم سرِ دار ہوا ہے؟  
 اب حُسن سے کچھ کام، نہ جلووں سے سروکار      اب عشق ہی خود عشق کا معیار ہوا ہے

جو گھونٹ بھی اُترا ہے، وہ تلواز ہوا ہے  
تب جا کے یہ دل شعلہ بیدار ہوا ہے  
کچھ اُن کی نگاہوں کا بھی اصرار ہوا ہے  
سیراب ہراک پھول، ہراک خار ہوا ہے  
ہر سانس حدیث لب و رخسار ہوا ہے  
ہر شعر مرا شعلہ رخسار ہوا ہے

بے شاہد و ساقی بھی کبھی پی تو ہے، لیکن  
کیا کیا نہ تپایا ہے اسے آتشِ غم نے  
کچھ دل کا تقاضا ہی نہ تھا عرضِ محبت  
شبنم کی نظر میں نہیں تخصیص کسی کی  
فیضانِ غمِ عشق سے حاصل ہے جو نسبت  
کیا کہئے جگر! کس گل رعنا کی بدولت



ہر عزم، ہر اک حوصلہ بیکار ہوا ہے  
یہ دل جو ابھی فتنہ بیدار ہوا ہے  
اک حرفِ تسلی بھی گراں بار ہوا ہے  
سُنتے ہیں کہ واعظ بھی قدحِ خوار ہوا ہے

لے نام و نشان ایسا بھی اک وار ہوا ہے  
ڈھانی ہے اسی کو غمِ دوراں یہ قیامت  
کچھ دن سے عجب دل کی نزاکت کا ہے عالم  
کیا چیز تھی رندانِ خوشِ انفاس کی صحبت



یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے  
مجھے اتنا سہارا کم نہیں ہے  
اس میں کونسا عالم نہیں ہے  
کوئی عالم بہ ہر عالم نہیں ہے  
ابھی تک دم بہ دم، پیہم نہیں ہے  
مالِ لغزشِ آدم نہیں ہے  
حقیقت کیا، اگر مبہم نہیں ہے  
یہ فانی زندگی بھی کم نہیں ہے  
سرِ تسلیم کس کا خم نہیں ہے  
چمن شاداب ہے، شبنم نہیں ہے  
مگر یہ فطرتِ آدم نہیں ہے  
مقامِ التجا بھی کم نہیں ہے  
مزاجِ عشق ابھی برہم نہیں ہے

یہ میخانہ ہے بزمِ جم نہیں ہے  
شکستِ دل شکستِ غم نہیں ہے  
ذرا سا دل ہے، لیکن کم نہیں ہے  
یقینِ عشق اگر محکم نہیں ہے  
ابھی ناکام ہے دردِ محبت  
تو پھر کیا ہے، اگر یہ حُسنِ فطرت  
کہاں کا حُسن، اگر اٹھ جائے پردہ  
ارے او شکوہِ سنجِ عمرِ فانی!  
زباں سے کوئی کچھ کہہ لے، پر اے دوست!  
کہیں ایثارِ غم جاتا ہے ضائع؟  
وفا اک جنس ہے معروف و دلکش  
نہ جا شانِ تغافل پر کہ، اے دوست!  
ستم کچھ اور کر گیں حُسنِ والے!



نگاہ و فکر کو کیا کہئے، ورنہ حقیقت کوئی بھی مبہم نہیں ہے  
ابھی کیا لذتِ دردِ محبت پیامِ دم بہ دم، پیہم نہیں ہے

☆—☆—☆  
کیا چیز غمِ عشق کی دیوانہ وشی ہے ہر چند کہ تکرارِ نظر بے ادبی ہے  
رونا ہے تو رونا ہے، ہنسی ہے تو ہنسی ہے پر کیجئے کیا، عشق کی فطرت ہی یہی ہے  
اک منزل بے نام، نہ حسرت، نہ تماشائے آسان نہیں جہدِ امستل سے گزرنا  
ہر گام یہاں مرحلہ خود شکنی ہے اے دوست! یہ دنیا نہ بری ہے نہ بھلی ہے  
اک طرزِ تصور کے کرشمے ہیں بہ رنگ بن جاؤں میں بیگانہ آدابِ محبت  
تتنے نہ قریب آؤ، مناسب بھی یہی ہے بجھتی ہی نہیں اب کسی ساغر سے مری پیاس  
شاید مرا مقصد ہی مری تشنہ لبی ہے وہ ظلم بھی ڈھاتے ہیں تو فرماتے ہیں احساں  
میں آہ بھی کرتا ہوں تو خاطر شکنی ہے

☆—☆—☆  
پہنچنا زندگی سے زندگی تک بچھ اللہ! جنونِ شوق پہنچا  
نہ پوچھو، خاک! پروانے کے جی سے مرا کفرِ محبت، اللہ اللہ!  
بہت آگے مقام آگہی ہے شعاعیں پھوٹ نکلیں تیرگی سے  
ترے مستوں کے دامنِ تہی سے خزانے بھر لئے ہیں اہلِ دل نے  
کے فرصتِ جہادِ زندگی سے وہی دل ہے مگر اے حسنِ جاناں!  
اٹھے شعلے مرے جامِ تہی ہے خبر دار، اپنے میخانے سے ساقی!

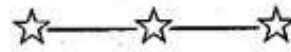
☆—☆—☆  
اب کسی شے میں دل کشی نہ رہی کہنے سننے کا جب مقام آیا  
رہ گیا سایہ، روشنی نہ رہی رشک نے ایسے تفرقے ڈالے  
کہنے سننے کی تاب ہی نہ رہی! رہ گیا کیا، اگر محبت میں  
دیدہ و دل میں روشنی نہ رہی عشق ہی درد، عشق ہی درماں  
سر فروشانہ زندگی نہ رہی ہم نہ تھے گرچہ مستحقِ کرم  
اب ضرورت کسی کی بھی نہ رہی لوٹ لے دولتِ فراق، جگر!  
اُس طرف سے مگر کمی نہ رہی فرصتِ غم رہی رہی نہ رہی

☆—☆—☆

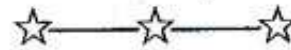
۱ واعظ نہ کیوں ہو طاق حساب و کتاب میں گزری ہے ساری عمر عذاب و ثواب میں  
ان زاہدانِ خشک پہ ہو رحمتوں کی مار توڑا کئے دلوں کو حصولِ ثواب میں



۲ جو تیری یاد سے معمور و نغمہ خواں گذرے وہ لمحے کتنے حسین، کس قدر جواں گذرے  
کہاں وہ جائے تری بزمِ ناز سے اٹھ کر ترے بغیر جسے زندگی گراں گذرے



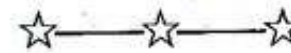
۳ عشق ہی اس کو جانتا ہے کہ ہے اک نگہ اور بھی ورائے نگاہ



ارمان اگر ہے اور یہی، اے قاتلِ نادان! یہ بھی سہی  
میں سینے پہ لوں ہر وار تراء، تو تیر چلا، تلوار اٹھا



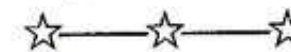
جب یاس سے ہو چلا میں خوگر!! وہ آگئے دفعتاً غزلِ خواں  
لذت ہے تو مصیبت میں، لیکن کتنی ارزاں ہے، کتنی آساں



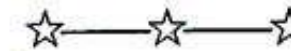
۴ وہ رہے ہم سے دُور دُور تو کیا ہم نے بوسے ادا ادا کے لئے  
گردشیں آسماں کو ہیں کیا کیا اک اسی خاکِ زیرِ پا کے لئے



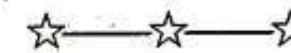
۵ اپنی جنت کی فکر کر، واعظ میری جنت تو مجھ سے دُور نہیں



۶ لطیف طبع کو لازم ہے سوزِ غم بھی لطیف چمن میں آتشِ گل کا کبھی دُھواں نہ رہا  
فراقِ زیست کی شورش، وصالِ موت کے بعد کہاں کا لطف، جو یہ لطف درمیاں نہ رہا



۷ کرم کر رہے ہیں ستم ڈھا رہے ہیں ہمیں ہم وہاں اب نظر آ رہے ہیں



۱ مکتوب جگر بنام حبیب احمد صدیقی ۲ ماہنامہ جگر مئی ۱۹۵۳ء ۳ القلم اپریل تا جون ۱۹۶۴ء

۴ حسبِ روایت نیاز گوٹروی ۵ مکتوب جگر بنام میکش اکبر آبادی ۱۹۵۸ء ۶ شاہراہ مئی ۱۹۵۸ء

۷ شاہراہ جون ۱۹۵۸ء ۸ جگر کی بیاض نمبر ۱ (لابریری جامعہ ملیہ دہلی)



دہر کا پھر وجود کیا، کوئی جو دہریا نہیں پھر یہ خودی ہے کیا بلا، کوئی اگر خدا نہیں



پابند کرم مائل بیداد رہے گی دنیائے محبت یونہی برباد رہے گی  
میں لاکھ گرفتارِ تعین سہی، لیکن فطرت میری آزاد ہے، آزاد رہے گی



کچھ اب اور ہی پا کے منشا کسی کا اُلٹنا پڑا مجھ کو زخ زندگی کا  
بہ اس عقل و دانش، بہ اس علم و حکمت بشر پھر بھی پتلا ہے کم مانگی کا



یوں سبزہ بیگانہ کو روندنا نہ کریں آپ چھ جائے نہ تلووں میں کوئی خارِ محبت



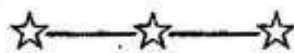
داغِ دل کیوں کوئی ممنونِ پذیرائی ہو گلِ ویرانہ بنے، لالہِ صحرائی ہو  
دل درِ دولت اگر ہے، تو بنا، اے واعظ! حرم و دیر میں کیوں مشقِ جبین سائی ہو



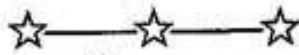
طبیعت آکے پھر تا حدِ امکانی نہیں جاتی نہیں جاتی، نہیں جاتی، یہ دیوانی نہیں جاتی



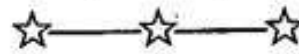
دکھا دے، اے دل بیتاب! عالی ہمتی اپنی دو عالم بن کے پھیلا دے دو عالم میں خودی اپنی  
نہ حسن و عشق کی چھیڑیں، نہ امن و آشتی اپنی تری جنت کو اے واعظ! یہیں سے بندگی اپنی  
انہیں کو اب نگہبانی بھی کرنی پڑ گئی اپنی زہے دیوانگی اپنی، خوشا فرزانگی اپنی  
نثارِ ہمت ساقی ہے مرگ و زیت بھی اپنی معاذ اللہ یہ دریا نوشیاں، یہ تشنگی اپنی  
نظر پڑتی ہے عالم پر اسی صورت، یونہی اپنی کسی نے جیسے آئینے میں صورت دیکھ لی اپنی  
زمانہ تھا کبھی اپنا، یہ دنیا تھی کبھی اپنی مگر اب تو نہ شامِ غم، نہ صبحِ سرخوشی اپنی  
مکمل تو کوئی کر لے حیاتِ عاشق اپنی خدائی چیز ہی کیا ہے، خدا اپنا، خودی اپنی  
حقیقت ہی نہیں، جو چھوڑ دے اپنی حقیقت کو وہی حسرت ہے صرف اپنی، جو حسرت رہ گئی اپنی  
مری بربادیوں میں کیوں ہو یہ احساس بھی شامل مرے سر ڈال دیجئے خیر سے شرمندگی اپنی  
نگاہیں چار ہوتے ہی طلسمِ غیریت ٹوٹا حقیقت نے حقیقت جان لی، پہچان لی اپنی



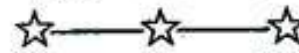
کی ہے تڑپ تڑپ کے سحر۔ یادِ یار نے  
بدلے ہیں رنگ رنگِ دلِ بیقرار نے  
ہاں، اے نگاہِ شوق! ذرا تو بھی کام کر  
تصویر کھینچ دی کسی بیکسِ شباب کی  
اک کشتہ خزاں کو بھی دم بھر سلا دیا  
یہ کیا غضب کیا نفسِ شعلہ بار نے  
رکھا ہے بھینچ بھینچ کے آغوشِ یار نے  
آتے نہیں انہیں ابھی گیسو سنوار نے  
بے اختیار آج اک اٹھے غبار نے  
دے دے کے تھکیاں سی نسیم بہار نے



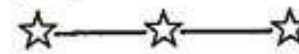
بڑھے ہیں تری جستجو میں، بڑھے ہیں  
مبارک! تجھے تیری گستاخِ کوشی  
محبت سے آویزشیں، توبہ، توبہ!  
کہیں اب قدم یہ ہیں رک جانے والے  
کھنچے آ رہے ہیں کھنچے جانے والے  
بہک کر رہیں گے یہ بہکانے والے



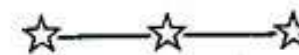
رہتا نہیں ہے جس میں کہ یارائے صبر و ضبط  
کیا جانے، اُسِ بخون میں کیا کیجئے گا آپ



جو دل کہ تیری جلوہ گہ خاص تھا کبھی  
اس عہدِ مغربی میں ہے کس چیز کی کمی  
کیوں کر یہ اب کہوں، وہ تری زہگذر نہیں  
کہتے ہیں جس کو دل کی سکینت مگر نہیں



اس زمانے میں دلائل کے سوا!  
آج کل زورِ بیاں، حُسنِ زباں  
ہر حقیقت اب حقیقت ہی نہیں  
کیا نہیں، لیکن صداقت ہی نہیں



جس کے پردے میں نہ ہوں لاکھوں فریب  
وہ سیاست اب سیاست ہی نہیں



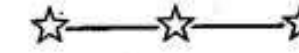
جہاں پاؤں رکھتے ہیں، سر لوٹتے ہیں  
وہیں سر سے جانے کو جی چاہتا ہے



جگر! میری یہ حسرت ہے کہ خوابِ مرگ سے پہلے  
مرا ہندوستان، مرا وطن بیدار ہو جائے



کہنا نہ پھر کہ ہائے مجھے ہو گیا ہے کیا  
جب آگئی ہے ضد مجھے سرکارِ حُسن سے  
لیجئے، بلند دست دعا کر رہا ہوں میں  
ہر نقشِ آرزو کو مٹا کر رہا ہوں میں





مری عرضِ غم پر وہ فرما رہے ہیں      ترے دل کی خاطر ہے، ترپا رہے ہیں  
ہمہ شعر و نغمہ، ہمہ حُسن و خوشبو      وہ کچھ گنگناتے چلے آ رہے ہیں  
یہ ہے مشہدِ عشق، یعنی یہاں پر      حسینوں کے سرٹھو کریں کھا رہے ہیں



ترا حریفِ مقابل کہیں نہ بن جائے      کہ ہر ادا مرے دل میں سمائی جاتی ہے  
یہ آگِ عشق کی ہے، یونہی رہنے دے ہدم!      بھڑکتی اور ہے جتنی بجھائی جاتی ہے  
اک آستاں پہ جوتا حشر جھگ نہیں سکتی      ہزار در پہ وہ گردن جھکائی جاتی ہے



بجھے گی سوزِ غم سے رُوح کی پیاس      اسی شعلہ کو بن جانا ہے شبنم  
مرا ذوقِ نظر خود پردہ بن جائے      نہ ہو گر فرصتِ نظارگی کم



پھر زخمت، اے سکوت! کہ برسوں گذر گئے      نعمتِ سردی کو پریشاں کئے ہوئے



یہ حُسن ہے کیا، یہ نام ہے کیا، کیونکر یہ معتمہ حل کیجئے      ہر حُسن کے ساتھ اک نام تو ہے، ہر حُسن مگر خود نام نہیں



نغمہ و نالہ ساتھ ساتھ، خندہ و گریہ پاس پاس      درد یہ کس نے بھر دیا سینہ آبشار میں



مجھے آ گیا یاد اپنا زمانہ      نہ کچھ دل نے سمجھا، نہ آنکھوں نے جانا



سچ ہے کہ بلا کوئی بھی تنہا نہیں آتی      کیا موت بھی بے منتِ عیسیٰ نہیں آتی



اس موت میں پوشیدہ حیاتِ ابدی ہے      سردے کے تو میدانِ شہادت سے گذر جا  
قرآن و احادیث کو جو کھیل بتائے      اُس قبلہ دیں کی بھی قیادت سے گذر جا



عمرِ عزیزِ آخر و کارِ جہاں دراز      کہہ دے کوئی اجل سے کہ فرصت نہیں ابھی



ہر شامِ غم ہے قاصدِ صبحِ نشاط تو      یہ آنکھ کی خطا ہے، اگر دیکھتی نہیں



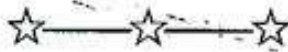
یہ عیش و طرب، یہ رنج و تعب، سب فکر و نظر کے دھوکے ہیں  
دھوکے میں نہ آنا ان کے جگر، یہ راہ گزر کے دھوکے ہیں



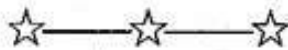
قحط ہو بنگال میں تیری بدولت، شرم شرم! شرم شرم، اے غیرتِ احساسِ ملت، شرم شرم!  
بھوک کے مارے ہوؤں کی آف یہ ذلت، شرم شرم! اے مرؤت، اے محبت، اے شرافت، شرم شرم!



آپ ہی اپنی دید سے محروم آپ ہی اپنا مدعا ہوں میں



تو خود ہی عینِ ذات ہے، خود جلوہٴ صفات پھرتا کہاں ہے شوق کا دفتر لئے ہوئے



آج سے ترکِ ملاقات بھی تسلیم مجھے تو بہ تو بہ! کہ ترے حُسن کی زسوائی ہو  
قعرِ دریا میں بھی ہے سطح وہی ساحل کی یہ تو ممکن نہیں گہرائی ہی گہرائی ہو  
کوئی اپنا نہیں، عرفاں نہ اگر ہو اپنا سب شناسا ہیں، اگر حق سے شناسائی ہو



بے سبب کب کوئی رسوائے فغاں ہوتا ہے دل سے جب آگ نکلتی ہے، دھواں ہوتا ہے  
تو جو ہے پاس، تو اک زندہ حقیقت ہے جہاں تو نہیں جب، تو یہ سب وہم و گماں ہوتا ہے



اس نظّرِ زر خیز میں یہ قحط، یہ افلاس غیروں کی حکومت کا اثر دیکھ رہا ہوں



جنابِ شیخ بھی انساں تو خوب ہیں، لیکن حدودِ وسعتِ انسانیت سے بیگانہ  
مرے لئے یہ مری تشنگی ہی کیا کم ہے میں کیوں طلب کروں ساتی سے جام و پیمانہ  
نظر کو فرصتِ نظارگی نہیں، نہ سہی یقین تو ہے کہ وہ آئے تھے بے حجابانہ



وہ مری غزل سرائی، وہ کسی کا مُسکراتا وہ ذرا ٹھہر کے خود ہی، کوئی شعر گنگناتا  
شبِ ماہ و موسمِ گل، وہ کنارِ جو، وہ خلوت وہ ہجومِ کیف و مستی، وہ فسانہ در فسانہ



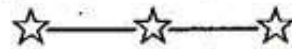
تجھے یاد اگر نہ ہو، تو تجھے یاد میں دلا دوں  
 وہ نئے نئے سے جذبے، وہ نئی نئی سی ہر شے  
 وہ گھٹائیں اُڑی اُڑی، وہ ہوائیں مہکی مہکی  
 وہ شکستِ عزم و ہمت، وہ غرورِ فتح و نصرت  
 ترے سنگِ غم نے تو زامرے شیشہ خودی کو  
 مجھے یاد ہے وہ سب کچھ، وہ مقام، وہ زمانہ  
 وہ نئی نئی اُمنگیں، وہ نیا نیا زمانہ  
 وہ نگاہیں بہکی بہکی، وہ ادائیں والہانہ  
 وہ سرورِ درد مندی، وہ نشاطِ دلبرانہ  
 مراد دل تھا تو بہ تو بہ، کہ ”خداے بے زمانہ“



اُس جگہ آج غمِ عشق کا عالم پایا  
 حُسن کو خود بھی جہاں شوقِ مجسم پایا



اپنی بربادیِ پیہم کا خیال آ ہی گیا  
 زندگیِ سخت مقامات سے گذری، لیکن  
 غیرتِ عشق کے چہرہ پہ جلال آ ہی گیا  
 وقت پر کام مرا جامِ سفال آ ہی گیا



ہر انقلاب ایک پیامِ سحر سہی  
 ہر روشنی دلیلِ طلوعِ سحر نہیں



تنگ دستی ہے، فاقہ مستی ہے  
 واہ کیا شانِ حق پرستی ہے



تمنا ہے اماں مل جائے، یا رب!  
 کتابوں میں اہرا ہی کیا ہے، واعظ!  
 نہ جانے، کیوں محبت کانپ اٹھی  
 اٹھا جب کوئی پردہ زندگی سے  
 جہنم کو مری تر دامنی سے  
 سبق لے زندگی کا زندگی سے



یہ رزم گاہ محبت ہے، اے دل ناداں!  
 سمجھتے رہ گئے لیکن سمجھ میں آ نہ سکے  
 شکست دے نہ سکے، جو شکست کھانہ سکے  
 مگر وہ میرے عزائم کا سر ٹھکانہ سکے



اس عہد میں کہ جو غمِ دوراں نہیں ہے کچھ  
 مجھ سے اُلٹا اُنہیں شکوہ ہی ستمِ گاری کا  
 وہ شخص ہے ولی جو محبت سے کام لے  
 اے جنوں! خواب کا عالم ہے کہ بیداری کا  
 عشق محدود نہ رہ جائے تو سبحان اللہ!  
 ورنہ صرف ایک خسیں شغل ہے بیکاری کا



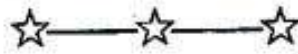
رگ رگ میں ہے کون یہ خراں دل سے ہے نگاہ تک چراغاں



تری شکل سب دلنشین ہو گئی محبت بھی کتنی حسین ہو گئی!



ان دنوں روز گارِ عشق نہ پوچھ شام بھی ہے خفا سحر ہی نہیں  
 زندگی کی ہے کوئی منزل بھی زندگی صرف اک سفر ہی نہیں  
 کیوں غمِ عشق کو نہ وسعت دیں جب غمِ عشق سے مفر ہی نہیں  
 دل کو کیا ہو گیا، خدا جانے کیا گزرتی ہے، کچھ خبر ہی نہیں  
 یوں وہ بیگانہ وار ملتے ہیں جیسے اب تک انہیں خبر ہی نہیں  
 دل کی باتوں کو مختصر نہ سمجھ دل کی ہر بات مختصر ہی نہیں  
 فتنہ شر کے جاننے والے! فتنہ خیر کی خبر ہی نہیں  
 ہائے، وہ اک نگاہِ خاص، جگر جو بہت کچھ ہے، مختصر ہی نہیں



طوفاں کو موج، موج کو طوفاں نہ کر سکے وہ کونسا ہے کام کہ انساں نہ کر سکے  
 ہم شکوہ سنجی غمِ دوراں نہ کر سکے اپنے سوا کسی کو پشیمان نہ کر سکے  
 چپکے سے آج ایک برہمن یہ کہہ گیا کافر ہے وہ جو کفر کو ایماں نہ کر سکے  
 شرمندہ جنونِ محبت نہیں، اگر ہم احتیاطِ دست و گریباں نہ کر سکے



غمِ دوراں کی میں تفسیر کبھی کر نہ سکا غمِ دوراں مری تفسیر کئے جاتی ہے  
 کیا ستمِ عشق کی تقدیر کئے جاتی ہے ہر بال پاؤں کی زنجیر کئے جاتی ہے  
 کچھ تو نامہ ہی کا اثر ہے مجھ پر اور کچھ شوخیِ تحریر کئے جاتی ہے



یہی دل جلوہ گاہِ یار بھی ہے یہی دردِ دل عطار بھی ہے





دل کی لگی کو خاک بچھاتا آگ لگاتا آیا سادون

☆—☆—☆

حقیقت حسن کی سمجھیں گے کیا خاک وہ ناداں جو بہلتے جا رہے ہیں

☆—☆—☆

مرا عزمِ باغیانہ کبھی کھل گیا جو اُس پر تو نہ پوچھو لطفِ پیہم، بہ گدازِ مخلصانہ

☆—☆—☆

جوانی حاصلِ حسنِ دو عالم ہوتی جاتی ہے نظر بیگانہِ حسنِ دو عالم ہوتی جاتی ہے  
مذاقِ شعر کا معیار اونچا ہوتا جاتا ہے ارے توبہ! قیامتِ قدِ آدم ہوتی جاتی ہے

☆—☆—☆

کیسی نظر کہاں کی نظر، کیا نظر میں ہے جب تم نہیں تو خاک مری چشمِ تر میں ہے

☆—☆—☆

چشمِ ساقی! میں تصدقِ ترے پیمانوں کے چند گھونٹ اور بھی، لیکن انہی میخانوں کے  
آگ میں پھاند پڑیں، موت سے نگر جائیں واہ! کیا کھیل ہیں ان سوختہ سامانوں کے  
کاش! یہ راز ہر انسان سمجھ لے ہم دم! اپنا مقسوم ہے خود ہاتھ میں انسانوں کے  
موت کیا آئے گی ہم عشق کے دیوانوں کو موت خود کا پنتی ہے نام سے دیوانوں کے  
ہر قدم لاکھ تھپڑے سہی طوفانوں کے حوصلے پست نہ ہوں گے کبھی انسانوں کے  
زندگی جس سے عبارت ہے محبت، زندہ وہ سکوں صرف ہے آغوش میں طوفانوں کے

☆—☆—☆

بیمار کا حشر جو ہونا تھا ہو چکا بیٹھے رہیں وہ حسنِ پشیمان لئے ہوئے  
دل بھی وہی ہے، غم بھی وہی، پھر یہ کیا کہ آج ہر اشک ہے تبسمِ پنہاں لئے ہوئے

☆—☆—☆

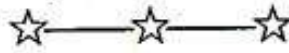
جاتے ہوئے نظر سے نظر یوں ملا گئے اپنے سوا ہر ایک حقیقت چھپا گئے  
بجلی سی ایک کوند گئی، مسکرا گئے اب کیا کہیں کسی سے، وہ کیا آئے، کیا گئے

☆—☆—☆

عشق نے لی اک انگڑائی، جاگ اٹھا غیرت کا ضمیر چھوٹ گیا دیوانہ آخر، ٹوٹ گئی زنجیر!  
مرنے بھی نہ دیں، جینے بھی نہ دیں، کیا افسوں کیا تاثیر پیاری پیاری نظریں اُس کی، نازک نازک تیر

☆—☆—☆

آخرِ زندگی گھلا یہ راز آپ کتنے قریب رہتے ہیں



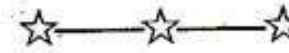
دونوں عالم نہ سہی اک دل دیوانہ سہی      جشنِ احساس تو ہے، رقصِ تمنا نہ سہی  
وہ بلا نوش ہوں میں بھی کہ الہی توبہ!      ہر اداِ حسن کی میخانہ بہ میخانہ سہی



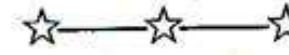
مے کی حاجت ہے نہ اب درکار پیمانہ مجھے      میرے ساقی نے پلا دی رُوحِ میخانہ مجھے



کیا رہبر و رفیق، کہاں کا کچھ امتحاں      یہ بات ہے جنوں کے مذاقِ سفر سے دُور  
اہلِ جہاں کی ہائے رے یہ کم نگاہیاں      آئینہ سے قریب اور آئینہ گر سے دُور  
رحمت تو خاص کر ہے گنہگار کے لئے      رہ سکتی ہے کہیں مرے داماں تر سے دُور



ہلِ وطن میں مرے فطرت کے مطابق، لے دوست!      روزِ روشن بھی ہے، تاریک ترسِ رات بھی ہے  
خزیت بھی ہے، مساوات بھی، جمہوریت بھی      ہے تو دستور میں سب کچھ مگر اک بات بھی ہے



مرے ہوتے پہ کرم ہونہ کسی پر، یارب!      ہر بلا کے لئے میرا ہی سیہ خانہ سہی  
میری دُنیا بھی نہیں کم کسی دنیا سے جگر      میری تقدیر میں یہ آپ کی دُنیا نہ سہی



یہ فلک، یہ ماہ و انجم، یہ زمیں، یہ رنگ و بو      جب وہ ہوتے ہیں تو کچھ اُن کے سوا ہوتا نہیں  
یہ حقیقت بھی جنوں نے فاش کر دی بارہا      ماسوا کہتے ہیں جس کو، ماسوا ہوتا نہیں



چارہ گر اب مجھے معاف کریں      اب سکوں درد ہی سے ملتا ہے  
سختِ ناداں سہی، مگر ناصح      کشتیِ شائستگی سے ملتا ہے!  
موت کچھ رازِ غیب کھولتی ہے      بھید کچھ زندگی سے ملتا ہے



مری طرف سے کوئی یہ کہہ دے، مجاہد بے خبر سے پہلے  
صفائے قلب و نظر ہے لازم، جہادِ تیغ و تیر سے پہلے  
سفر تو اک شرطِ جستجو ہے، مگر جو ہے شرطِ ہمر ہی بھی  
مرے بہکنے میں ساتھ دے گا، یہ پوچھ لوں راہِ بر سے پہلے



خود اپنی ہی جستجو تھی یعنی، خود اپنی ہی جستجو کی حد تک  
 وہیں یہ آ کر قدم رُکے ہیں، چلے تھے جس رہ گزر سے پہلے  
 شباب میں اے جگر! غزل تو حقیقتاً ہی غزل تھی، لیکن  
 غزل میں یہ وسعتیں کہاں تھیں، شعورِ فکر و نظر سے پہلے

☆—☆—☆

غیب کی طاقت اللہ اللہ! جیسا چاہے، ناچ نچائے

☆—☆—☆

جب حُسن و محبت مل کے بہم، سرشار و غزل خواں ہوتے ہیں  
 فطرت کو بھی جال آجاتا ہے، نظارے بھی رقصاں ہوتے ہیں  
 باطل کی ہو کتنی ہی طاقت، باطل کی اطاعت کیا معنی  
 ایماں پہ فدا ہو جاتے ہیں، جو صاحبِ ایماں ہوتے ہیں  
 اپنوں سے بھی نفرت رکھتے ہیں، ایسے تو ہزاروں لاکھوں ہیں  
 دشمن کے بھی کام آجاتے ہیں، ایسے بھی کچھ انساں ہوتے ہیں  
 وہ عشق کی وسعت کیا جانیں، محدود ہے جن کی فکر و نظر  
 وہ درد کی عظمت کیا سمجھیں، بیدرد جو انساں ہوتے ہیں  
 یہ فیصلہ اپنے دل سے کر، ہونا ہے تجھے کس صف میں شریک  
 ہمدرد بھی انساں ملتے ہیں، بے درد بھی انساں ہوتے ہیں

☆—☆—☆

حُسن پر جب بڑی گھڑی آئی عشق کا نپا، حیات تھرائی

☆—☆—☆

اک عشق ہے کہ جس سے عبارت ہے زندگی یہ درد جس کے دل میں نہیں، آدمی نہیں

☆—☆—☆

محبت سخت کوش آئی، جنوں تیشہ بدوش آیا سنبھل، اے گردشِ دوراں! کہ دیوانوں کو ہوش آیا

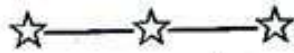
☆—☆—☆

وہ حسن ہی نہیں ہے جو ہو جائے مطمئن وہ عشق ہی نہیں ہے جو ثابت قدم نہیں

☆—☆—☆

نظر آتے ہیں ہم سب آدمی سے مگر کہئے تو کیا کہئے کسی سے  
 نہ بدلے بحر کو بھی تشنگی سے تعجب کیا مزاج عاشقی سے

مجھے ہر ایک شک ہے خضر منزل! نشانِ راہ پاتا ہوں اسی سے



لب ترستے ہیں التجا کے لئے ہاتھ اٹھتے نہیں دعا کے لئے  
ہم نے تنہائیوں میں کیا کیا لطف ایک آواز بے صدا کے لئے  
عشق کی وسعتیں، خدا کی پناہ حوصلہ چاہیے وفا کے لئے  
پھول کو رنگ و رامش و نکبت اور آوارگی صبا کے لئے  
مجھ کو جو چاہو، ناصحو! کہہ لو کچھ نہ کہنا اُسے خدا کے لئے



## قد پارسی

بہ سر تو ساقی مست من، بہ سرور بے جلی خوشم  
اگرم شراب نمی دہی، بہ خمار تشنہ لبی خوشم  
چہ خوش است ذوقِ محبتتم! چہ بلاست لذتِ فرقتم  
کہ بہ یاد زلفِ سیاہ تو، بہ ہجوم تیرہ شمی خوشم  
چہ مقامِ عشق وچہ منزله کہ دریں زماں من بے دے  
نہ بہ شاہدے، نہ بہ مطربے، نہ بہ حاصل عنی خوشم  
زنگاہِ عشوہ طراز تو، چہ گزشت بر دل من کہ من  
نہ بہ نالہ سحری خوشم، نہ بہ آہ نیم شمی خوشم  
زجفایِ حسن تمام تو نہ حکایتے نہ شکایتے  
چہ حکایتے چہ شکایتے کہ بہ ترک بے ادلی خوشم



ہمہ ہوشِ عشقتم، ہمہ سوزِ جانم حذر اے جواناں! کہ پیرِ جوانم  
نہ ائم نہ جسم نہ انیم نہ آنم چہ رازِ عیانم! چہ سرِ نہانم  
جہاں از من و من بہ جانِ محبت بہ جانِ محبت! کہ جانِ جہانم  
خوشا نسبتِ عشق لافانی تو  
فنا عشقتم و زندہ جاودانم



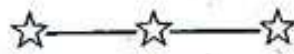


## نعت شریف

اے از لب صداقت شنیدہ نا دیدہ خدا، خداے دیدہ

### خصوصیات محمدیہ

اے مثل تو در جہاں نگارے یزداں دگرے نہ آفریدہ  
اے آل کہ بہ "امتزاج کامل" در جملہ صفات برگزیدہ  
تو پر تو حسن ذات و از تو یک شتمہ بہ دیگران رسیدہ  
اے بے ہمہ خلق و باہمہ خلق اے از ہمہ خلق برگزیدہ



### عہد رسالت تا خلافت راشدہ

آں خیر کہ بود در زمانت بعد از تو زمانہ ہم نہ دیدہ  
در عشق و وفا دگر مثالے نے دیدہ دنی ز کس شنیدہ



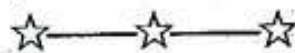
### عہد حاضر

امروز بہ ہیں کہ مرد ماں را کارے بہ ہلاکتے رسیدہ  
مشرق ہمہ پُر زقنہ و شر مغرب ہمہ مست و سرکشیدہ



### معراج

اے آل کہ ز شوق بے نہایت حق راہمہ آشکار دیدہ  
طے کردہ مراحل و منازل تابعدارہ باساعتے رسیدہ  
وز سدرہ بہ منتہائے قوسین باعظمت خاص رہ بریدہ



## شمہ از حقیقت معراج

اے آل کہ درونِ پردہ راز از خویش بہ خویشتم رسیده

☆—☆—☆

کے عقل تو اں رسد بہ پایاں ہم عشق ہنوز نا رسیده

”لَوْ لَاک لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ“ در مدح تو جانِ ہر قصیدہ

اے ام تو حزر جانِ عشاق اے ذکر تو نورِ قلب و دیدہ

اے بر تو ثار ”شرم عصیاں“ اے بر تو فدا ”دل پتیدہ“

یک گوشہ چشم التفاتے بر اُمتیانِ غم رسیده

رحمت بہ اشارہ تو جوشاں جنت بہ نگاہت آرمیدہ

☆—☆—☆

## قطع و مقطع

استادہ بہ پیش بارگاہت پیرے بہ رخ آستیں کشیدہ

شاید جگرے حزیں ہمیں است از بارِ گنہ کمر خمیدہ

☆—☆—☆

## حقیقت و مجاز

اے عین تو ہیج کس ندیدہ افسانہ بہ ہر زباں رسیده

دیدن نتواں واز رہ شوق خارے بہ دلے جہاں خلیدہ

عالم ہمہ پُرز جلوہ دوست اے وائے نگاہ نارسیدہ

گہہ گہہ نگہ بہ پائمالاں اے سرو روان سرکشیدہ

داریم دلے بہ سینہ عشق نازک ”زگل بہار چیدہ“

جائے زے کشیدہ ساتی کیف ز شراب ناکشیدہ

☆—☆—☆



## قطعہ (مجاز و محاکات)

دی شب بہ کنار آمد آں شوخ دامنِ حیا بہ رخ کشیدہ  
 یک پیکرِ حسن و شعر و نغمہ یک صنعتِ قدرت آفریدہ  
 یک حسن نگار و صد بہاراں یک شوقِ من و ہزار دیدہ  
 گلِ تمکنجے بہ رخ فروزاں خوش معذرتے بہ لب رسیدہ  
 آں دیدہ شرمگین کہ گوئی مے خانہ بہ ساغرے کشیدہ  
 پنہاں نظرے بہ شوقِ گستاخ پیدا اثرِ دلِ تپیدہ  
 مژگانِ دراز صف بہ بستہ ابروے سپہ کماں کشیدہ  
 جنبش بہ نگاہِ ناتمامے لرزش ”بے لبے سخن رسیدہ“  
 ہم سطوتِ حسن بھر تادیب ہم ناز، نیاز آفریدہ  
 از جوشِ خلوص، مہر برب وز کیفِ نشاط، آبدیدہ  
 گفتم کہ چساں گزشت بے من گفتا، بہ خیالت آرمیدہ



## قطعہ

اے آں کہ ز عشقِ پُری از من عشق است نہالِ برگزیدہ  
 بخش بہ دلِ ازل نہفتہ شاخش بہ سرِ ابد رسیدہ



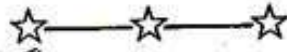
## کلام تازہ

(یہ غزلیں ”آتشِ گل کی اشاعت کے بعد کہی گئی ہیں)

کم نہیں ظلمت بھی کچھ، اہلِ نظر کے لیے  
 کون رہے شبِ نشیں نورِ سحر کے لیے  
 لاکھ چمن زارِ حسن پیشِ نظر ہوں تو کیا  
 ہاتھ یہ بڑھتے نہیں ہر گلِ تر کے لیے

جس پہ بہت ناز ہے آہ، تجھے بوالہوس  
 نگ ہے وہ زندگی اہل نظر کے لیے  
 جوشِ طلب چاہیے ہوشِ ادب چاہیے  
 بند نہیں کوئی راہ پائے بشر کے لیے  
 رقص میں ہے زندگی ایک ترے واسطے  
 وجد میں ہے کائنات اہل نظر کے لیے  
 کم نہ ہوئیں ظلمتیں اُف رے شبتانِ غم  
 مجھ گئے لاکھوں چراغ، ایک سحر کے لیے

گوئدہ، جون ۱۹۵۸ء



محبت کا بالآخر رقصِ بیتابانہ کام آیا  
 نہ جانے آج کس دھن میں زباں پر کس کا نام آیا  
 ادب اے گردشِ گردوں کہ پھر گردش میں جام آیا  
 جہادِ زندگی میں جب کوئی نازک مقام آیا  
 نئی تخریب لازم ہے نئی تعمیر کی خاطر  
 مجھے شکوہ نہیں ساتی سے اپنی تشنہ کامی کا  
 اندھیروں سے اُجالے بھوٹ نکلے، دل یہ کہتا ہے  
 سنبھل کر یوں تو ہم گزرے کسی کی واہ میں لیکن  
 اٹھا تعظیم کو ساتی، جھکے شیشے، بڑھے ساغر  
 نہ جانے آخر شب کون رندِ تشنہ کام آیا  
 نکل آیا جگر جب میکدے میں شور یہ اٹھا  
 وہ رندِ دل بہ یاروے بجام و تشنہ کام آیا

گوئدہ، جولائی ۱۹۵۸ء



منصور ہر اک دور میں بیدار ہوا ہے  
 مدت میں جو اس شوخ کا دیدار ہوا ہے  
 بے نام و نشاں ایسا بھی اک وار ہوا ہے  
 کیا کیا نہ تپایا ہے اسے آتشِ غم نے  
 اب حسن سے کچھ کام نہ جلوؤں سے سروکار  
 افسانہ کہیں ختم سرِ ر ہوا ہے  
 تا دیر سنبھلنا مجھے دُشوار ہوا ہے  
 ہر عزم، ہر اک حوصلہ بیکار ہوا ہے  
 تب جا کے یہ دل شعلہٴ بیدار ہوا ہے  
 اب عشق ہی خود عشق کا معیار ہوا ہے



فیضانِ غمِ دوست سے حاصل ہے وہ نسبت  
 کچھ دل کا تقاضا ہی نہ تھا ”عرضِ محبت“  
 بے شاہد و ساقی بھی کبھی پی تو ہے لیکن  
 ڈھانی ہے اسی کو غمِ دوراں پہ قیامت  
 کچھ دن سے عجب دل کی نزاکت کا ہے عالم  
 شبنم کی نظر میں نہیں تخصیص کسی کی  
 کیا چیز تھی رندانِ خوشِ انفاس کی صحبت  
 کیا کہیے جگر کس گلِ رعنا کی بدولت  
 ہر شعرِ مرا شعلہٴ زُخار ہوا ہے

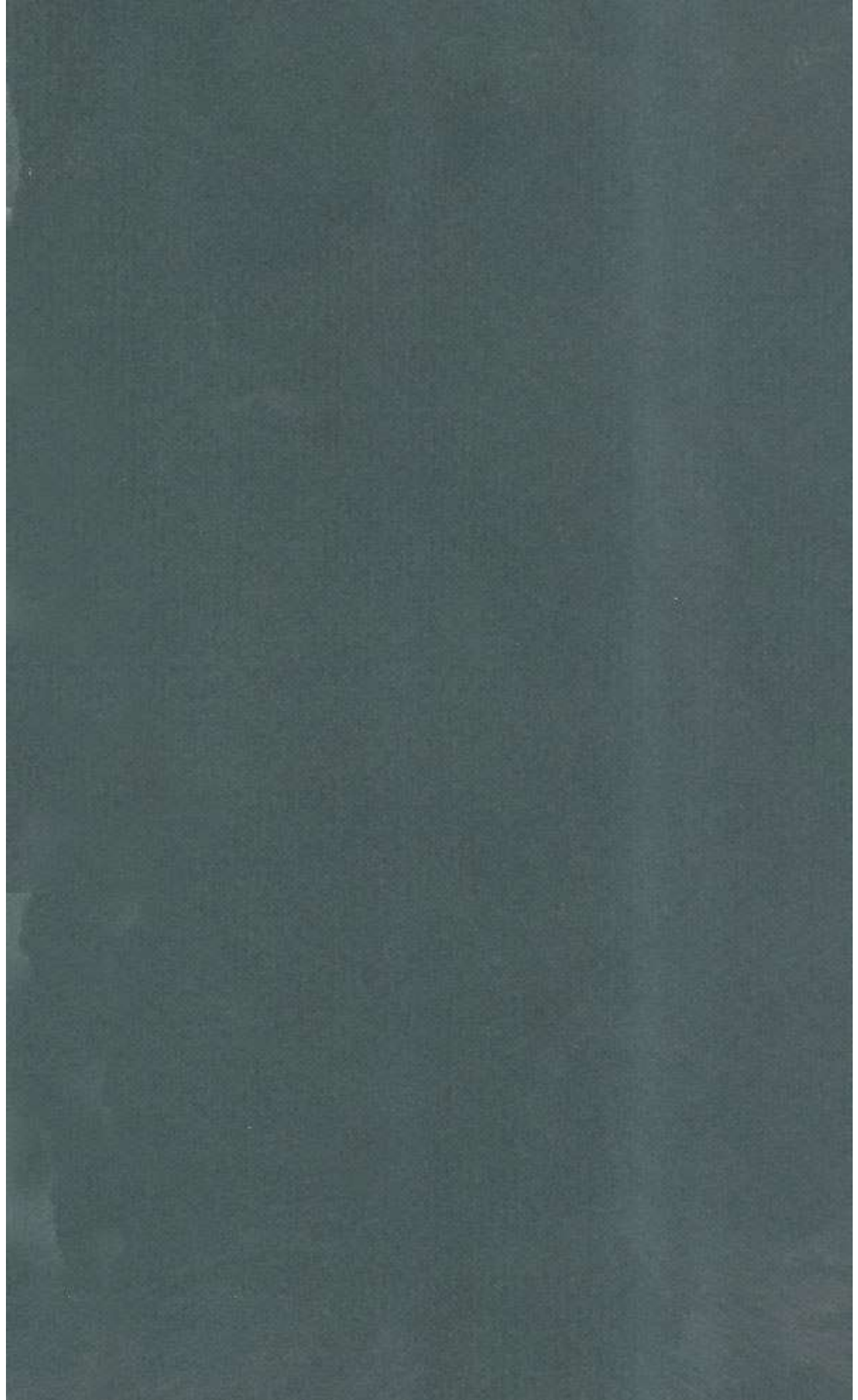
گوئذ ۵، اگست ۱۹۵۸ء



یہ مے خانہ ہے، بزمِ جم نہیں ہے  
 شکستِ دل شکستِ غم نہیں ہے  
 ذرا سا دل ہے لیکن کم نہیں ہے  
 یقینِ عشق اگر محکم نہیں ہے  
 نہ جاشانِ تغافل پر کہ اے دوست  
 تو پھر کیا ہے اگر یہ حُسنِ فطرت  
 کہاں کا حُسن اگر اٹھ جائے پردہ  
 بستم کچھ اور کر لیں حُسنِ والے  
 ارے او شکوہِ سنجِ عمرِ فانی  
 وفا اک جنس ہے معروف و دلکش  
 نگاہ و فکر کو کیا کہیے ورنہ  
 زباں سے کوئی کچھ کہہ لے پر اے دوست  
 کہیں ایثارِ غم جاتا ہے ضائع  
 چمنِ شاداب ہے، شبنم نہیں ہے

گوئذ ۷، مارچ ۱۹۶۵ء







# شہزاد آفاق عظیم شعراء کے شعری مجموعے

میر تقی میر

نظیر اکبر آبادی

مرزا محمد رفیع سودا

خواجہ حیدر علی آتش

شیخ امام بخش ناسخ

شیخ ابراہیم ذوق

مومن خان مومن

داغ دہلوی

اکبر الہ آبادی

حسرت موہانی

فانی بدایونی

اصغر گونڈوی

جگر مراد آبادی

گلیات میر

گلیات نظیر

گلیات سودا

گلیات آتش

گلیات ناسخ

گلیات ذوق

گلیات مومن

گلیات داغ

گلیات اکبر

گلیات حسرت

گلیات فانی

گلیات اصغر

گلیات جگر